كتاب شہادت (جلد 3) صفحہ 1662 تا 1866

کتاب شہادت

اس کتاب میں اسلام کے ان عظیم الشان
واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری
روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا
ہے کہ جس طرح جنگ صفین و جمل
ایک بے بنیاد افسانہ ہے اور بعد کی
گھڑت ہیں اسی طرح امام حسین
کی شہادت کا واقعہ بالکل
غلط اور محض بے بنیاد ہے۔
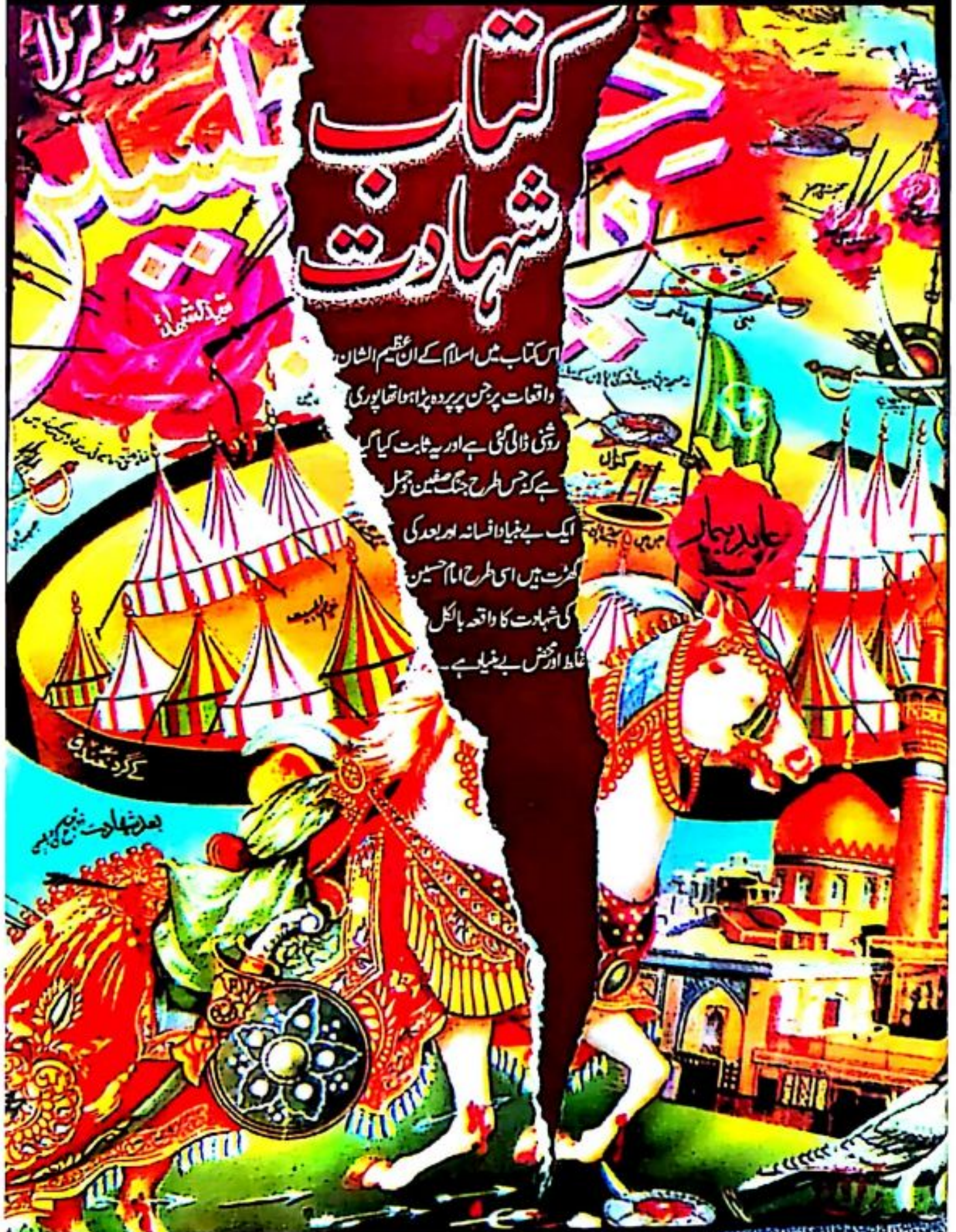
اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آپ جہاں چلئے ہم آپ کے ساتھ ہیں. پھر رسول اللہ آگے بڑھے اور فرمایا خو ش ہو جاؤ. اللہ تعالیٰ نے ان دونوں طائفوں میں سے مجھے ایک پر قابو عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے اور اس کا مجھے یقین ہے کہ گویا میں ان کے مقتل اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں. پھر آپ ﷺ بدر کی جانب نیچے کو اترے اور اُس کے قریب میں جا کر فروکش ہوئے ابوسفیان راستہ چھوڑ کر ساحل بحر پر چلا گیا. اور بدر کو دست چپ کی طرف چھوڑ گیا. اور وہاں سے تیزی کے ساتھ نکل کر بچ گیا. پھر جب ابوسفیان نے جان لیا کہ اوس نے اپنے اونٹ بچا لئے تو قریش سے جو اس وقت جحفہ میں تھے کہلا بھیجا. کہ تمھارا قافلہ تو اللہ تعالیٰ نے بچا دیا اور تمھارا مال اسباب امن میں ہے. تم کو چاہئے کہ لوٹ جاؤ مگر ابوجہل بن ہشام نے کہا کہ ہم بدر کو بغیر جائے نہ لوٹیں گے. بدر میں عرب کے اور میلوں کی طرح ایک میلہ ہوا کرتا ہے وہاں ہر سال لوگ اکھٹے ہوتے اور بازار لگتا تھا. ابوجہل نے کہا کہ ہم وہاں تین روز رہیں گے اور وہاں اونٹوں کو ذبح کریں گے اور کھانا کھائیں گے اور شراب پئیں گے تاکہ عرب اس کا حال سنیں اور ہم سے ہمیشہ ڈرتے رہیں. اس پر اخنس بن شریق الثقفی نے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا کہا. اے بنی زہرہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے اموال اور تمھارے آدمیوں کو بچا دیا اب لوٹ چلو. چنانچہ وہ لوگ لوٹ گئے اور بدر کے معرکہ میں کوئی زہری اور عدوی نہیں گیا. باقی قریش کے تمام بطون اس میں شریک تھے اس جگہ. جب کہ قریش جحفہ میں تھے تو جہیم بن الصلت بن مخرمہ بن عبدالمطلب بن عبد مناف نے ایک خواب دیکھا وہ کہتا تھا کہ میں نے دیکھا ایک شخص گھوڑے پر آ رہا ہے اور اس کے پاس ایک اونٹ بھی ہے. وہ کہتا ہے کہ عتبہ اور شیبہ و ابوجہل وغیرہ (مقتولین بدر) مارے گئے اور میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کی گردن زخمی کی اور اُسے لشکر میں چھوڑ دیا پھر اس کا خون تمام ڈیروں میں جا لگا. کوئی جگہ اس کی خون بغیر نہ رہی. ابوجہل نے یہ سنکر کہا. یہ تو بنی المطلب میں ایک اور نبی پیدا ہوا کل معلوم ہوگا کہ مقتول کون ہے طالب بن ابی طالب جو انہیں لوگوں کے ساتھ تھا اس سے اور کسی اور ایک قریش کے آدمی سے کچھ سخت گفتگو ہو پڑی قریش بولے کہ ہمیں معلوم ہے تم لوگ محمد ہی کا دم بھرتے ہو یہ سن کر طالب نے ان لوگوں کے ساتھ مکہ کو لوٹ گیا جو وہاں سے لوٹ گئے تھے کہتے ہیں کہ وہ قریش کے ساتھ بدلی سے آیا تھا اس کے بعد اسکا کچھ پتہ نہ چلا نہ تو وہ اسیروں میں آیا اور نہ مقتولوں میں اس کی لاش ملی اور نہ مکہ کو لوٹ کر گیا.

اسی نے یہ اشعار کہے ہیں۔ "یا رب اما یغزن طالب فی مقنب من ھذا لا المقانب"

اے پروردگار اگر ان مسلمانوں کے مقنبوں میں سے طالب کسی مقنب پر چڑھائی کرے۔ مقنب تیس چالیس سوار کو کہتے ہیں "فلیکن المسلوب غیر السالب ولیکن المغلوب غیر الغالب" تو چاہئے کہ اس کے کپڑے چھینے جائیں اور وہ مغلوب ہو نہ وہ کسی کے کپڑے چھینے اور نہ غالب ہو (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا طرف دار تھا۔) غرض قریش ہوتے ہوتے عدوۂ قصوے میں جو وادی میں ہے پہنچے۔ وہاں اللہ تعالی نے ابر کو بھیجا۔ اس وادی کی زمین نہ تو رتیلی ہی ہے اور نہ اس میں خاک تھی نرم مٹی تھی۔ جب مینہ برسا تو رسول اللہ اور آپ کے اصحاب کی طرف زمین تو سخت ہو گئی۔ کہ جس سے چلنے پھرنے میں دقت نہ رہی لیکن قریش کی طرف اوس کی یہ حالت ہو گئی کہ جس سے چلنا دشوار ہو گیا پھر رسول اللہ جلدی سے پانی کی طرف روانہ ہوئے اور جب بدر کا نہایت قریب کا چشمہ آیا تو وہاں قیام کیا۔ جناب بن المنذر بن الجموح نے کہا۔ یا رسول اللہ یہاں اترنے کے واسطے کیا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ جس سے نہ تو ہم آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ یا یہ کہ آپ کی رائے ہے اور لڑائی کا موقع آپ نے تلاش کیا ہے اور دشمن کے مقابلہ کے واسطے اچھی جگہ جانی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ میری رائے ہے اسے میں نے فنون جنگ کے موافق خیال کیا ہے جناب نے کہا تو یہ ٹھیرنے کی جگہ ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں سے آپ لوگوں کو لے چلئے۔ اور اس کے سوا اس چشمہ پر چلئے جو مخالفوں کے بالکل قریب ہو۔ وہاں ہم جا کر اتریں گے۔ پھر ہمارے کنوے کے سوا جتنے کنوے ہیں ان کا پانی غارت کر ڈالیں گے۔ اور اپنے کنوے کے پاس ایک حوض بنائیں گے اور اسے پانی سے بھر لیں گے۔ اور ہم پانی پئیں گے اور دشمنوں کے لئے پانی نہ رہے گا پھر ہم ان سے لڑیں گے۔ اور رسول اللہ نے یہی کیا۔

جب رسول اللہ فرو کش ہو گئے۔ تو سعد بن معاذ آپ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ آپ کے واسطے ہم کھجور کی ڈالیوں کا عریش (سائبان) بنائے دیتے ہیں۔ اوس میں آپ قیام کریں۔ اور کچھ اونٹنیاں آپ ﷺ کے پاس چھوڑے دیتے ہیں۔ اور پھر دشمن سے لڑنے کو جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالی نے ہم کو غلبہ دیا۔ اور ہماری دشمنوں پر فتح ہوئی۔ جب تو ہمارے دل کی جو مراد تھی وہ پوری ہو گئی۔ اگر کوئی دوسری

صورت ہوئی تو آپ ان اونٹوں پر سوار ہو جائیے اور جو لوگ کہ ہماری قوم کے باقی رہ گئے ہیں ان میں جا ملئے وہ لوگ بھی آپ کی وفاداری میں ہم سے کچھ کم نہیں ہیں یہاں تک کہ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ آپ کو لڑائی کا اتفاق ہوگا تو وہ بھی ضرور ہی ساتھ آتے۔ اللہ کی اگر مرضی ہوگی تو وہ آپ کی مدد کریں گے اور مناسب رائے دیں گے اور ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے۔ اس سے رسول نے اس پر بڑی آفریں و تحسین کی۔ پھر آپ کے لئے ایک عریش بنایا گیا اور آپ اس میں ٹھیرے۔ قریش جب بدر میں آئے تھے تو بڑے غرور اور گھمنڈ کے انداز سے آئے تھے۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا۔ اللہ یہ قریش ہیں اور بڑے غرور اور گھمنڈ سے آئے ہیں۔ کہ تجھ سے لڑیں اور تیرے رسول کو جھٹلا دیں۔ اور اللہ تو نے جو نصرت کا وعدہ کیا ہے اُسے تو پورا کر۔ اور ان کی صبح ہی پیٹھ توڑ دے پھر آپ نے دیکھا کہ عتبہ بن ربعیہ ایک سرخ اونٹ پر سوار ہے۔ تو فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص ان لوگوں میں اچھا ہے تو یہی سُرخ اونٹ والا ہے۔ اگر وہ اس کی بات مانیں گے۔ تو راستہ پر لگ جائیں گے جب قریش بدر کو آتے وقت خفاف بن ایما بن احضہ الغفاری کی طرف ہو کر گزر رہے تھے تو اس نے یا اس کے باپ ایماء نے اپنا بیٹا ان کے پاس ہدیہ کہ کے طور پر کچھ اونٹ دے کر پہنچا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اگر فوج کو اور ہتھیاروں کی ضرورت ہے تو ہم مدد کے لئے موجود ہیں۔ قریش نے کہا اگر ہم آدمیوں سے لڑنے کو جاتے ہیں تو ہم ان سے مقابلہ کے لئے کافی ہیں کوئی قوت کی ہم میں کمی نہیں ہے اور اگر اللہ سے لڑنے جاتے ہیں جیسا کہ محمد کا خیال ہے تو اللہ کے مقابلہ میں کسی کی طاقت کافی نہیں ہو سکتی اس لئے آپ لوگوں کی مدد کی ہمیں ضرورت نہیں ہے جب قریش بدر میں آکر اُترے تو اُن کے لوگ جن میں حکیم حزام بھی تھا آگے بڑھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض تک آ گئے رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ کہ اُن سے مت بولو جو کوئی اس کا پانی پیے گا وہ آج ہی قتل ہوگا۔ بجز حکیم بن حزام کے جو اپنے گھوڑے وجیہ نام پر سوار ہو کر نکل بھاگا تھا۔ اور اس کے بعد مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اچھا مسلمان تھا جس وقت وہ اپنی قسم پر زیادہ زور دیتا تھا تو کہا کرتا تھا۔ قسم ہے اُس اللہ کی جس نے مجھے بدر کے روز بچایا تھا جب قریش بدر میں آئے اور وہاں قیام کیا اور انہیں اطمینان ہو گیا تو انہوں نے عمرو بن وہب انجی کو بھیجا۔ کہ مسلمانوں کی تعداد دریافت کرے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور مسلمانوں کے گرد چکر لگایا

اور پھر ان کے پاس لوٹ کر آیا۔ اور بیان کیا کہ وہ تین سو سے کم و بیش ہیں۔ مگر میں نے دیکھا کہ ان کے اونٹوں پر موت لدی ہوئی ہے۔ اور یثرب کے پانی کے اونٹوں پر ایسی موت کا بار ہے کہ جس سے بچنا مشکل ہے۔ ان کے پاس بجز شمشیر براں کے اور کوئی چیز بچاؤ کی نظر نہیں آتی ان میں سے اگر کوئی شخص مار لیا جائے گا تو وہ بھی ضرور ایک کو تم میں سے مار کر ہی مرے گا۔ پھر اگر تم میں سے اتنے آدمی مر گئے جن کی تعداد ان کے برابر ہو۔ تو زندگی کا کیا مزہ رہا اس واسطے ان سے لڑائی کے باب میں آپ لوگ سوچیں اور دیکھیں کہ کیا کرنا چاہئے جب حکیم بن حزام نے یہ بات سنی تو لوگوں کو لیکر عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا اور کہا۔ ابو الولید تو قریش میں بڑا اور سید ہے۔ کوئی کام ایسا کر جس سے ہمیشہ تک تیری نیک نامی کی شہرت لوگوں میں رہے۔ اس نے کہا وہ کیا کام ہے۔ حکیم نے کہا کہ تو قریش کو لیکر لوٹ جا۔ اور اپنے حلیف عمرو بن الحضرمی کا خون اپنے ذمہ لے لے۔ عتبہ نے کہا بہت اچھا میں نے اس کا خون اپنے اوپر لیا اس کی دیت دوں گا۔ اور جو مال اس کا گیا ہے وہ بھی دوں گا تو ابن الحنظلہ یعنی ابو جہل کے پس جا میں جانتا ہوں کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے جو لوگوں کو بھکائے۔ اس پر عتبہ لوگوں کے سامنے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ محمد سے اور اس کے اصحاب سے لڑ کر تم لوگ کیا فائدہ اٹھاؤ گے۔ واللہ اگر تم نے ان کو مار ڈالا۔ تو یہ ہوگا۔ کہ جب تم میں ایک شخص دوسرے کو دیکھے گا تو کہے گا یہ وہ شخص ہے جس نے میرے بھتیجے یا بھانجے کو یا کسی اور میرے خاندان کے آدمی کو قتل کیا ہے حکیم بن حزام کہتا ہے کہ اس پر میں ابو جہل کے پاس گیا دیکھتا کیا ہوں کہ اس نے اپنی زرہ اتاری ہے اور اُسے درست کر رہا ہے۔ میں نے اُس سے وہ سب باتیں کہیں جو عتبہ نے مجھ سے کہی تھیں ابو جہل بولا کہ جب محمد اور اس کے اصحاب کو عتبہ نے دیکھا تو ڈر کے مارے اس کا کلیجہ پھول گیا ہے۔ واللہ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں اور محمد میں فیصلہ نہ کر دے میں جانتا ہوں عتبہ نے جس واسطے یہ بات کہی ہے۔ اس کا بیٹا ابو حذیفہ مسلمانوں میں ہے۔ اُسے اوس کا خوف ہے کہ کہیں تم اُسے نہ مار ڈالو۔

پھر ابو جہل نے عامر بن الحضرمی کو بلایا۔ اور کہا یہ تیرا حلیف چاہتا ہے کہ لوگوں کو لیکر مکہ کو لوٹ جائے۔ اور تو نے اپنی آنکھوں سے اپنا ثار دیکھ لیا ہے۔ تو اپنے حق کے اور اپنے بھائی کے قتل کی چلی پکار مچا۔ اس پر عامر اٹھا اور وا عمراہ وا عمراہ کی پکار مچائی۔ جس سے آتش جنگ مشتعل ہوئی۔ اور لوگوں

میں لڑائی کا جوش اُٹھ کھڑا ہوا. جب عتبہ نے سنا کہ ابو جہل کہتا ہے اُس کا کلیجہ پھول گیا ہے تو کہا اس کو مطلق جرائت و ہمت نہیں ہے اُسے جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس کا کلیجہ پھول گیا. میرا یا اُس کا. پھر اپنے سر کا خود تلاش کیا مگر سر اتنا بڑا تھا کہ اس کے موافق کہے خود نہ ملا. مجبوراً چادر کا عمامہ سر پر باندھ لیا. اور لڑائی کے لئے تیار ہو گیا.

پھر اسود بن عبدالاسد المخزومی نکلا. جس کی شکل بدنما تھی اور کہا کہ میں اللہ تعالی سے عہد کرتا ہوں. کہ مسلمانوں کے حوض کا پانی پیوں گا. اور اسے توڑ ڈالوں گا. یا اسی کوشش میں مر جاؤں گا. جب حمزہ نے اسے آتے دیکھا تو یہ بھی اس کی طرف جھپٹے. اور اس کے ایک تلوار ایسی ماری کہ نصف ساق کٹ گئی. اور وہ زمین پر گر پڑا. پھر بھی اس نے حوض کا رخ نہ چھوڑا. اور یکا یک آ کر اس میں گھس گیا. کہ اپنی قسم پوری کرلے. حمزہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلے گئے اور جا کر اُسے حوض میں ہی قتل کیا.

پھر عتبہ اور شیبہ ربیعہ کے بیٹے اور ولید بن عتبہ میدان میں آئے. اور لشکر اسلام سے مبازر طلب کیا. ادھر سے عوف اور معوذ عفرا کے بیٹے اور عبداللہ بن رواحہ میدان میں آئے. جو تینوں کے تینوں انصار میں سے تھے. قریشوں نے پوچھا کہ تم کون ہو. انہوں نے کہا ہم انصار ہیں. قریشوں نے کہا بیشک تم ہمارے اکفائے کرام سے ہو مگر ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے. چاہئے کہ کوئی شخص ہماری قوم میں سے ہمارا کفو نکلے. یہ سنکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمزہ اٹھو. عبیدہ بن الحارث اٹھو. علی اٹھو. اور میدان میں جاؤ. یہ لوگ اٹھے اور میدن میں گئے وہاں فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہوئے.

عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب جو امیر قوم تھا عتبہ کے مقابل ہوا. اور حمزہ شیبہ کے اور علی ولید کے مقابل ہوئے حمزہ نے تو شیبہ کو ذرا بھی مہلت نہ لینے دی. اور اسے قتل کر دیا. اور ایسے ہی نے علی نے ولید کو ایک لمحہ میں مار ڈالا. عبیدہ اور عتبہ میں دو دو چوٹیں ہوئیں. اور ہر ایک نے اپنے مقابل پر پورا وار کیا. اس میں علی اور حمزہ عتبہ پر دوڑ پڑے. اور اسے قتل کر ڈالا. اور عبیدہ کو اپنی فوج میں اٹھالائے. جس کا پیر کٹ گیا تھا. جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو عبیدہ نے رسول اللہ سے عرض کیا کیا میں شہید نہیں ہوں فرمایا. ہاں تو شہید ہے. پھر عبیدہ نے کہا. کہ اگر ابو طالب ہوتے تو وہ جان جاتے کہ ان کے اس قول کے مصداق ہونے کہ ہم احق ہیں. "ونسلمه حتى نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل"

اور چھوڑ دیں گے ہم اسے اور اپنے بچوں اور بیبیوں کو اس وقت جب کہ ہم اس کے گرد قتل ہو جائیں گے پھر عبیدہ مر گیا پھر فریقین نے حملہ کیا اور ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے اس وقت ابو جہل کہ رہا تھا کہ اے اللہ جو شخص ہم میں قرابت کو قطع کرتا ہے اور ایسی باتیں کہتا ہے جسے ہم نہیں جانتے اسے تو غارت کر ڈال. اس سے اس نے خود ہی اپنے اوپر ہلاکت کا رستہ کھولا. رسول اللہ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا. کہ جب تک میں نہ کہوں تم لوگ حملہ نہ کرنا اور کہ دیا تھا. کہ اگر وہ لوگ تمھیں آکر گھیر لیں تو تم انہیں تیروں سے مارنا.

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریش میں تھے. اور حضرت ابو بکرؓ آپ کے ہمراہ تھے اور آپ دعا مانگتے اور کہتے تھے اے اللہ اگر یہ جماعت مسلمانوں کی ہلاک ہو گئی تو پھر روئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا. اے اللہ جو تو نے مجھ سے وعدہ کیا اسے پورا کر اس دعا میں آپ ایسے مشغول ہوئے. کہ آپ کی چادر مبارک نیچے اتر گئی. ابو بکر نے اسے اٹھا دیا. اور عرض کیا. کہ آپ کا پروردگار سے اسی قدر دعا مانگنا کافی ہے جو اس نے وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا اسی میں رسول اللہ کو غنودگی آگئی اور اس عریش میں آنکھ لگ گئی اور یکا یک بیدار ہو گئے. پھر فرمایا. کہ اے ابو بکر اللہ کی مدد آگئی یہ جبریل اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے آگے آگے جاتے ہیں. اور ان کے دانتوں پر گرد و غبار ہے. اور یہ آیت بھی اللہ تعالی نے اسی موقع کی نسبت نازل فرمائی.

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ جب کہ تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے. تو اس نے تمھاری دعا سن لی. اور فرمایا کہ ہم لگا تار ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کریں گے اور یہ فرشتوں کی امداد جو اللہ تعالی نے کی تو صرف تمھارے خوش کرنے کو کی اور تا کہ تمھارے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہو جائیں. ورنہ فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر رسول اللہ عریش سے نکلے. اس وقت آپ فرماتے جاتے تھے. اب دشمنوں کو شکست ہوتی ہے. اور پیٹھ پھیر کر بھاگے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو لڑائی کے لئے برانگیختہ کرتے تھے. یہاں یہ بھی آپ نے فرمایا کہ آج جو شخص لڑے گا اور مارا جائے گا اور وہ صبر کر کے اللہ کے ہی واسطے لڑا ہو. اور آگے ہی بڑھتا گیا ہو.

پیٹھ نہ پھری ہو تو اسے یقیناً اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا جب رسول اللہ کے یہ کلمات عمیر بن الحمام الانصاری نے سنے جس کے ہاتھ میں خرمے تھے انہیں وہ کھا رہا تھا تو اس نے کہا واہ واہ مجھ میں اور جنت میں اتنا ہی فرق ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں تو میں دنیا میں رہ کر کیا کروں گا یہ کہا اور خرمے پھینک مرنے کو چلا گیا اور لڑ کر مارا گیا اللہ ان مسلمانوں کو جزائے خیر دے جو آخرت کے سامنے جان کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے مہجع جو حضرت عمر بن الخطاب کا مولی تھا اس کے آ کر ایک تیر لگا اور سب سے اول اسلام میں یہی مارا گیا پھر حارثہ بن سراقۃ الانصاری کے تیر لگا اور وہ بھی مارا گیا عوف بن عفرا جا کر میدان میں لڑا اور قتل ہوا غرض کہ خوب شدت سے لڑائی ہونے لگی پھر رسول اللہ نے ایک مٹھی بھر خاک لی اور قریش کی طرف پھینک کر فرمایا ان کے منہ کالے ہو گئے اور اصحاب سے کہا کہ ان پر حملہ کرو اسی میں دشمنوں کو شکست ہو گئی۔اور مشرکین قتل اور اسیر ہوئے جس وقت رسول اللہ عریش میں تھے اور سعد بن معاذ عریش کے دروازہ پر کچھ انصار کے ساتھ تلوار لئے کھڑا ہوا تھا اور سعد بن معاذ قریش کے دروازے پر کچھ انصار کے ساتھ تلوار لئے ہوئے کھڑا تھا دشمن کے حملہ کے اندیشہ سے رسول اللہ کی حفاظت کر رہا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کے چہرہ پر کچھ آزردگی کے آثار دیکھے کیونکہ لوگ دشمنوں کو قید کر رہے تھے۔رسول اللہ نے اس سے کہا مجھے ایسا شبہ ہوتا ہے کہ سعد تو اسے بڑا سمجھتا ہے۔سعد نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں اسے برا سمجھتا ہوں یہ پہلی ہی لڑائی ہے جو مشرکین سے ہوئی ہے۔اس میں دشمنوں کے زندہ رکھنے سے ان کا قتل کرنا میرے نزدیک بہتر ہے اول شخص جو ابوجہل کے سامنے پہنچا ہے۔وہ معاذ بن عمرو بن الجموح تھا قریش اس وقت ابوجہل کو گھیرے کھڑے تھے اور کہتے تھے کہ ابوالحکم تک دشمن نہ آنے پائیں معاذ کہتا ہے کہ میں نے ابوجہل کے قتل کا ارادہ کیا۔پھر جب میرا موقع پڑا تو میں نے اس پر حملہ کیا۔اور ایک تلوار ایسی ماری کہ اس کا پاؤں کاٹ ڈالا اور نصف ساق اڑ گئی مگر اسی کے ساتھ اس کے بیٹے عکرمہ نے مجھ پر تلوار کا وار کیا۔اور میرے کندھے سے میرا ہاتھ کاٹ ڈالا کچھ کھال لگی رہی جس سے وہ میرے جسم سے لٹکتا رہا۔اسی طرح میں سارے دن لڑتا رہا۔اور ہاتھ اپنے ساتھ کھینچے کھینچے پھرا۔جب اُس سے مجھے بہت تکلیف ہوئی میں نے اُسے ایک پیر کے نیچے دبایا۔اور انگڑائی لی جس سے وہ ٹوٹ کر گیا گیا۔پھر معاذ حضرت عثمانؓ کے زمانہ

تک زندہ رہا تھا پھر معوذ بن عفرا کا ابو جہل پر گزر ہوا اس نے بھی اس کے ایک تلوار ماری اور ایسا کر دیا
کہ اس میں پھر بجز ایک رمق کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ پھر ابن مسعود اسکی طرف ہو کر نکلے رسول اللہ نے
حکم دیا تھا کہ اسے مقتولوں میں دیکھیں ابن مسعود نے اسے دیکھا تو اس میں کچھ رمق جان باقی تھی۔ وہ
کہتے ہیں کہ میں نے اپنے پاؤں کو اس کی گردن پر رکھا۔ اور کہا اے اللہ کے دشمن اللہ نے کیا تجھے تباہ
کر ڈالا کہا مجھے کیا تباہ کیا کیا میں ایک آدمی سے بڑھ کر ہوں۔ سو ایک کو تم نے قتل کیا۔ مجھے یہ بتا کہ غلبہ
کس کو رہا میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو۔ پھر ابو جہل نے کہا کہ اے بکریوں کے چرواہے تو بڑی
دشوار گزار جگہ پر چڑھ گیا۔ عبداللہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میں تیرا قاتل ہوں کہا یہ اول ہی مرتبہ نہیں ہے
کہ غلام نے اپنے آقا کو قتل کیا ہو۔ لیکن آج جس بات کا مجھے بڑا رنج ہے وہ یہ ہے کہ تو نے مجھے قتل
کیا اور کسی شخص نے مطیبین اور احلاف میں مجھے نہ مارا۔ پھر عبداللہ بن مسعود نے اس کو تلوار ماری۔ اور
اسکا سر ان کے پیروں میں آ گرا سے وہ رسول اللہ کے پاس اٹھا لائے آپ نے اسے دیکھ کر سجدہ شکر
ادا کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کچھ زرہیں لوٹی تھیں۔ اسی میں انکا امیہ بن خلف اور اسکے بیٹے علی پر گزار
ہوا۔ وہ بولے کہ ان زرہوں سے تو اگر ہمیں گرفتار کرے تو بہتر ہے۔ انہوں نے زرہیں پھینک دیں ۔
۔ اور باپ بیٹے دونوں کو پکڑ لیا۔ اور انہیں لے چلے پھر امیہ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ جس کے سینے
پر شتر مرغ کے پر لگے ہوئے ہیں عبدالرحمٰن نے کہا یہ حمزہ بن عبدالمطلب ہے امیہ نے کہا یہی شخص ہے
کہ جس نے ہم پر یہ سب آفت ڈالی ہے اسی میں نے امیہ کو دیکھا جس نے انہیں مکہ میں بڑے
عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ انہیں مکہ کی گرم چٹانوں پر لے جاتا اور چت لٹاتے اور حکم دیتا تھا تو بڑا پتھر
ان کے سینہ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ جب تک تو محمد کے دین کو نہ چھوڑے گا۔ تب تک میں تیرے
ساتھ یہی سلوک کرتا رہونگا۔ بلال کہتے تھے۔ اَحَدٌ اَحَدٌ ا (آاللہ ایک ہے آاللہ ایک ہے) جب بلال
نے اسے دیکھا تو کہا رئیس الکفار اگر وہ بچ گیا تو میں نہ بچوں گا۔ پھر انہوں نے پکارا۔ کہ یا انصار اللہ
رئیس الکفار رئیس الکفار ہے امیہ بن خلف اگر وہ بچ گیا تو میں نہیں بچوں گا یہ سنتے ہی مسلمانوں نے
اُسے گھیر لیا اور امیہ اور اس کے بیٹے کو مار ڈالا عبدالرحمٰن کہتے ہیں بلال پر آاللہ رحمت کرے میری
زرہین بھی گئیں۔ اور ان کے سبب سے قیدی بھی میرے ہاتھ سے گئے اور حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب

بھی مارا گیا۔اسے حضرت علی نے مارا تھا. جب مشرکوں کو شکست ہوگئی تو رسول اللہ نے فرمایا. کہ ابو البختری بن ہشام کو کوئی قتل نہ کرے. کیونکہ جب آپ مکہ میں تھے تو اس وقت وہ آپ کے ساتھ نرمی سے پیش آتا تھا۔اور نقض صحیفہ میں بھی اس نے بڑی کوشش کی تھی. مجذر بن زیاد البلوی سے اس کا سامنا ہوگیا جو انصار حلیف تھا ابو البختری کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا مجذر نے ابو البختری سے کہا. کہ رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ تجھے قتل نہ کیا جائیں ابو البختری نے کہا کیا میرے رفیق کے قتل کو بھی منع کیا ہے مجذر نے کہا نہیں اس کے قتل کو تو منع نہیں کیا. تو کہا میں اور وہ دونوں ساتھ ساتھ میں مریں گے تا کہ قریش کی عورتیں نہ کہیں میں نے زندگی کے واسطے رفیق کو چھوڑ دیا. پھر وہ مارا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی بعد ازاں قیدیوں میں عباس پکڑے آئے ابو الیسر نے انہیں گرفتار کیا تھا اور مشکیں باندھ کر لایا تھا عباس بڑے موٹے جسم آدمی تھے لوگوں نے ابو الیسر سے پوچھا کہ تو نے انہیں کیوں قید کیا کہا ایک شخص نے میری مدد کی اور میں نے انہیں گرفتار کر لیا اس سے بیشتر میں نے اُس شخص کو کبھی نہیں دیکھا تھا اس کی شکل ایسی ایسی تھی رسول اللہ نے فرمایا کہ ایک بڑے فرشتہ نے اس میں تیری مدد کی تھی جب عباس کو قید میں رات ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند نہ آئی. اور ابتدائے شب میں برابر جاگتے رہے۔ رسول اللہ کے اصحاب نے کہا کہ آج آپ کیوں نہیں سوتے آپ نے فرمایا کہ عباس تو بند ہے اور میں اس سے بے تاب ہو رہا ہوں اس سے مجھے نیند نہیں آتی ہے اس واسطے لوگ اُٹھے اور انہیں جا کر کھول دیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آئی اور آپ نے آرام فرمایا پھر ملاحظہ ہو ابو الفدا اپنی تاریخ صفحات ۲۰۶ سے ۳۰۶ میں واقعہ بدر کے متعلق حسب ذیل لکھتا ہے پوشیدہ نہ رہے کہ یہ وہ لڑائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا ہے یہ سچا دین اسلام ہے حال اس کا یہ ہے کہ قافلہ ملک شام سے ہمراہ ابوسفیان ابن حرب کے معہ جمعیت تیس مردوں کے قریش میں آیا اس کے پاس رسول اللہ نے چند آدمیوں کو بھیج کر اپنے پاس بلایا یہ خبر ابوسفیان نے پا کر مکہ میں جا کر قوم قریش سے اس طور سے بیان کی کہ رسول اللہ کا تم پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ہے. یہ خبر سن کر وہاں کے باشندوں کی تنوں میں آگ لگ گئی فوراً نو سو پچاس مرد کی جمعیت لیکر جن میں سو آدمی سوار باقی پیادہ تھے مکہ سے خروج کیا لڑائی میں تمام اشراف قریش رسول اللہ پر چڑھ کے آئے تھے مگر ابولہب نہ آیا

اس کی جگہ پر عاص بن الھشام اور اس طرف رسول اللہ کے ہمراہ تین سو تیرہ مرد بدین تفصیل تھے ستر مہاجرین میں باقی انصار اور سوار کوئی نہ تھا سوار دو مردوں کے ایک مقداد بن عمر کا کندی بلا شک وشبہ اور دوسرے میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ وہ زبیر بن العوام ہے اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں کوئی اور تھے اور ستر اونٹ حضرت کے ہمراہ تھے جب حضرت الصفرا میں پہنچے تو آپ کو خبر آئی کہ مشرکین عیر کے پاس آ پہنچے ہیں اس میں وہ لوگ اپنی جمعیت کے ساتھ اتریں گے اس لئے حضرت نے وہاں سے کوچ فرما کر بدر میں ایک چشمہ پر جو کہ ایک قبیلہ کا تھا مقام کیا حضرت سعد بن معاذ نے لکڑیوں کی ایک چھت واسطے اجلاس فرمانے پیغمبر اللہ تعالیٰ کے بنا دی اس پر جناب سرور کائنات معہ ابوبکر صدیقؓ کے بیٹھے۔ اور آپ نے قوم قریش کو ملاحظہ فرما کہ دست بدعا ہو کر جناب باری سے عرض کی کہ اے اللہ یہ قوم قریش بہت فخر اور غرور سے تیرے رسول کو جھٹلانے کے واسطے سوار لیکر آئے ہیں جو تو نے وعدہ کیا تھا اس کے بموجب اب اپنے بندے کی مدد بھیج حضرت یہ دعا کر رہے تھے کہ قریش بہت نزدیک آ گئے اور عتبہ بن ربیعہ۔ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ یہ تین شخص ہنگامہ آرائے مقابلہ ہوئے رسول اللہ نے عبیدہ بن حارث بن مطلب کو اشارہ کیا کہ تم عتبہ سے مقابلہ کرو۔ اور اپنے چچا حمزہ کو ارشاد کیا کہ شیبہ سے لڑو۔ اور علی بن ابی طالب کو حکم ہوا کہ ولید بن عتبہ سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ نے شیبہ مذکور کا سر بھٹا سا اڑا دیا اور حضرت علی کو نے ولید کو جہنم واصل کیا اور عبیدہ اور عتبہ کو دونوں گھائل ہوئے اس نے اُن کو مارا اور اس نے اس کو حضرت علیؓ اور حضرت حمزہ نے جو یہ حال دیکھا لپک کر عتبہ کو قتل کیا اور عبیدہ کو دونوں نے اٹھا لیا کیونکہ ان کے پیر کٹ گئے تھے۔ چنانچہ وہ بھی شہید ہو گئے رسول اللہ اس چبوترہ پر دعا میں مستغرق ہوئے تھے آپ کے ہمراہ ابوبکر بھی تھے اور حضرت یہی فرما رہے تھے کہ اے اللہ ہلاک کر اس قوم سرکش کو جو عبادت نہیں کرتے تیری زمین کے درمیان اور نجات دے ہم کو جیسا کہ وعدہ کیا ہے تو نے حضرت ایسے بے ہوش اپنی دعا میں تھے کہ آپ کی چادر گر پڑی حضرت ابوبکر صدیق نے وہ چادر آپ کے اوپر پھر اوڑھا دی اور کفار نے حضرت کے اُس چبوترہ تک آ ہجوم کیا آپ دفعتاً ہوشیار ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوبکر اب اللہ تعالےٰ کی مدد آئی یہ فرما کر حضرت وہاں سے اتر کر لوگوں کو لڑنے پر برانگیختہ کرتے اور ڈھارس دیتے ہوئے تشریف لائے اور ایک مٹی کنکروں کی حضرت

نے ہاتھ میں لے کر قوم قریش پر پھینک دی اور بددعا کی بعدازاں اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ان پر سختی اور تشدد کرو چنانچہ ان کو شکست ہوئی یہ واقعہ سترویں تاریخ ماہ رمضان روز جمعہ کو ہوا عبداللہ بن مسعود صحابی ابوجہل ابن ہشام کا سر جس وقت روبرو رسول اللہ کے سامنے اٹھا کر لایا گیا تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا ابوجہل کی عمر بروقت مارے جانے کے ستر برس کی تھی نام ابوجہل کا عمرو ہے وہ بیٹا ہشام کا پوتا مغیرہ کا پڑپوتا عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کا ہے۔ العاص بن ہشام بھائی ابوجہل کا بھی اسی جنگ میں مارا گیا تھا اس لڑائی میں اللہ تعالے نے اپنے نبی کی مدد کو ایک ہزار ملائکہ کی مدد دی تھی جب ابولہب نے یہ حال اہل بدر کا مکہ میں سنا مارے غم والم کے ساتھ دن کے بعد وہ بھی مر گیا۔ تعداد مقتول مشرکین کی ستر اور مقیدین کی بھی اتنی ہی ہے سوائے ان ستر مرد مقتولین کے اور بھی ہیں چنانچہ حنظلہ بن ابوسفیان بن حرب اور عبیدہ بن سعید بن العاص بن امیہ ان دونوں کو حضرت علی ابن ابی طالب نے قتل کیا اور زمعہ بن الاسود کو حضرت حمزہ اور حضرت علی نے مل کر مارا تھا اور ابوالبختر ی بن ہشام کو المجدر بن زیاد نے قتل کیا اور نوفل بن خولید بھائی خدیجہ کا جو ایک شیطان شیاطین قریش کا تھا یہ وہ ہے جو نزدیک ابوبکر اور طلحہ بن خولید کے بروقت ان کے مسلمان ہونے کے درمیان پہاڑ کے تھا۔ اس کو حضرت علی نے قتل کیا اور مسعود بن ابی امیہ مخزومی اس کو حضرت حمزہ نے قتل کیا۔ اور عبداللہ بن منذر مخزومی کو حضرت علی ابن ابی طالب نے قتل کیا اور منبہ بن الحاج سہمی کو ابوالیسر انصاری نے قتل کیا اور اس کے بیٹے عاص بن منبہ کو حضرت علی نے قتل کیا اور اس کے بھائی منبہ بن الحجاج کو حضرت حمزہ اور سعد بن ابی وقاص نے مل کر مارا اور ابوالعاص بن قیس سہمی کو حضرت علی نے قتل کیا۔ اور من جملہ مقیدین کے ایک عباس چچا حضرت کے اور دو بھتیجے حضرت عباس ایک عقیل بن ابی طالب دوسرا نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب تھے جب لڑائی سے فراغت ہو چکی حضرت نے ارشاد کیا کہ مقتولین کی لاشیں ایک کوئیں میں جو قریب تھا ڈال دو چنانچہ چوبیس سرداران قریش کی لاش کھینچ کر اس کوئیں میں ڈال دیں اور آپ نے میدان بدر میں تین رات ہمراہ چودہ مرد کے جن کی یہ تفصیل ہے کہ چھ ان میں سے مہاجرین اور آٹھ انصاری تھے اقامت فرما کر الصفر اء کی طرف مال غنیمت لیتے ہوئے جنگ بدر سے مراجعت کی اس وقت رسول اللہ نے حضرت علی بن ابی طالب کو ارشاد کیا کہ نضر بن حارث کو بھی قتل کرو۔ یہ شخص رسول اللہ کا بہت دشمن تھا

جس وقت رسول اللہ قرآن شریف پڑھا کرتے تھے وہ یہ کہا کرتا تھا کہ محمد اگلوں ہی کے قصوں کو بیان
کرتا ہے کچھ نئی بات نہیں بولتے جب اس کا سر حضرت علی نے اڑا دیا اس وقت ارشاد کیا کہ عقبہ بن ابی
معیط کی گردن مارو۔ فوراً وہ قتل کیا گیا حضرت عثمان بن عفان اس جنگ میں بموجب ارشاد
پیغمبر محمد رسول اللہ کے حاضر نہ تھے کیونکہ ان کی بیوی رقیہ جو کہ حضرت محمد رسول اللہ کی بیٹی تھی بہت بیمار
ہو رہی تھیں اس لئے حضرت محمد رسول اللہ نے ان کو فرمایا تھا کہ تم مدینہ ہی میں رہو چنانچہ وہ دختر نیک
اختر یعنی نبی کی بیٹی اور اپنی بیوی رقیہ زوجہ حضرت عثمان بن عفان کی راہی ملک بقا ہوئیں بروقت رحلت
حضرت کے دیدار مبارک کو بھی دیکھنے نہ پائیں کیونکہ انیس روز تک حضرت محمد رسول اللہ مدینہ میں
تشریف نہ لے گئے تھے اس کے بعد روضۃ الصفا جلد ۲ صفحات ۸۶/۸۸ وغیرہ میں جنگ بدر کا حال
اسی طرح لکھا ہے "نقل است کو چوں آنحضرت بعریش درآمد روئے نیاز بیارگاہ مہیمن کارساز آوردہ
دست مبارک بدعا برداشت و سہ نوبت گفت اے آللہ اوند سزائے پرستش باچہ وعدہ دادہ وفا
فرمائی. و بعد ازاں فرمود کہ اللھم ان تھلک ہذہ العصابۃ من اہل الاسلام لا تعبدی فی الارض ابداً. گویند
کہ حضرت ختمی پناہ چنداں مبالغہ در تضرع و دعا نمود کہ ردا از دوش مبارک آنحضرت افتاد صدیق رداء
اطہر اور برادشتہ بر دوش مقدسش انداخت و بازوہائے آنسرور را در بغل گرفتہ و گفت کافیست انچہ از
خدائے خویش مسالت نمودی وزود باشد کہ آللہ وند جل ذکرہ وعدہ خویش باتو راست گرداند بعضے چنیں
گفتہ اند کہ حضرت دست بدعا برداشتہ فرمود کہ آلہی اگر مشرکان را بریں گروہ غالب خواہی گردانید دین
تو قائم نخواہد ماندہ صدیق گفت یارسول اللہ بخدا اس وگند کہ حق تعالے ترا ظفر و نصرت ارزانی داشتہ
سفید روی خواہد ساخت روایت کردہ اند کہ حضرت حی لاینام خوابی سبک در عریش بر حبیب خویش
گماشت و صدیق آنسرور را بیدار ساخت و عرض کرد یا یارسول اللہ مشرکان بما نزدیک رسیدند و دراں
خواب آللہ وند عزوعلا مشرکان را در چشم حضرت ختمی پناہ اندک نمود گویند کہ چوں رسول خدا از خواب
درآمد فرمود کہ یا ابا بکر نصرت خدائے تعالے رسید اینک جبرئیل آمد و عنان اسپ خویش گرفتہ و بر اسپ
او غبار نشستہ آنگاہ از عریش بیروں آمد و اہل اسلام را بر حرب عبدہ اصنام تحریض نمود و فرمود کہ ہر کس مشر
کے را بکشد، صلیب القتیل ازان او باشد و بداں آللہ ئے کہ نفس محمد بید قدرت اوست کہ ہیچ مردہا

ایشاں جنگ مکنند کہ چوں اور بکشد در حالتیکہ طالب ثواب و رضائے آللہ ونہ تاعلے بودہ باشد و روئے بگریز نیاوردہ باشد مگر آنکہ بہشت جاوداں اورا باشد و دریں حال عمری بن الحمام مخرودم خرما مشغول بو دچوں ایں سخن استماع نمود گفت بخ بخ میان من و بہشت واسطہ ہمیں ست کہ کشتہ شوم و بقیہ تمر را کہ دردست داشت بینداخت و شمشیر خود برداشتہ مخالفان دین حرب آغاز نہاد تا درجہ شہادت یافتہ بفرادیس جناں شتافت گویند کہ چوں تلاقی فریقین روئے نمود ابوجہل گفت آللہ ونہ ہر کدام کہ از ما قطع رحم پیش میکند و امرے درمیان آوردہ کہ کس معرفت ندارد او را ہلاک گرداں و تحقیقت نفریں در بارہ خویش کرد۔

''ہیچ دشمن بدشمن آں مکند کہ کند مرد بے خبر با خود''

جمہور اہل سیر برآنند کہ اول کسیکہ از مشرکان قدم در میدان جلادت و مبارزت نہاد عتبہ بن ربیعہ بود با برادر خود شیبہ و پسر خویش ولید کیفیت واقعہ آنکہ عتبہ از سرزنش ابوجہل کہ او را ایجن و بددلے موسوم کردہ بود متاثر گشتہ دل بر محاربہ نہاد دو جوشن پوشیدہ ہر چند تفحص نمود کہ خودی پیدا شود کہ بر سرش راست آید نیافت چہ سری بغایت بزرگ داشت بنا بریں بعمامہ اکتفا کردہ پائے پیادہ با برادر و پسر خود محاربہ یک جہت گشت ہر چند حکیم بن خرام از در نصیحت درآمد مفید نیفتاد دریں اثنا چشم عتبہ برابوجہل افتاد کہ بر مادیانی سوار و در صف کارزار ایستادہ از غایت خشم شمشیر برکشیدہ اسپ او را پے کرد و گفت امروز روز سواری نیست چہ بسیاری از قوم تو پیادہ اند ابوجہل ز پشت زین بر زمیں آمدہ واقدی گوید کہ بعد ازاں عتبہ و شیبہ و ولید درمیان معرکہ آمدہ مبارز خواستند و از لشکر اسلام سہ نفر معاذ مسعود و عوف از ابنائے حارث بعزم مقاتلہ بیروں آمدند و بعضے بجائے معاذ عبداللہ بن رواحہ را گفتند و برخی از ناقلان سیر اعتقیدہ آنست کہ حضرت مقدس نبوی مکروہ داشت کہ در اول ملاقات کفار طائفہ انصار برامر حرب قیام نمایند و خواست کہ ایں شوکت درمیان بنی اعمام و اقرباوے او باشد لاجرم جوانان انصار را بمراجعت امر فرمودہ در بارۂ ایشاں سخنان نیکو گفت اما جمہور روایت اخبار سلف گفتہ اند کہ چوں عوف و مسعود و عبد اللہ بن رواحہ در برابر عتبہ و شیبہ و ولید آمدند مشرکان از ایشاں پرسیدند کہ شما چہ کسانید جواب دادند کہ فلاں و فلانیم از انصار گفتند کہ ما را بشما ہیچ نیست و ما طالب بنی اعمام خودیم مسلمانان بازگشتہ یکے ازاں سہ نفر ندا کرد کہ اے محمد با کفار مارا لجاربہ بیروں فرست خواجہ کائنات حمزہ و علی و عبیدہ بن الحارث را لجاربہ

مشرکان نما حمزہ فرمود چوں ایں سہ کس قدم در میدان نہادند عتبہ از حمزہ پرسید کہ تو چہ کسی جواب داد کہ
من حمزہ ابن عبدالمطلب شیر اللہ ے و شیر رسول اللہ ئے و عتبہ نیز خود را ستودہ گفت تو کفو کریمی باز
استفسار نمود کہ ایں دو شخص کہ با تو اند چہ کسانند حمزہ فرمود کہ یکے علی ابن ابی طالب ست و دیگرے
عبیدہ بن الحارث بن مطلب بن عبدالمناف عتبہ گفت کفو کریمانند واقدی گوید کہ بعد از مکالمہ حمزہ و
عتبہ ولید باشارت پدر خود عتبہ با علی مبازرت نمودہ و عتبہ در برابر حمزہ آمد و شیبہ متوجہ عبیدہ شد علی ابن ابی
طالب ولید را بزخم تیغ تیز از پائے در آوردہ و حمزہ بشمشیر خونریز عتبہ را بدوزخ فرستاد و شیبہ ضربتے قوی
بر پائے عبیدہ بن الحارث زد چنانچہ درمیان افتادہ مغز از استخوان ساقش رواں شد حمزہ و علی بمدد عبیدہ
شتافتہ شیبہ را بقتل رسانیدند و عبیدہ را از معرکہ برداشتہ نزد حضرت رسالت آوردند و عبید گفت یا رسول
اللہ من شہید نیستم فرمود کہ بلی تو شہیدی و ہنگام مراجعت از غزاے بدر در روحا یا در وادی صفرا بریاض
رضوان خرامید و ہم در آنجا مدفون گشت، آوردہ اند کہ آیہ ہذان خصمان اختصموا فی ربہم در شان ایں
شش کس نازل شد و زمرۂ گفتہ اند کہ مرتضے علی با شیبہ مبارزت کردہ او را بقتل رسانید و عبیدہ در برابر
ولید آمدہ از وے زخم خورد و فرقہ گویند کہ عتبہ را علی ابن ابی طالب کشت و شیبہ را حمزہ واللہ اعلم بالجملہ چون
کفار ثلاثہ بدوزخ شتافتند بنو مخزوم مجتمع گشتہ ابو جہل را درمیان گرفتند از بسیاری نیزہ داران کہ بگرد
ابو جہل در آمدہ بودند بیندگان چنان تصور میکردند کہ او در میان درختان ست بنو مخزوم اتفاق نمودہ زرہ
ابو جہل را بعبید اللہ بن المنذر دادند تا پوشد و علی عبد اللہ را ابو جہل پنداشتہ متوجہ او شد و دراں زماں
میگفت کہ بگیر ایں حملہ را کہ منم پسر عبد المطلب و تیغ تیز پیکرش را ریز ریز کردہ بجانب دیگر متوجہ شد
بعد ازاں قوم آن زرہ را او را ابو قبیس پوشانیدند و حمزہ ہماں تصور آہنگ ابو قبیس نمودہ از پایش در آوردہ
آنگاہ ہم باشارت مشرکان حرملہ بن عمرو پوشیدہ بزخم حیدر کرار از یجانب دار البوار شتافت دیگر ہر چند بنو
مخزوم سعی نمودند کہ زرہ شوم را خالد بن الاعلم پوشد خالد اباد امتناع نمودہ در بر بن کرد در اکثر کتب سیر از
عبد الرحمٰن بن عوف روایت کردہ انکہ گفت من در روز بدر در صف کارزار درمیان دو جوان انصار بودم در
اثنائے ایں حال با خود گفتم کہ بایستی کہ تو درمیان دو کس کاردیدہ گرم و سرد روزگار نوشیدہ بودی کہ ناگاہ
یکے ازاں دو جوان جامہ مرا کشیدہ آہستہ پرسید کہ اے عم ابو جہل را می شناسی گفتم ترا با وچہ مہم است

گفت شنیدہ ام کہ او در آزار رسول اللہ کوشیدہ و زبان نا مبارک بدشنام و سب آنحضرت کشادہ و بداں اللہ بجکہ نفس من در قبضہ قدرت اوست کہ اگر چشم مبار ابوجہل افتد از وائے جدا نشویم تا یک تن از ما کشتہ نگردد و چوں آن جوان سخن خود را تمام کرد جوان دیگر کہ بر جانب یسار من بود ہمیں سخن گفت و من از جرائت و جلادت ایشاں مستظہر و قوی خاطر گشتم و بعد از لحظہ دیدم کہ ابوجہل در میان معرکہ بر شتر خویش سوار بود و جولان می کرد من بجانب او اشارت کردم و گفتم اینک مطلوب شماست آن جوانان چوں باز در پرواز آوردہ آہنگ ابوجہل کردند و بضرب شمشیر آبدار پائے آن خاکسار باد پیما را قلم کردہ از شتر بر زمین افگندند و آن دو کس معاذ و معوذ بودند و ایشاں را گاہی بپدر منسوب داشتہ ابنائے حارث گو یند و گاہے بمادر نسبت کردہ پسران عفران خوانند از معاذ منقول راست کہ گفت در روز بدر زخمی بر ابوجہل زدم کہ ساقش جدا شد و عکرمہ پسر او در عقب در آمدہ تیغی بر من راند کہ دستم را جدا ساخت چنانچہ بواسطہ پوستی کہ شمشیر قطع آن نکردہ بود از پہلوئے من آویختہ شد و بدیں ہیات جنگ میکردم تا جنگ آمدم و چو ں کار بجان و کار رو با ستخواں رسید دست آویختہ را بزیر پایہ در آوردہ از بدن جدا ساختم گویند کہ معاذ برادر معاذ زخمی دیگر بر ابوجہل رسانیدہ او را قریب بسر حد عدم رسانید و ہر دو برادر نزد پیغمبر آمدہ خدیث قتل آن ملعون را معروض داشتند حضرت رسول ﷺ با ایشاں فرمود کہ کدام یک از شما او را کشتہ آید ایشاں ہر یک قتل او را ان جو دا سناد کردند و آنحضرت فرمود کہ شمشیر ہائے خود پاک کردہ آید گفتند نے آنگہ حضرت رسول تطور شمشیر ہائے ایشاں انداختہ فرمود کہ شما ہر دو او را کشتہ آید اما صلیب ابوجہل رابہ معاذ بخشید و معو ذ برادر معاذ نزد پیغمبر باز گشتہ بجنگ مشغول شد تا شہادت یافت و معاذ با وجود زخمے ہمچناں تا زمانہ خلافت عثمان بن عفان زیست و در بعضی از کتب سیر بن ظر رسیدہ کہ حضرت مقدس نبوی نزد عکرمہ بن ابوجہل فرستاد پرسید کہ قاتل پدر تو کسیت عکرمہ گفت آن کس کہ آسیب شمشیر من بدست او رسیدہ بعد ازاں آنحضرت صلیب ابوجہل را بمعاذ ارزانی داشت واقدی گوید کہ اصح اقوال آنست کہ معاذ بن عمرو بن الجموح ابوجہل را بسر حد ہلاکت رسانیدہ او بود کہ عکرمہ دستش را انداخت و با یکدست تا زمان خلافت ذوالنورین زندگانی یافت و ہم واقدی روایت کردہ کہ رسول بر مصراع پسران عفران ایستادہ فرمود کہ خدا ئے تعالی رحمت کناد بر پسران عفران کہ ایشاں شریک شدند در خون فرعون ایں امت و راس ائمہ کفر۔

ازاں حضرت پرسیدند کہ دیگر بود کہ باایشاں دراں امر شرکت مود فرمود کہ ملائکہ باایشاں شر لشکر وندواین معوذ بر قتل آں جرمع مسارعت کردہ بر کشتن اوشریک شدند راقم حروف گوید کہ پوشیدہ نماند کہ بحسب ظاہر درسخنان واقدی تناقضے می نماید . والعلم عند الله

وہر چند سعی مشکور ابن عباس در قتل فرعون این امت بعد از فراغ محاربہ بدرو ے نمودا ما تا کلام از نظام میفتد کلک بیان اول تحریر ازالہ رمق ابوجہل پرداخت بعد از شرح کیفیت نزول ملائکہ وانہزام مشرکان راوجہ ہمت ساخت نقل ست کہ درروز بدر بعد ام انہزام مشرکان رسول ﷺ فرمود کیست کہ برودواز ابوجہل خبرے بیاؤرد کہ مبہم او بچہ انجامیدہ ابن مسعود حصدی ایں امر گشتہ فورا رواں شو درمیان کشتگان ابوجہل را دید خواروزار وزخمدار افتادہ ورمقی از حیات اوباقی ست بواسطہ آنکہ درمکہ ازوے ایذائے بسیار یافتہ بود بر سینہ اونشست .درلیش اورا گرفتہ گفت اوے ابوجہل تو دیایں حال اللہ تعالی ترا رسوا کرواے دشمن خدائے ابوجہل گفت زیادہ ازیں نیست کہ مردے راقوم اور کشتند وبرو ایں ابن مسعود گفت اوے ابوجہل کشتہ وتومنم جواب داد کہ اول بندہ کہ آنلہ وندتعالی خودراکشت تو نیستی وتو ے آنکہ ابوجہل گفت چہ بودی کہ غیرد ہقانیمراکشتی واین سخن تعلیلی بود نسبت با نصار چہ آن جماعت ازارباب زراعت بودند بعضے گویند کہ برزبان نامبارک راند کہ اے کاش قاتل من یکے از خلاف یا از مطمئن بودی وذکر این دوفرقہ درنسخ مبسوط مسطوراست وچون عبداللہ بن مسعود بر سینہ اونشست یا پائے برگردن شوم ابوجہل تھا علی اختلاف الروایتین آن ملعون گفت ای شبان برجائے بلند برآمدی اکنوں بگوئے کہ ظفر ونصرت کراست ابن مسعود فرمود یاعدواللہ خدااور رسول اور بعضے از کتب سیر منظر درآمدہ کہ مسعود و با بوجہل گفت تو از فرعون بدتری زیرا کہ اودرآ واغرق بکردار ناپسندیدہ خویش اعتراف نمودہ انصاف داداور تو درحالتے چنیں بر ضلالت واغوایت اصرار نمائی اور سیرگازرانی آوارہ اند کہ روایتے آنست کہ عبداللہ ابن مسعود گفت کہ درروز بدر با بوجہل رسید واورا بے پائے دیدم اتفا دہ بود وشمشیرے دردست داشت کہ بداں ل مردم را از خودودرم کرو گفتم اے دشمن آنلہ ئے الحمدللہ کہ ایزدتعالی ترا رسوا کرد گفت مردے ام کہ قوم من را کشتہ اند یسن بایستادم واورا بشمشیر میزدم تا دستش را قطع کرد شمشیر اورا برگرفتہ سرش از تن جدا کردم ونزد حضرت رسالت ﷺ بردم وسراو چناں سنگین بود کہ گو

یا از زمین بر می کشیدم وہم از عبداللہ منقول است کہ گفت ہر چند شمشیر خود را با بو جہل زدم کارنہ کرد پس تیغ اور ابر گرفتہ بداں از تن جدا ساختم وکشاں کشاں بنظر فرخندہ نشان پیغمبر رسانیدہ بنہادہ اختم وعرض کردم یا رسول اللہ ایں سر ابو جہل ست فرمود کہ واللہ اوست گفتم بخدا اسوگند کہ اوست آن گاہ حضرت رسالت بر خاست وبز بر سرش بایستاد وتیک احتیاط کردہ فرمود کہ الحمد للہ الذی اخزاک وفرمود کہ این شخص فرعون این امست بود ودر روایتی دیگر آنکہ سر آن ملعون را حضرت مقدس نبوی دیدہ دو رکعت نماز بگذارد دو قولے آنکہ سر آن ملعون را حضرت مقدس نبوی دید سجدہ شکر بجا آورد۔

ان حالات کے پڑھنے سے کم سے کم انسان اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ غزوہ بدر کی کامیابی کسی صورت سے بھی حضرت علی کی ذات پر موقوف نہیں ہو سکتی حضرت علی مثل عام سپاہیوں کے میدان جنگ میں لڑے اور مثل اپنے دوسرے بھائیوں کے بہت اچھی شجاعت دکھائی تنہا ایک شخص کا لڑنا اور تنہا ایک شخص کا دو تین آدمیوں کو قتل کر دینا چندر پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتا تاریخ محمد بن جریر الطبری جلد ۲ صفحہ ۲۶۷ سے اخیر تک بدر کے حالات لکھتا ہے مگر وہ حالات بھی کم وبیش بالکل وہی ہیں جو اوپر کی تاریخوں میں آپ نے ملاحظہ فرمائے اس لئے اس بات کی ضرورت نہیں خیال کی جاتی کہ ناظر کا زیادہ وقت بیکار لیا جائے اور اسے مکرر ان حالات کے پڑھنے کی تکلیف دی جائے بعض شیعی اصحاب نے بلا وجہ حضرت علی کے حق میں ایسے کلمات کہے ہیں کہ جو واقعات سے مطلق ثابت نہیں ہوتے عام طور پر ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے بلکہ جانتا ہے کہ میدان جنگ میں سپاہ لڑا کرتی ہے اور اعلیٰ افسر محض اس سپاہ کی کمان کیا کرتے ہیں حضور انور اس جنگ میں بطور ایک اعلیٰ سپاہ سالار کے پیش ہوئے اور آپ نے عربی فنون جنگ کے متعلق پورے طور پر مورچہ بندی کر کے ایک بلند مقام پر نشست فرمائی تھی اور اپنے ساتھ اپنے سچے حبیب اور اپنے حقیقی یار غار یعنی ابو بکر صدیق کو عریش پر بٹھا لیا تھا صدیق اکبر ہمیشہ حضور انور کے ساتھ ساتھ میدان جنگ میں رہا کرتے تھے اور کل کام یا تو آپ کے مشورے سے یا اللہ تعالیٰ کی وحی سے انجام پاتے تھے اکثر خاص معاملوں میں اوروں کے مشورے کا بہت کم دخل تھا بدر کے حالات کو جب آپ غیر طرفدارانہ اور بے رو رعایت انصاف پسندی سے ملاحظہ کریں گے تو آپ کو یہ عقدہ حل ہو جائے گا کہ صدیق اکبر کی جو عظمت حضور انور رسول اللہ کی نظروں میں تھی اس کا

ایک ہزارواں حصہ بھی کسی کو نصیب نہ تھا شیعی اصحاب کی لن ترانیاں بدر کے اصلی حالات دیکھ کر سب اوندھے منہ گر پڑتی ہیں اگر حضرت علی اس وقت دنیا میں دوبارہ زندہ کر کے بھیجے جائیں تو شیعی اصحاب جو کچھ ان کی نسبت گوہر افشانی فرماتے ہیں وہ حیران ہو جائیں کہ ایسے اتہامات مجھ پر کیوں لگائے گئے بہرحال ہم بدر کے واقعہ کو یہیں ختم کرتے ہیں اور اسے زیادہ طول دینا نہیں چاہتے ہاں بدر کے حالات کے خاتمے پر ہم حضرت علی کی شجاعت اور سپاہ گری کی دل سے تعریف کرتے ہیں کہ وہ جن مخالفوں سے لڑے انہیں نیچا دکھا دیا باقی حل اور سپاہیوں کے معاملات کے بسط و کشود میں نہ کبھی انہیں حصے دار بنایا گیا نہ انہوں نے اس کی خواہش کی کیونکہ وہ اپنی ناتجربہ کاری اور ناواقفیت اچھی طرح محسوس کرتے تھے نہ وہ شیخ قبیلہ تھے نہ انہوں نے کبھی خاندانی اور قبائل کے جھگڑوں کا تصفیہ کرایا نہ کسی نے انہیں اپنا پنچ بنایا آپ سیدھے سادھے مسلمان سپاہی تھے اور حضور انور کے چچا کے بیٹے ہونے سے اور پھر خاتون محشر کے ساتھ نکاح ہونے سے آپ کی لوگوں کی نظروں میں کسی قدر وقعت ہو گئی مگر زندگی بھر کوئی کام آپ سے ایسا نہیں ہوا کہ جو مسلمان کو ان کی طرف کھینچتا۔ اس کے علاوہ اور غزوات کے اور صرف دو غزوے بڑے معرکے کے ہیں جنھیں شیعی علماء نے حضرت علی کو سب سے بڑا حصہ دار بنایا۔ ہے ایک غزوہ احد اور ایک غزوہ خیبر لہٰذا ہم باقی اور غزووں کو چھوڑ کے انہیں دو غزووں کی مشرح کیفیت لکھتے ہیں جن پر شیعی علماء نے حضرت علی کی شہ زوری اور معمولی شجاعت کا دارومدار رکھا ہے۔

غزوۂ احد: یہی غزوہ ہے جس میں مسلمانوں کو ایک معمولی غلطی سے چشم زخم اُٹھانی پڑی اور یہی وہ غزوہ ہے جس میں حضرت علی کے سر وہ واقعات اور حالات تھوپے گئے ہیں جن کا وجود کسی معتبر روایت میں نہیں ہے یہی وہ غزوہ ہے جس میں شیعی علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ بہت سے راشدین صحابہ اپنے نبی کو تنہا چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے تھے ہم چاہتے ہیں کہ اس غزوے کا مفصل ذکر کریں اور ایک ایک واقعہ کی حد بندی کی چندی کر دیں۔ تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو سب سے پہلے قرآن مجید میں اس غزوے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ. وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ. اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا. وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.. یعنی (اے محمد اُن کو یاد دلاؤ) جب تم (جنگ) احد میں صبح

کے وقت اپنے گھر سے نکلے تھے (اور) مسلمانوں کو (جبل احد پر) تم لڑائی کے مقامات میں بٹھار ہے
تھے اور اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے (یہ اُس وقت کا واقعہ ہے) جب تم میں سے دو گروہوں (بنو
سلمہ اور بنو حارثہ نے) بزدلا پن کرنا چاہا (لیکن قدم پیچھے نہ ہٹا سکے) اور اللہ ان کا مددگار تھا اور مسلمانو
ں کو چاہیے کہ (خاص) اللہ ہی پر بھروسہ کریں. اس میں دو گروہوں کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ قدم
پیچھے ہٹانا چاہتے تھے مگر پھر توفیق آلٰہی ان کے شامل حال ہوئی اور وہ اپنی جگہ پر قائم رہے پھر دوسری
جگہ اللہ تعالی قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے۔ اِنْ یَمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُہٗ.
وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَآءَ
.وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (اگر احد کی
لڑائی میں) تمھارے زخم لگا ہے بلا شک (بدر میں) اُس فریق (کفار) کو (بھی) اسی کی مانند زخم لگ
چکا ہے (اس پر ان کی ہمت نہیں ٹوٹی تھی) اور یہ (فتح وشکست آسمانی) حادثے ہیں ہم انہیں لوگوں
میں بدلتے رہتے ہیں (یعنی آج اس کی فتح ہے تو کل اس کی) اور (جنگ احد میں ناکامی ہونے سے یہ
غرض تھی) تا کہ اللہ کو (خالص) ایمان والے معلوم ہو جائیں. (کہ وہ کون ہیں) اور تا کہ) تم میں سے
بعض کو شہید بنا دے اور بے انصافوں کو اللہ (کسی طرح) دوست نہیں رکھتا اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو
(گناہوں سے پاک کرے اور کافروں کو ہلاک کردے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے وَلَقَدْ صَدَقَکُمُ
اللّٰہُ وَعْدَہٗ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ. حَتّٰی اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِنْ
بَعْدِ مَا اَرٰکُمْ مَا تُحِبُّوْنَ مِنْکُمْ مَنْ یُرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَنْ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ. ثُمَّ صَرَفَکُمْ
عَنْھُمْ لِیَبْتَلِیَکُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ . وَاللّٰہُ ذُوْفَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اللہ تعالی اپنا (فتح کا
) وعدہ تو تم کو سچا کر دکھایا جب کہ تم اللہ کے حکم سے اول ہی حملہ میں ان کو خوب قتل کر رہے تھے یہاں
تک کہ تمھیں اس کے بعد وہ چیز دکھا دی جس کو تم پسند کرتے تھے یعنی فتح اور مال غنیمت تو تم نے مال
غنیمت دیکھ کر بزدلا پن کیا اللہ کا ارشاد ہے۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ
یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ اُخْرٰىکُمْ فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا مَآ
اَصَابَکُمْ ھُوَاللّٰہُ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغْشٰی طَآ

یِفَةً مِنكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ . قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ اور کفار کو بھاگتا ہوا دیکھ کے معاملہ میں جھگڑا کیا کہ مورچہ پر کھڑے رہیں یا نہیں اور رسول اللہ کے حکم کی نافرمانی کی کچھ تم میں سے جنھوں نے مورچہ چھوڑ دیا تھا دنیا کے طالب تھے اور کچھ تم میں سے جو مورچہ سے ہٹے نہیں تھے آخرت کے طالب تھے پھر تمھارے آزمانے کی غرض سے تم کو ان کی طرف سے پھیر دیا اور بے شک تم سے درگزر کی، اور اللہ ایمان والوں پر اپنا فضل وکرم رکھتا ہے. جب تم کافروں پر چڑھے چلے جاتے تھے اور رسول اللہ تمھاری پس پشت والی جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو بلا رہے تھے اور تم کسی کی طرف مڑ کے بھی نہ دیکھتے تھے تو اللہ نے تم کو غم پر غم دیا یہ ایک نصیحت ہے تا کہ جو چیز تمھارے ہاتھ سے جاتی رہی ہے اُس پر غم نہ کھایا کرو اور نہ اس پر جو مصیبت تم کو پہنچے. تاسف کیا کرو. اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو سب کی خبر اللہ کو ہے. پھر اللہ نے شکست کے غم کے بعد تم پر اطمینان کی حالت طاری کردی اور وہ اونگھ تھی جو تم میں سے ایک گروہ کو گھیر رہی تھی اور ایک گروہ منافقوں کا تھا جن کو اپنے ہی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور اللہ کی طرف زمانہ جاہلیت کا سا ناحق گمان کرتے تھے. یعنی کہتے تھے آیا ہمارے لئے بھی اس امر یعنی غلبہ اور مال غنیمت میں سے کچھ حصہ ہے اے محمد کہدو ان سے کہ یہ امر یعنی غلبہ اور غنیمت سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے زبانی شکایتوں کے علاوہ وہ اپنے دلوں میں اور باتیں بھی جو تم پر ظاہر نہیں کرتے پوشیدہ رکھتے ہیں آپس میں ذکر کرتے ہیں۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ . وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا . وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ . اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ کہ اگر ہمارے لئے اس امر سے یعنی غلبہ اور غنیمت سے کچھ حصہ ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جاتے اے محمد ان سے کہدو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے البتہ جنکی تقدیر میں جس مقام پر مارا جانا لکھدیا گیا ہے (وہ آپ ہی اپنے گھروں سے نکل نکل کے اپنے مقتل میں آموجود ہوتے اور یہ

جو کیا گیا اس میں چند مصلحتیں ہیں تا کہ جو تمھارے دلوں میں ہے اللہ اس کو آزمائے اور جو کچھ تمھارے دلوں میں شبہ پیدا ہو گیا ہے اُس کو بالکل صاف کر دے اور دلوں کی بات سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے بے شک جس دن دو جماعتیں مسلمانوں اور کافروں کی باہم مقابل ہو گئی تھیں اُس دن جو لوگ تم میں سے شکست کھا کے پیچھے ہٹ گئے تھے اُن ہی کے بعض اعمال کی شامت سے شیطان نے ان کو لغز ش دی تھی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اُس کی عذر و معذرت سے ان سے درگزر کی تحقیق اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔ فقط

آپ نے قرآن مجید میں غزوہ احد کا جو بیان ہے وہ تلاوت کر لیا۔ اب آپ بڑی بڑی عربی فارسی کی تاریخوں کا بیان غزوہ مذکور کے متعلق ملاحظہ فرمائیں اور ہر واقعہ پر خوب غور کریں تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت علی نے دوسروں کے مقابلہ میں کہاں تک داد، مردانگی دی۔ اس کا فیصلہ آپ ہی پر رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ تاریخ ابن الاثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۵ سے آگے تک۔ (عربی متن کو اڑا کے محض ترجمہ ہی پر اکتفا کی گئی ہے۔

قریش کا بدر کے انتقام کے لئے جمع ہونا: اسی سن کے ماہ شوال کی ۷ تاریخ اور ایک روایت ہے کہ ۱۵ تاریخ کو غزوہ احد کا واقعہ ہوا۔ اور اس کی وجہ بدر کی لڑائی تھی کیونکہ جب مشرکین میں وہ لوگ مارے گئے جن کا اوپر ذکر ہوا تو عبداللہ بن ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ جن جن کے آبا و ابنا اور بھائی وغیرہ مارے گئے تھے اُٹھے اور ابو سفیان سے اور ان لوگوں سے جن کا اس قافلہ میں تجارتی مال واسباب تھا جا کر کہا کہ یہ جو تمھارے پاس مال ہے اس سے ہمیں محمدؐ کے مقابلہ میں مدد دو۔ تا کہ اس سے ہم اپنا انتقام لے لیں۔ ان سب نے اسے منظور کر لیا۔ اور لوگ لڑائی کے لئے تیار ہوئے۔ چار شخصوں عمرو بن العاص ہبیرہ بن ابی وہب ابن الزبعری۔ اور ابو عزہ الجمحی کو چاروں طرف بھیجا کہ وہ تمام عربوں سے مدد مانگیں وہ لوگ گئے۔ ثقیف اور کنانہ کے بہت آدمی جمع کئے اور قریش نے بھی اپنے احابیش کو اور جو قبائل کنانہ اور تہامہ کے اُن کے مطیع تھے انہیں جمع کیا۔ اور جبیر بن مطعم نے اپنے غلام وحشی بن حرب کو بلایا جو حبشی تھا اور ایسا حربہ مارتا تھا کہ بہت ہی کم خطا کرتا تھا۔ اور کہا کہ تو بھی لوگوں کے ساتھ چل اگر تو نے محمدؐ کے چچا کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کر دیا

تو تجھے میں آزاد کر دوں گا جب یہ قریش چلے تو انہوں نے اپنی بیبیوں کو بھی ساتھ لے لیا تا کہ لوگ بھا گیں نہیں. ابو سفیان ان کا سپہ سالار تھا اس نے بھی اپنی بی بی ہند بنت عتبہ کو ساتھ لیا اُن کے علاوہ قریش کے رئیس بھی تھے. انہوں نے بھی اپنی عورتوں کو ساتھ لیا تھا. عکرمہ بن ابی جہل نے اپنی زوجہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام کو اور حارث بن المغیرہ نے فاطمہ بنت الولید بن المغیرہ ہمشیرہ خالد کو ساتھ لیا تھا. اور صفوان بن امیہ نے بریرہ یا برزہ بنت مسعود الثقفیہ ہمشیرہ عروہ بن مسعود کو جو اس کے بیٹے عبداللہ بن صفوان کی ماں تھی ساتھ لیا تھا. اور عمرو بن العاص نے ریطہ بنت منبہ بن الحجاج کو جو اس کے بیٹے عبداللہ بن عمرو کی ماں تھی اور طلحہ ابی طلحہ نے سلافہ بنت سعد کو جو اوس کے بیٹوں مسافع اور جلاس اور کلاب وغیرہ کی ماں تھی ساتھ لیا تھا. ان عورتوں کے پاس دف تھے. انہیں بجا بجا کر وہ مقتولین بدر پر روتیں اور مشرکین کو لڑائی پر برانگیختہ کرتی تھیں

ابو عامر انصاری کا مکہ والوں سے جا ملنا اور قریش کا مدینہ آنا: اور مشرکین کے ساتھ ابو عامر الراہب الانصاری بھی تھا. رسول اللہ کو چھوڑ کر مکہ کو چلا گیا تھا. اور اس کے پچاس غلام اور ایک روایت میں ہے کہ پندرہ غلام بھی لے گیا تھا. اور قریش سے کہتا تھا کہ جب محمدؐ سے مقابلہ ہو گا تو اس کے دو آدمی بھی ایسے نہ نکلیں گے جو محمد کو چھوڑ کر اُس کے پاس نہ چلے آئیں جب فریقین کا اُحد میں مقابلہ ہوا تو سب سے اول ابو عامر احابیش اور اہل مکہ کے غلاموں کو لے کر نکلا. اور پکار کر کہا کہ اے معشر اوس میں ابو عامر ہوں ادھر سے انصار نے جواب دیا. اے فاسق اللہ تجھے غارت کرے. اس پر وہ قریش سب بولے کہ میرے پیچھے میری قوم کے خیالات بگڑ گئے پھر وہ ان سے خوب شدت کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ تیر مارنے میں کوتاہی نہ کی. اور ہند کی یہ کیفیت تھی کہ جب وہ وحشی کی طرف ہو کر گزرتی یا وحشی اس کی طرف ہو کر گزرتا. تو کہتی (ابو جواس کی کنیت تھی) کہ کسی طرح میرا دل بھی ٹھنڈا کر اور اپنا دل بھی ٹھنڈا کر پھر قریش آئے اور عینین کے مقام پر ایک پہاڑ کے قریب اُترے. یہاں قناۃ کے قریب شور زمین میں وادی کے اس کنارہ پر انہوں نے قیام کیا جو مدینہ کے قریب ہے۔

حمزہ وغیرہ کی رائے کے بموجب لشکر اہ کیساتھ رسول کا مدینہ سے نکلنا: جب رسول اللہ نے اور مسلمانوں سے سنا کہ قریش مدینہ آئے تو رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں ایک گائے

دیکھی ہے. اس کی تاویل تو میرے نزدیک اچھی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار کی دہار گر گئی
ہے. اور میں نے ایک اچھی زرہ پہنی ہے سو وہ مدینہ ہے. اگر تم چاہو تو مدینہ ہی میں رہو. باہر مت جاؤ
دشمن جہاں ہے وہیں انہیں پڑا رہنے دو. اگر وہ وہاں پڑے رہے تو ان کو خود نقصان پہنچے گا. اور اگر وہ
بڑھ کر ہم پر مدینہ میں آئے تو ہم ان سے یہاں لڑیں گے. یہی رائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھی
عبداللہ بن ابی بن سلول کی بھی تھی. وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ مدینہ سے نکل کر باہر جائے مگر اور کتنے ہی لو
گوں نے جن میں سے اس روز شہید ہوئے یہ رائے دی کہ مدینہ سے نکل کر لڑنا چاہئے. یہ رائے حمزہ
بن عبدالمطلب اور سعد بن عبادہ وغیرہ لوگوں کی تھی.

قریش اپنے مقام پر چہارشنبہ، پنجشنبہ جمعہ تین روز ٹھہرے رہے. پھر رسول اللہ جمعہ کی نماز پڑھ کر مدینہ
سے نکلے. اور ہفتہ کے روز پندرہ شوال کو فریقین کا مقابلہ ہوا. جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار
پہنے اور باہر نکلے تو وہ لوگ نادم ہوئے جنھوں نے قریش کی طرف نکلنے کی رائے دی تھی. اور بولے کہ
ہم نے رسول اللہ کو ناراض کیا. ہم تو مشورہ دیتے ہیں اور اس میں پھر وحی آجاتی ہے. پھر انہوں نے عذر
کیا اور عرض کیا کہ جو آپ کی مرضی ہو وہ کیجئے. رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ تو کسی نبی کے لئے زیبا نہیں
ہے کہ زرہ پہنے اور پھر اسے بغیر لڑائی لڑے اُتار دے. اس واسطے آپ ہزار آدمیوں سے نکلے. اور مدینہ
پر ابن ام مکتوم کو خلیفہ کیا

عبداللہ بن ابی کی واپسی رسول کی ہمراہی سے اور ایک اندھا منافق: جب رسول اللہ
مدینہ سے احد کی طرف جا رہے تھے تو راستے سے عبداللہ بن ابی بن سلول ایک ثلث آدمیوں کو لیکر
لوٹ کھڑا ہوا اور کہا کہ رسول اللہ نے میرا کہنا نہ مانا اور ان لڑکوں کا کہنا مانا اس کے ساتھ جو لوگ گئے
اور اس کی بعیت کی وہ منافق تھے. اور ان کے دل میں نفاق اور ریب بھرا ہوا ہے تھا عبداللہ بن خرام بنی
سلمہ کے بھائی نے ان کا تتبع کیا. وہ بھی چلا گیا. ان لوگوں کا اللہ تعالی نے ذکر کیا ہے کہ وہ نبی کو چھوڑ کر
چلے گئے جب وہ کہنے لگے کہ اگر جانتے ہم کہ تم لڑائی لڑو گے تو ہم تمھیں نہیں چھوڑتے ۔ غرض جب وہ
لوٹ گئے تو رسول اللہ نے فرمایا. کہ اعداء اللہ، اللہ تمھیں دور ہی رکھے امید ہے کہ وہ ہمیں تم سے مستغنی
کردے گا پھر رسول اللہ کے ساتھ سات سو آدمی رہ گئے. اور آپ حرہ بنی حارثہ میں گئے اور ان کے

اموال اور اونٹوں کے درمیان میں پہنچے .وہاں منافقین میں سے بھی ایک شخص کے جس کا نام مربع قیظی تھا اونٹ تھے .اور وہ اندھا تھا جب اس نے رسول اللہ کی اور آپ کے ہمراہیوں کی آہٹ معلوم کی تو اٹھا اوران کے منھوں پر دھول اڑانے لگا اور کہنے لگا کہ اگر تو رسول اللہ ہے تو تجھ کو میری بلا اجازت یہ جائز نہیں ہے کہ میرے احاطہ میں داخل ہو.اور پھر ایک مٹھی مٹی بھر لی.اور کہا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اگر مٹی پھینکوں تو تیرے ہی منہ پر لگے گی تو یہ مٹی تیرے اوپر پھینکتا.یہ سن کر لوگ جھپٹے کہ اُسے قتل کر ڈالیں اور رسول اللہ نے کہا نہیں وہ آنکھوں کا اور دل کا دونوں طرف سے اندھا ہے ہے اُسے جانے دو اتنے میں سعد بن زید نے اپنی قوس اس کے ماری جس سے اس کے سر میں خون نکل آیا.اسی میں ایک گھوڑے نے دم ہلائی جو سوار کی تلوار کے کانٹی میں جا لگی.اور وہ میان سے نکل پڑی رسول اللہ نے یہ دیکھ کر فرمایا دیکھو اپنی تلواروں کو سنبھالو مجھے نظر آتا ہے کہ آج تمھاری تلواریں میان سے نکلیں گی۔

فریقین کا لشکر کو آراستہ کرنا اور ابوسفیان کا پیغام انصار سے: پھر رسول اللہ آگے بڑھے اور رفتہ رفتہ انتہائی وادی پر پہونچ کر قیام کیا.اور اپنی پشت پہاڑ کی طرف کی اور اسی کے پاس لشکر کو اُتارا۔ مشرکوں کے تین ہزار آدمی تھے .جن میں سے سات سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے اور ان کے سات پندرہ بی بیاں تھیں اور مسلمانوں کے کل سو (۱۰۰) زرہ پوش تھے اور بجز دو گھوڑوں کے اور کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا.ایک گھوڑا تو رسول اللہ کے پاس تھا اور ایک گھوڑا ابو بردہ بن نیار کے پاس تھا.یہاں آپ نے لشکر کا ملاحظہ کیا.اور جنگ آوروں کو دیکھا اُن میں سے زید بن ثابت ابن عمر اُسید بن حضیر براء بن عازب عرابہ بن اوس ابوسعید الخدری وغیرہ کو کم عمری کے باعث واپس کر دیا.اور جابر بن سمرہ رافع بن خدیج کو رہنے دیا.ابوسفیان نے انصار کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم تم سے لڑنے نہیں آئے ہیں.ہم اپنے ابن عم سے لڑتے ہیں.تم لوگ بیچ میں کیوں بولتے ہو.ہم جانیں اور وہ جانے آپ الگ ہو جایئے .ہم فقط اس سے لڑیں گے .مگر انصار نے ایسا جواب دیا جس سے اوس کا دل آزردہ ہو گیا. غرض مشرکوں نے اپنے لشکر کو آراستہ کیا اور میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمہ بن ابو جہل کو مقرر کیا .ان کا لوا بنی عبدالدار کے پاس تھا.ابوسفیان نے ان سے کہا کہ رایات کے سبب سے فتح و شکست ہو اکرتی ہے.اگر تم سے ہو سکتا ہے کہ میدان جنگ سے منہ نہ پھیرو تو تم اسے لئے رہو.ورنہ لوا ہمیں دیدو

اس سے اُسے تحریص مقصود تھی ,انہوں نے کہا. جب ہم دشمن کے مقابلہ میں ہونگے تو ,تو دیکھ لیگا کہ ہم کیا کرتے ہیں. ابوسفیان کی بھی یہی غرض تھی .رسول اللہ کی فوج کا منہ مدینہ کی طرف تھا.اور احد کی پہاڑ کی طرف پیٹ تھی .اور تیراندازوں کو اپنی پشت کی طرف کھڑا کیا تھا.ان میں پچاس آدمی تھے .ان پر عبداللہ بن جبیر کو امیر بنایا تھا جو خوات بن جبیر کا بھائی تھا اور اس سے کہہ دیا تھا کہ ہمارے پیچھے سے اگر سوار آئیں تو اُنھیں اپنے تیروں سے روکے رہنا اور خواہ ہماری شکست ہو یا فتح مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہ پہنی تھیں .اور لوا مصعب بن عمیر کو دیا تھا .اور سواروں کے مقابلہ کے واسطے زبیر کو مقرر کیا تھا اور مقداد کو بھی اس کے ساتھ دیا تھا.

لڑائی کا آغاز اور علی کا طلحہ کو زخمی کر کے چھوڑ دینا اور ابودجانہ کو رسول اللہ کو تلوار دینا اور ہند کے گیت اور کفار کا پسپا ہونا : پھر ادھر سے حمزہ لشکر کو لیکر نکلے اور خالد اور عکرمہ ادھر سے آئے زبیر اور مقداد ان کے مقابل ہوئے اور مشرکین کو بھگا دیا ادھر سے رسول اللہ نے اور آپ کے اصحاب نے حملہ کیا اور ابوسفیان کو پیچھے ہٹا دیا اس میں طلحہ بن عثمان صاحب لواء مشرکین نکلا اور چلا کر آواز دی یا معشر اصحاب محمدؐ ۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہاری تلواروں سے ہم جہنم میں جاتے ہیں اور ہماری تلواروں سے تم جنت میں جاتے ہو اچھا بھلا اب کوئی تم میں ایسا ہے جو میری تلوار سے جنت میں جائے یا مجھے اپنی تلوار سے دوزخ میں پہنچائے. اگر ہے تو وہ باہر میدان میں آئے علی ابن ابی طالب اس کے مقابلہ میں گئے اور اُس کے ایک تلوار ماری کہ اُسکا پاوں کٹ گیا اور وہ گر پڑا اور اس کا ستر کھل گیا اور اس نے آللہ کی قسم دے کر حضرت علی سے کہا کہ رحم کرو حضرت علی نے اُسے چھوڑ دیا. اس پر رسول اللہ نے تکبیر کہی .اور علی سے کہا کہ تم نے کیوں اُسے قتل نہ کیا۔ کہا کہ اس نے مجھے اللہ کی قسم دلائی کہ رحم کرو اس سے مجھے شرم آ گئی اور میں نے اُسے چھوڑ دیا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی آپ نے پکار کے کہا کہ کون اس کا حقدار ہے جسے میں یہ تلوار دے دوں کتنے ہی آدمی کھڑے ہوئے مگر آپ نے کسی کو نہ دی اسی میں ابودجانہ کھڑا ہوا .اور پوچھا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس سے دشمنوں کو اس وقت تک مارے کہ وہ ٹیڑھی نہ ہو جائے. ابودجانہ نے کہا اچھا تو آپ یہ مجھے عنایت فرمایئے آپؐ نے وہ اس کو دے دی یہ بڑا

بہادر شخص تھا. اوراس کا قاعدہ تھا کہ جب سرخ عمامہ باندھتا تھا تو لوگ جانتے تھے کہ وہ اب لڑے گا. اس نے سرخ ڈوپٹہ باندھا اور تلوار لی اور اکڑتا ہوا متبختر انہ بین الصفین آیا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. کہ ایسی چال ہے. جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے مگر اس موقع پر یہ چال جائز ہے. پھر اس کے سامنے جو چیز آئی اسے بھسم کرتا ہوا چلا گیا اور پہاڑ کے دامن میں عورتوں تک پہنچ گیا. ان میں ایک عورت کہتی تھی.

نحن نبات طارق، لا منشی علی النمارق ،مشی القطا البوارق،المسک فی المفارق والدر فی المخاق والدر فی المخالق +إن تقبلوا الغانق ،ولفرش المنارق اوتدر والفارق فرق غیر وامکق

ہم طارق (کوکب صبح یعنی سادات قوم کی) بیٹیاں ہیں دوستوں سے کبھی منہ نہیں پھیرتیں اور نزاکت کے باعث زین پوش (کے منقش اور خوبصورت کپڑوں پر چلا کرتی ہیں. اور اس چال سے کہ جیسے قس چلا کرتا ہے اور جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں ہمارے سروں میں مشک لگی ہوئی ہے اور گردن کے ہاروں میں موتی پڑے ہوئے ہیں اگر تم میدان جنگ میں آگے بڑھے تو ہم تم سے ہم آغوش ہیں اور زریں پوش سے خوبصورت چیزیں تمہارے واسطے بچھائیں گی اور اگر تم نے پیٹ پھیری تو ہمارا تمہارا فراق ہے اور فراق بھی ایسا کہ جیسے ہم تم کبھی دوست ہی نہ تھے اور یہ بھی وہ کہتی تھیں

ویہا بنی عبد الدار　　ویہا حماۃ الدیار

ضربا بکل بتار

چلنا اے نبی عبد الدار　　چلنا اے حامیان ملک

مارنا ہر قسم کی قاطع تلواروں سے

ابو دجانہ نے تلوار اٹھائی کہ اس عورت کو مار ڈالے. مگر پھر یہ سوچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے اس سے عورت کو نہ مارنا چاہیے. اُسے چھوڑ دیا. یہ عورت ہند تھی. اور عورتیں اس کے ساتھ مردوں کے پیچھے دف بجاتی جاتی تھیں. اور مردوں کو لڑائی کی تحریص وترغیب دلاتی تھیں لڑائی پھر خوب جوش سے ہونے لگی. اور حمزہ علی اور ابو دجانہ مسلمانوں کو لے کر مخالفوں کی صفوں میں گھس گئے. جس سے

اللہ تعالی نے مسلمانوں کی نصرت کی اور مشرکین کو ہزیمت ہوگئی. عورتیں بھی بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھ گئیں. اور مسلمان ان کے لشکر میں گھس کر لوٹ میں پڑ گئے. اس میں جب مسلمانوں کے لشکر کے تیراندازوں میں سے ایک نے نظر کی اور چونکہ کفار ہٹ گئے تھے تو اُس نے میدان خالی پایا. اس سے کچھ تیرانداز غنیمت کی طرف چلے. اور کچھ اپنی جگہ کھڑے رہے اور کہا ہم سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہم وہی کریں گے اپنی جگہ کھڑے رہیں گے. اس پر اللہ تعالی کے ہاں سے یہ آیت نازل ہوئی. مِنكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (تم میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کو چاہتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو آخرت کو چاہتے ہیں) یعنی رسول اللہ کے احکام کو مانتے ہیں. ابن مسعود کہتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک میں یہ جانتا نہ تھا کہ رسول اللہ کے اصحاب میں سے کوئی دنیا کا بھی طالب ہے. یہ مجھے اس آیت کے نزول کے بعد ہی معلوم ہوا. کہ بعض اصحاب رسول اللہ دنیا کے بھی طالب ہیں.

تیراندازوں کا لوٹ میں پڑنا اور خالد کا حملہ مسلمانوں پر اور مشرکین کا غلبہ اور حضرت علی کی نسبت اعتقادی روایت: جب کچھ تیرانداز اپنی جگہ سے چلے گئے. تو خالد بن الولید نے چند تیراندازوں کو دیکھ کر ان پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر ڈالا اور پیچھے سے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حملہ کیا. ادھر جب مشرکوں نے اپنے سواروں کو دیکھا تو وہ بھی جھپٹے اور مسلمانوں پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا اور بہت کو مار ڈالا. مسلمانوں نے مشرکین کے صاحب لوا کو قتل کر ڈالا تھا. ان کا لوا پڑا ہوا تھا کوئی اس کے پاس نہ جاتا تھا اُسے عمرہ بنت علقمہ الحارثیہ نے اٹھایا اور بلند کیا جسے دیکھ کر قریش اس کے گرد جمع ہو گئے اور پھر اس عورت سے ایک شخص صواب نام نے لے لیا اور اسے لئے ہوئے مارا گیا جس نے اس لوادار کو مارا تھا وہ علی تھے یہ بات ابو رافع نے بیان کی ہے.

رسول اللہ کا زخمی ہونا اور ابن قمہ کا مشہور کرنا کہ میں نے محمد کو مار ڈالا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کے دندان مبارک شہید ہوئے اور لب چر گیا رخسار پر اور نیز پیشانی پر جہاں بالوں کی جڑیں تھیں زخم آیا آپ پر ابن قمیۃ اللیثی نے تلوار چلائی تھی اور اسی نے آپ کو زخمی کیا تھا کہتے ہیں کہ عبداللہ بن شہاب الزہری جد محمد بن مسلم اور عتبہ بن ابی وقاص اور ابن قمیۃ اللیثی

الادرمی نے جو بنی تمیم بن غالب میں سے تھا مشورہ کیا۔ اور تمیم کو اورم یعنی ناقص الذقن اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے ذقن میں کچھ نقصان تھا اور اسی مشورہ میں ابی بن خلف انجمی اور عبداللہ حمید الاسدی اسد قریش بھی شامل تھے۔ انہوں نے اس مشورے میں رسول اللہ کے قتل کا عہد کیا تھا۔ اسی میں ابن شہاب نے تو آپ کی پیشانی مبارک کو صدمہ پہنچایا۔ اور عتبہ نے چار پتھر مارے۔ جس سے آپ کے داہنے طرف کے دانت شہید ہو گئے۔ اور لب شق ہو گئے۔ رہا ابن قمہ اللیثی اُس نے رخسارہ کو زخمی کیا اور خود کے حلقہ رخساروں کی کھال میں گھس گئے۔ اور تلوار آپ پر اٹھائی مگر اتنے زور سے نہیں لگی۔ کہ وہ آپ کے بدن کو کاٹے۔ تاہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم گر گئے اور گھٹنا زخمی ہو گیا ابی بن خلف نے حربہ لے کر حملہ کیا۔ لیکن یہ حربہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے چھین لیا اور اُسی سے لے کر آپ نے اسے مارا تھا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حارث بن الصمہ کا حربہ تھا جس سے آپ نے اسے مارا تھا ایک عبداللہ بن حمید ان میں سے رہا سوائے ابو دجانہ الانصاری نے مار ڈالا۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے۔ اور خون آپ کے چہرے مبارک پر بہنے لگا۔ اس وقت آپ اُسے پونچھتے اور فرماتے جاتے تھے کہ۔ کیف یفلح خضبوا وجه نبیهم بالدم یدعوهم الی الله (وہ قوم کیونکر فلاحیت پا سکتی ہے۔ جس نے اپنے ایسے نبی کے چہرہ کو جو انہیں اللہ کی طرف بلاتا ہو۔ خون سے رنگ دیا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے واسطے انصار کے پانچ آدمی لڑتے رہے اور وہ پانچوں مارے گئے۔ ابودجانہ نے اپنے آپ کو رسول کے لئے ڈھال بنا لیا تھا اور آپ کے اوپر جھک گیا تھا اس کی پیٹ پر تیر پڑ رہے تھے اسی وقت سعد بن ابی وقاص کے بھی رسول اللہ کی حفاظت میں ایک تیر آ کر لگا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تیر اٹھا کر دیتے اور فرماتے تھے تیرے اوپر میرے ماں باپ قربان یہ تیر مار۔ قتادہ بن النعمان کی آنکھ میں زخم آ گیا۔ اور آنکھ باہر نکل آئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آنکھ اپنی جگہ پر داہنے ہاتھ سے کر دی اور وہ ایسی اچھی ہو گئی کہ پہلی آنکھ سے بھی بہتر تھی۔ معصب بن عمیر صاحب لواء المسلمین بھی خوب لڑا اور مارا گیا اسے ابن قمیہ بن اللیثی نے مارا تھا۔ اور یہ سمجھا تھا کہ یہی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس واسطے وہ قریش کی طرف گیا اور پکار کر کہا کہ میں نے محمد کو مار ڈالا۔ اس واسطے لوگوں میں شہرت اڑ گئی اور کہنے لگے کہ محمد مارے گئے پھر جب

مصعب مارا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوا علی بن ابی طالب کو دے دیا۔

حضرت حمزہ کی شہادت اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے لڑنے کو ابو بکر کی تیاری اور عاصم کا مسافع اور کلاب کو قتل کرنا:

حمزہ خوب لڑتے اور ان کا گزر سباع بن عبدالعزیٰ الغبشانی پر ہوا۔ اس سے انہوں نے کہا۔ ادھر آ ؤ اا بن مقطعۃ البظور (بظر فرج کی نوک کو کہتے ہیں) اُسکی ماں ام انمار مکہ میں عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھی۔ جب دونو مقابل ہوئے تو حمزہ نے اس کے ایک تلوار ماری اور مار ڈالا ہے۔ وحشی کہتا ہے کہ میں حمزہ کو دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی تلوار سے لوگوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈالتا تھا اور جو کوئی سامنے آتا اسے مار ڈالتا۔ اور سباع بن عبدالعزیٰ کو بھی اس نے مارا تھا میں نے اس لئے اس کے اوپر اپنا حربہ اٹھایا تھا اور ایسا پھینک کر مارا کہ اس کی ناف میں جا کر لگا اور دونوں ٹانگوں میں ہو کر نکل گیا۔ پھر حمزہ میری طرف کو چلا مگر طاقت نہ رہی گر گیا پھر میں نے اسے چھوڑ دیا جب وہ مر گیا تو میں نے اپنا حربہ نکال لیا اور لشکر کی طرف چل دیا (رضی اللہ عن حمزہ وارضاہ) عاصم بن ثابت نے مسافع بن طلحہ اور اس کے بھائی کلاب بن طلحہ کو دو تیروں سے مار ڈالا ان دونوں کو لوگ ان کے دم نکلنے کے پہلے اٹھا کر ان کی ماں کے پاس لے گئے انہوں نے کہا اُس سے کہ عاصم نے ہمیں مارا ہے۔ اُس نے قسم کھائی کہ اگر ممکن ہوا تو عاصم کی کھوپڑی میں شراب پیونگی۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جو مشرکوں کے ساتھ تھا میدان میں نکلا۔ اور مبازرت کے لئے کسی کو طلب کیا۔ ابو بکر نے چاہا کہ اس سے لڑنے کے واسطے وہ میدان میں نکلیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی تلوار میان میں کر لو اور اپنی ذات سے ہمیں دوسری جگہ فائدہ پہنچاؤ در حقیقت یہ بڑا مشکل کام تھا کہ اپنے دین اور اپنے رسول کے واسطے اپنے جوان بیٹے کو قتل کرنے کے واسطے تیار ہو گئے۔ وہ لوگ ان کے پیر کی خاک کی برابری نہیں کر سکتے جنہوں نے دنیا کی حکومتوں کے واسطے مسلمانوں کو قتل کیا ہے)۔

عمر اور طلحہ وغیرہ کی رسول اللہ کے مارے جانے کی خبر سن کر پریشانی اور انس کا انہیں سمجھانا:

اسی میں انس بن النضر ابن مالک کا چچا عمر اور طلحہ کے پاس پہنچا جن کے پاس اور مہاجرین بھی تھے اور چپ کھڑے ہوئے تھے۔ (اور سوچ رہے تھے کہ اب کارروائی کا کون سا طرز اختیار کیا جائے۔ اس نے پوچھا کہ کیوں چپ ہو کیسے کھڑے ہو بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم مارے گئے انس نے کہا جب وہ مارے گئے تو اب پھر ان کے بعد زندگی کا کیا مزا ہے. جس بات کے واسطے وہ لڑکر مرے اسی بات پر تم بھی لڑکر مرجاؤ پھر دشمن کے مقابل ہوا اور لڑکر مارا گیا اس کے جسم پر ستر زخم تلوار اور نیزہ کے لگے تھے. اس کی زخموں سے یہ حالت ہوگئی تھی کہ مرنے کے بعد صورت نہیں پہچانی جاتی تھی. صرف اس کی بہن نے اس کے دانتوں کی خوبصورتی سے اسے پہنچانا تھا. یہ بھی کہتے ہیں کہ جس وقت مشہور ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے تو اس وقت کچھ مسلمانوں نے کہا. کوئی ایسا ہے جو عبداللہ بن ابی بن سلول کو جاکر بلا لائے. تاکہ وہ ابوسفیان سے ہمارے لئے اس سے پہلے اجازت حاصل کرادے کہ ہم کو وہ قتل کرڈالیں انس نے ان سے کہا کہ اگر محمد مارے گئے تو مارے جانے دو محمد کا رب تو نہیں مارا گیا جس کے لئے محمد لڑتے تھے اسی بات کے لئے تم بھی لڑو. اے اللہ میں تو وہ بات نہیں کہتا جو بات یہ لوگ کہتے ہیں. ان کی باتوں سے میں بری ہوں پھر لڑا اور لڑکر مارا گیا سب سے اول رسول اللہ کو کعب بن مالک نے پہنچانا. وہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کو جب دیکھا آپ زندہ ہیں تو میں نے خوب چلا کر آواز دی کہ مسلمانوں تم کو بشارت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں زندہ موجود ہیں کسی نے انہیں قتل نہیں کیا ہے. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ خاموش خاموش (کہیں کفار نہ جان جائیں) غرض جب مسلمانوں نے آپ کو پہچان لیا تو شعب احد کی طرف چلے. اس وقت آپ کے ساتھ علی ابوبکر عمر طلحہ زبیر اور حارث بن الصمہ وغیرہ تھے.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابی کو اپنے ہاتھ سے مارنا اور رسول کا خون تھمنا اور مالک کا طلحہ کے تیر مارنا:۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعب کی طرف چڑھے تو وہاں آپ کو ابی بن خلف ملا اور بولا. محمد! اگر تو بچ گیا تو میں نہیں بچوں گا یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف پھرے اور اس کی گردن میں ایک حربہ مارا ابی آپ سے مکہ میں کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے میں اسے ہر روز جوار کا ایک فرق (جو تیرہ سیر وزن کا ایک پیمانہ ہوتا ہے) کھلایا کرتا ہوں کہ وہ موٹا ہو جائے. اور اس پر میں چڑھ کر تجھے ماروں رسول اللہ اس سے فرماتے تھے انشاء اللہ میں ہی تجھے ماروں گا اس لئے وہ قریش کے پاس لوٹ کر گیا بولا کہ محمد نے مجھے قتل کر

دیا حالانکہ جو زخم اس کے لگا تھا وہ بہت بڑا زخم نہ تھا وہ زخم دیکھ کر بولے کہ اس کا کچھ اندیشہ نہیں. اُس نے کہا نہیں یہ زخم مجھے مار ڈالے گا محمد نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تجھے مار ڈالوں گا واللہ اگر وہ میرے اوپر تھوک بھی دیتا تب بھی تو میں مرجاتا چنانچہ وہ دشمن خدا سرف مقام پر مرگیا. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کی لڑائی میں خوب ہی لڑے اور اس قدر تیر مارے کہ آپ کے تیر سب ختم ہو گئے اور آپ کی قوس کا چلہ ٹوٹ گیا اور وتر کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے. جب رسول اللہ زخمی ہو گئے. تو آپ کے واسطے علی اس کنویں سے اپنی ڈھال میں پانی لاتے اور خون کو دھوتے تھے. مگر خون نہیں تھمتا تھا. اس میں بی بی فاطمہ آئیں. باپ کو لپٹ کر رونے لگیں. اور بوریہ کا ایک ٹکڑا اجلا کر اس کی راکھ زخم پر لگائی تب خون کا نکلنا منقطع ہوا. مالک بن زہیر الجشمی نے اور بعض کہتے ہیں کہ حبان بن العرقہ نے رسول اللہ کے ایک تیر مارا اور طلحہ نے اسے اپنے ہاتھ پر لیا جو اس کی چھنگیا میں جا کر لگا تیر کے لگنے سے اس نے حس کیا. رسول اللہ نے فرمایا اگر وہ باسم اللہ کہتا تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا اور لوگ اسے جنت میں جاتے ہوئے آنکھوں سے دیکھتے کہتے ہیں کہ اس سے اس کا ہاتھ انگشت سبابہ اور وسطی کے سوا شل ہو گیا تھا مگر اول قول زیادہ صحیح ہے.

عمر کا ابوسفیان کو پسپا کرنا اور طلحہ کو جنگ کی بشارت اور مسلمان بھاگنے والوں کو تنبیہ کرنا:

ـ ابوسفیان مشرکوں کی ایک جماعت کو لیکر پہاڑ پر چڑھا. رسول اللہ نے فرمایا یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ہم سے بلند ہو جائیں. اس واسطے حضرت عمر مہاجرین کی ایک جماعت کو لے کر ادھر گئے اور انہیں لڑ کر اتار دیا رسول اللہ ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے مگر آپ کو دو زرہوں کے بوجھ سے اس قدر طاقت نہ تھی کہ خود بلا مدد چڑھ جاتے اس لئے طلحہ وہاں بیٹھ گئے. اور آپ اس پر پاؤں رکھ کر چڑھ گئے اور فرمایا طلحہ کو جنت واجب ہو گئی. اور کچھ لوگ مسلمانوں کے جن میں عثمان بن عفان وغیرہ بھی تھے پیچھے ہٹتے ہٹتے اعوص مقام تک پہنچ گئے تھے. وہاں وہ لوگ تین روز رہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا. کہ تم لوگ بہت ہی لے چوڑے گئے چونکہ یہ لوگ نہ تو جبن کے سبب سے پیچھے ہٹ گئے تھے اور نہ دین اسلام سے بددلی تھی اس لئے ان پر کوئی خطا قائم نہیں کر سکتے یہ اتفاقات جنگ ہیں ایسے وقت میں کٹ کر مرجانا بھی بڑی غلطی اور نادانی

ہے یہی وجہ ہے کہ جو الفاظ رسول اللہ نے فرمائے۔ اس میں کوئی ملامت الفاظ نہیں ہیں بلکہ صرف تنبیہ منظور ہے۔

حنظلہ اور ابوسفیان اور ابن شعوب کا حنظلہ کو قتل کرنا:۔ اور حنظلہ ابن ابی عامر اور ابوسفیان بن کا مقابلہ ہوگیا۔ اور حنظلہ اس پر اتنا غالب ہوگیا کہ اس پر چڑھ گیا مگر جب شداد بن الاسود نے جسے ابن شعوب بھی کہتے ہیں ان دونوں کو دیکھا تو ابوسفیان نے اُسے بلایا اور اس نے آ کر حنظلہ کے ایک ایسی تلوار ماری کہ اُسے قتل کر ڈالا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ملائکہ نہلائیں گے لوگوں نے اس کی وجہ اس کے گھر والے لوگوں سے دریافت کی اور اس کی بی بی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ گھر سے نکلا تو جب تھا۔ اسی میں لڑائی کی منادی کی آواز اس کو سنائی دی اور وہ ویسے ہی چلا گیا اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ملائکہ نے نہلایا ہے۔ ابوسفیان اپنے صبر واستقامات اور حنظلہ کے قتل میں ابن شعوب کی امداد کی نسبت کہتا ہے۔

"ولو سئت نجتنی کمیت طمرة ولم احمل النعماء لا بن شعوب"

اگر میں چاہتا تو اس وقت کمیت خوبصورت گھوڑے مجھے بچا سکتے تھے اور اگر میں اس پر چل دیتا تو مجھے ابن شعوب کا بار احسان اٹھانا نہ پڑتا۔

"فما زال مهری مزجر الکلب منهم لدن غلاة حتی دنت لغروب"

صبح سے لیکر اس وقت تک کہ دن غروب کے قریب آ گیا ان سے میرا بچھیرا اتنی ہی دور رہا جتنی دور کتے کو ڈانٹ کر کر دیتے ہیں۔

"اقاتلهم وادعے یال غالب وادفعهم عنے بر کت صلیب"

اس وقت میں ان سے لڑتا جاتا تھا۔ اور پکارتا جاتا تھا یا آل غالب یا آل غالب اور مضبوط ڈنڈے یا ہمت قوی سے انہیں سامنے سے ہٹاتا جاتا تھا۔

"فبکے ولا ترعے مقالة عاذل ولا تساعی من عبرة و تحیب"

(اے میری عورت ہند بنت عتبہ) تو رو اور ملامت کرنے والوں کی گفتگو کی رعایت نہ کر۔ اور رونے میں جو آنسو نکلیں اس سے تو کچھ آزردہ خاطر نہ ہو۔

"اباک واخم انا لنا قد تنا بعوا وحق لھم من عبرة بنصیب"

تیرا باپ اور ہمارے بھائی یکے بعد دیگر (اس جہاں سے) چلتے بنے. ان کا حق ہے کہ ان پر آنسو بہائے جائیں.

"وسلی الذی قد کان فی النفس انتی قتلت من النجار کل نجیب"

اور دل میں جو تیرے خیالات گزر رہے ہیں ان کی نسبت تو دل کی تسلی کر دے میں نے نبی بخار کے سب نجیبوں کو قتل کر دیا۔

"و من ھاشم قرنا نجیاً و مصعبًا وکان لدی الھیجا غیر ھیرب"

اور بنی ہاشم میں سے بھی ایک سردار نجیب النسل اور سانڈ کو مار ڈالا. جو لڑائی کے وقت بڑا بے باک اور نڈر تھا.

"ولوا منتے لم اشف متھم قر و نتی لکانت شجی فا القلب ذات ندوب"

اگر میں ان کے (قتل) سے اپنا دل ٹھنڈا نہ کر لیتا تو یہ غم میرے دل میں ہمیشہ زخم کرتا رہتا اس کا جواب حسان نے اس طرح دیا ہے.

"ذکرت القروم الصید من آل ھاشم ولست لزورِ قلته بمصیب"

آل ہاشم کے تو نے شکاری سرداروں کا ذکر کیا ہے. مگر اس میں تو نے جو جھوٹ بکا اس میں تو راہ صواب پر نہیں ہے.

"تعجب ان قصلت حمزة منھم عشاء وقد سبھیته بنجیب"

کیا تجھے اس سے تعجب آتا ہے کہ تو نے حمزہ کو ان میں سے شام کے اندھیرا پڑتے وقت مار ڈالا. جسے تو نجیب النسل بیان کرتا ہے.

"الم یقتلوا عمراً وعتبة وانبه وشبیه والحجاج وابن حبیب"

لیکن دوسری بات کو تو چھوڑ جاتا ہے. کیا تیرے دشمنوں نے عمرو اور عتبہ اور اس کے بیٹے اور شیبہ اور حجاج اور ابن حبیب کو نہیں مار ڈالا.

"غداة دعا العاصی علیا فرعاہ بضربة عضب بله بخضیب"

CamScanner

اور صبح کے وقت جو ھاشمی نے علی کو میدان جنگ میں بلایا تھا اور اس وقت انہوں نے اسے ایک ضرب قاطع سے خون میں رنگ دیا تھا. تو اس سے وہ کیا چین نہیں بول گیا.

ہند کا حمزہ کا کلیجہ چبانا اور ابوسفیان کی گفتگو عمر سے اور ناک کان کاٹنے کا عذر :

ہند اور اس کے ساتھ والیاں مقتولوں پر آ کر جھکیں اور ان کے ناک کان کاٹنے لگیں. ہند نے مردوں کے کان اور ناکیں لیں. اور ان سے اپنی خلخالیں اور ہار بنائے اور جو اپنے خلخالیں اور ہار تھے وہ نکال کر وحشی کو دے دیئے. حمزہ کا کلیجہ چیرا اور اسے منہ میں چبایا مگر اس کو نگل نہ سکی اس لئے تھوک دیا. (اگر چہ ایک بہت ہی بُری حرکت تھی. مگر جب اس کے ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں جمالیا جائیں کہ ہند کا بیٹا حنظلہ حمزہ کے بھتیجے کے ہاتھ سے مارا گیا تھا تو اس برائی کا وزن ہلکا ہو جاتا ہے.) پھر ابوسفیان نے ایک اونچے مقام پر چڑھ کر مسلمانوں کو دیکھا اور آواز دے کر پوچھا کیا تم لوگوں میں محمد ہیں یہ الفاظ تین مرتبہ کہے. مگر آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب مت دو. پھر ابوسفیان نے کہا کیا تم میں ابوقافہ ہے. پھر تین مرتبہ کہا کیا تم میں عمر بن الخطاب ہے پھر جب ادھر سے جواب نہ دیا گیا تو وہ اپنے لوگوں کی طرف ملتفت ہو کر بولا. یا یہ لوگ مارے گئے اس میں حضرت عمر بول اٹھے تو جھوٹ کہتا ہے اے عدو اللہ ان سب کو اللہ تعالےٰ نے تیری تخریب کے لئے باقی رکھا پھر ابوسفیان نے کہا اعل ہبل اعل، ہبل (ہبل کا بول بالا.)

ہبل کا بول بالا رسول اللہ نے فرمایا کہو اللہ اعلیٰ و اجل ابوسفیان نے کہا ان لنا عزی ولا عزی لکم (ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا عزیٰ نہیں ہے) رسول اللہ نے فرمایا کہو اللہ مولینا و لا مولے لکم (اللہ ہمارے مولے اور مالک ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے. پھر ابوسفیان نے کہا عمر تجھے قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ ہم نے محمد کو مار ڈالا ہے حضرت عمر نے کہا ہرگز نہیں وہ زندہ ہیں اور تیری باتیں سن رہے ابوسفیان نے کہا تو ابن قمہ سچا ہے. پھر کہا آج تو ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا لڑائی کے ہمیشہ انقلاب ہوا کرتے ہیں کبھی ادھر کا پلہ بھاری ہوتا ہے اور کبھی اُدھر پھر کہا تم لوگ اپنے مقتولوں میں دیکھو گے کہ بعض لاشوں کے ناک کان کٹے ہوں گے. واللہ یہ کام میری رضا مندی سے نہیں ہوا اور نہ اس کے کرنے والوں پر میں نے اپنی ناراضی ظاہر کی. نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ منع کیا. جلیس بن زبان سید

الا حابیش کہیں پھر رہا تھا اس نے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ حمزہ کے منہ پر نیزہ کی نوک مار رہا ہے اور کہتا ہے عاق بیٹے مزہ چکھ احلیس نے بنی کنانہ سے کہا دیکھو یہ قریش کا سید ہے اور اپنے ابن عم سے کیا کر رہا ہے ابوسفیان نے کہا یہ مجھ سے غلطی ہوئی کسی سے کہنا نہیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان انتقام کے جوش میں دشمن کی لاش سے بھی اس قدر گستاخی کو نا جائز سمجھتا تھا یہ اس کی کمال شرافت پر دلالت کرتا ہے. بلکہ ہمارے نزدیک تو حضرت عمر اور ابوسفیان کی گفتگو کے بعد اس روایت کی صحت میں ہی شک ہے.)

خفانہ کا ام ایمن کے تیر مارنا اور سعد کا خفانہ سے بدلہ لینا اور قریش کا مکہ کو لوٹنا:۔ رسول کی حاضنہ ام ایمن اور اور عورتیں انصار کے مردوں کو پانی لا لا کر پلاتی تھیں.

خفانہ بن العرقہ نے ام ایمن کے ایک تیر مارا جو اس کے دامن میں آ کر لگا اسے دیکھ کر خفانہ ہنس پڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص کو ایک تیر دیا.اور کہا خفانہ کے مارو سعد نے جب تیر مارا تو اس کے جا کر لگا اس سے رسول ہنس پڑے اور فرمایا کہ اے سعد تو نے ام ایمن کا بدلہ لیا. اللہ تیری دعا قبول کرے اور تیرا تیر نشانہ پر لگائے.پھر ابوسفیان اور اس کے ہمراہی لوٹ گئے. اور ابوسفیان کہہ گیا. کہ آئندہ سال پھر ہم لڑائی کے لئے آئیں گے رسول اللہ کے حکم سے مسلمانوں نے کہہ دیا اچھا ہم بھی تیار ہیں.پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بھیجا کہ ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو اگر یہ لوگ گھوڑوں کو باندھ لیں اور اونٹوں پر سوار ہوں تو جان لو کہ وہ مکہ جاتے ہیں.اگر گھوڑوں پر سوار ہوں تو جاننا کہ ان کا ارادہ مدینہ کا ہے.اگر انہوں نے ایسا کیا تو ہم بھی کچھ کمی نہیں کرنے کے ان سے خوب مقابلہ کریں گے علی کہتے ہیں میں گیا.اور ان کے پیچھے جا کر دیکھا تو وہ اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو ساتھ ساتھ باندھ لیا اور مکہ کی طرف چل دئے.میں راستہ سے بچ بچا کر آیا کہ جہاں تک ہو سکے کوئی مجھے دیکھے نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ کوئی دیکھے نہیں (پھر آ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا حال کہہ دیا کہ وہ مکہ گئے).

سعد بن ربیع کی شہادت اور اپنی قوم کو وصیت:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ مقتولوں کو جا کر دیکھے اس نے سعد بن ربیع الانصاری کو دیکھا کہ اس میں فقط ایک رمق جان باقی ہے.سعد نے اس سے کہا کہ میرا سلام کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کہنا

کہا اللہ تعالیٰ آپ کو وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو اس نے اپنے کسی نبی کو اس کی امت کے سبب سے دی ہو اور میری قوم کو بھی سلام کہنا اور ان سے کہنا کہ اگر تم میں ایک شخص بھی زندہ رہے اور رسول اللہ کو تمہارے ہوتے ہوئے کوئی ایذا پہنچائے تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارے لئے کوئی عذر نہ ہوگا یہ کہا اور کہنے کے بعد مر گیا۔

حمزہ کی شہادت اور ناک کان کاٹنا اس پر رسول اللہ کا اور بی بی صفیہ کا رنج:۔

حمزہ اس وادی کے باطن میں ملے ان کے پیٹ میں سے کلیجہ نکال لیا اور کان ناک کاٹ ڈالے گئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اگر اس سے آزادہ ہوتی اور میرے بعد بھی طریقہ سنت نہ ہو جاتا تو میں حمزہ کو یہیں چھوڑ دیتا کہ انہیں زمین کے درندہ اور آسمان کے پرندے کھا جاتے۔ اگر اللہ تعالے نے مجھے قریش پر غلبہ دیا تو ان کے تیس آدمی کے ناک کان کاٹوں گا۔ اور مسلمانوں نے بھی کہا کہ ہم ان کے ایسے ناک کان کاٹیں گے کہ عربوں میں کسی نے بھی ایسے نہ کاٹے ہوں گے۔ مگر اس بات میں اللہ تعالے نے ایک آیت نازل فرمائی۔ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ . إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ. (اور اے مسلمانوں دین کی بحث میں مخالفین کے ساتھ سختی بھی کرو تو اتنی ہی سختی کرو جتنی تمہارے ساتھ کی گئی ہے۔ اور اگر مخلوق کی ایذا پر صبر کرو تو بہر حال صبر کرنے والوں کے حق میں صبر بہتر ہے۔ اور تم مخالفوں کی ایذاؤں پر صبر کرو۔ اور اے پیغمبر آاللہ کی توفیق کی بدون تم صبر کر بھی نہیں سکتے ہو۔ اور ان مخالفوں کے حال پر افسوس نہ کرو۔ اور یہ لوگ جو تمہاری مخالفت میں تدبیریں کیا کرتے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہو کیونکہ جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں اور جو لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اللہ ان کا ساتھی ہے اس واسطے رسول اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ اور صبر فرمایا اور اپنے اصحاب کو ناک کان کاٹنے کی ممانعت کر دی۔

پھر بی بی صفیہ بنت عبدالمطلب آئیں۔ رسول اللہ نے ان کے آنے کی خبر سن کر ان کے بیٹے زبیر سے کہہ دیا کہ انہیں لوٹا دے تا کہ وہ اپنے بھائی حمزہ کی صورت اس طرح کی نہ دیکھیں زبیر

نے راستہ میں جا کر اُن سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے ہیں۔صفیہ نے کہا مجھے معلوم ہے حمزہ کے ناک کان کاٹے گئے ہیں۔یہ بات اللہ کے راستہ میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔اس سے اگرچہ دل کو صدمہ ہوتا ہے مگر اللہ ہمیں اس کا ثواب دے گا۔میں صبر کرتی ہوں زبیر نے جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تو آپ نے کہا کہ اچھا آنے دو پھر وہ آئیں اور ان پر نماز پڑھی اور انا اللہ وانا الیہ راجعون کہا۔ پھر رسول کے حکم سے انہیں دفن کر دیا گیا۔

قرنان کی موت کفر کی حالت میں اور مخیریق یہودی کا مسلمانوں کی طرف سے مارا جانا

مسلمانوں میں ایک شخص تھا جس کا نام قرنان تھا رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ اہل النار سے ہے۔ وہ احد کے روز خوب اچھی طرح سے مسلمانوں کی جانب سے لڑا اور سات آٹھ مشرکین کو قتل کیا۔پھر زخمی ہو گیا۔لوگ اُسے اٹھا کر اُس کے گھر لے گئے وہاں اس سے مسلمانوں نے کہا تجھے جنت کی بشارت ہو قرنان کہا کیوں میں تو اسلام کے لئے نہیں لڑا۔بلکہ اپنی قوم کی حمایت کے واسطے لڑا ہوں پھر اس پر زخم کی طرف سے بڑی تکلیف بڑھی۔اس واسطے اس نے تیر لیا اور اپنی انتڑیاں اس سے کاٹ ڈالیں اس سے خون نکل نکل کر مر گیا۔ جب رسول اللہ کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا اشہد انی رسول اللہ۔ اور جو لوگ مسلمانوں کی طرف سے مارے گئے ان ہی میں ایک ہی شخص مخیریق یہودی بھی تھا اس نے لڑائی کے دن یہودیوں سے کہا۔اے یہود یہ دن تمہارے لئے ہے تم کو معلوم ہے کہ محمد کے نصرت و تاویدتم پر ضروری ہے۔یہودیوں نے کہا کہ آج تو سبت کا دن ہے اُس نے کہا آج سبت اس کام میں کوئی چیز نہیں ہے اور اپنی تلوار اور دوسرے تمام ہتھیار زیب تن کئے اور کہا اگر میں مر جاؤں تو میرا مال محمد کے لئے ہے میرے مال کو محمد جو چاہے وہ کرے پھر میدان جنگ میں آیا اور اگر مارا گیا رسول اللہ نے اس کی بابت فرمایا کہ مخیریق نہایت عمدہ یہودی تھا۔

الیمان مسلمان کا قتل مسلمانوں کے ہاتھ سے:۔ الیمان حذیفہ کا باپ بھی مارا گیا اُسے اتفاقاً مسلمانوں نے ہی مار ڈالا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اور ثابت بن قیس بن وقش کو عورتوں کے ساتھ بھیجا تھا۔یہ دونوں بوڑھے تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہم کس کا انتظار کریں ہم اپنی تلوار لے کر رسول اللہ کے پاس کیوں نہ جائیں۔وہاں شاید اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت

نصیب کردے چنانچہ وہ نکلے اور لڑائی کے وقت لوگوں کی بھیڑ میں گھس گئے ان کو مسلمانوں کی علامت جو انہوں نے مقرر کر رکھی تھی معلوم نہ تھی اس لئے ثابت تو مشرقوں کے ہاتھ سے مارا گیا اور الیمان پر مسلمانوں کی ہی تلواریں برسیں اور بے جانے اسے مار ڈالا حذیفہ نے کہا یہ میرا باپ ہے میرا باپ ہے مگر اس کا کام اتنے ہی میں ہو ہی چکا مسلمان بولے ہمیں معلوم نہ تھا. حذیفہ کہا تو اللہ تعالے تم قاتلوں کو مغفرت عطا فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اس کی دیت حذیفہ کو دیں. مگر حذیفہ نے دیت بھی مسلمانوں کو معاف کر دی.

شہداء کا قبروں میں دفن کیا جانا: بعض مسلمانوں نے اپنے مقتول اٹھائے اور مدینہ کو لے چلے. رسول اللہ نے فرمایا جہاں وہ مارے گئے ہیں انہیں اسی جگہ دفن کر دیا جائے اور حکم دیا کہ دو دو تین تین ایک ہی قبر میں دفن کر دیں اور جو ان میں زیادہ قرآن جانتا ہو اس کو قبلہ کی طرف رکھیں. نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز پڑھی جب کوئی شہید آتا تو حمزہ کو اس کے ساتھ شریک کر لیا کرتے اور دونوں پر نماز پڑھتے تھے اور ایک قول ہے کہ نو نو آدمی آپ لیتے تھے اور ان میں حمزہ کو دسواں کرتے اور ان پر نماز پڑھتے تھے حمزہ کو قبر میں علی ابو بکر عمر اور زبیر نے اتارا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر بیٹھے تھے. اور رسول اللہ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ عمرو بن الجموح اور عبد اللہ بن حزام دونوں ایک ہی قبر میں دفن کئے جائیں اور فرمایا کہ یہ دونوں دنیا میں سچے ولی دوست تھے پھر جب شہدا دفن ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ سے واپس ہوئے یہاں آپ سے حمنہ بنت جحش ملی لوگوں نے اسے اس کے بھائی عبد اللہ کے قتل کی خبر سنائی اس نے سن کر استرجاع پڑھی پھر کسی نے اس سے کہا تیرا بھائی حمزہ بھی مارا گیا اس کے واسطے اس نے استغفار کیا. پھر ایک نے کہا تیرا شوہر مصعب بن عمیر بھی مارا گیا. اسے سن کر وہ بلبلا گئی اور چلا پڑی. رسول اللہ نے فرمایا کہ عورت کو اپنے مرد کا بڑا خیال ہوتا ہے. جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ کا گزر انصار کے ایک گھر پر ہوا. وہاں آپ نے نوحہ وبکا کی آواز سنی اس سے آپ بھی رونے لگے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ حمزہ پر کوئی بھی رونے والا نہیں ہے یہ سن کر سعد بن معاذ بنی عبد الاشہل کے گھر گیا اور ان کی عورتوں سے کہا کہ وہ جائیں اور حمزہ پر جا کر روئیں (رونے کی ممانعت چلا کر غالباً اُس کے بعد ہوئی ہے یا یہ روایت محبان اہل بیت کی

ہوگی) رسول اللہ انصار کی ایک عورت کی طرف ہو کر گزرے جب اُس سے لوگوں نے کہا کہ اس کا باپ اور شوہر دونوں مارے گئے تو کہا رسول اللہ کیسے ہیں لوگوں نے کہا الحمد اللہ وہ تو تیرے دل کی خواہش کے موافق زندہ سلامت ہیں. کہا مجھے انہیں دکھاؤ جب اس نے آپ کو دیکھا تو کہا کیسی ہی مصیبت کیوں نہ پڑے اگر آپ زندہ ہیں تو وہ کچھ بھی نہیں ہے.

اور رسول اللہ مدینہ کو اسی لڑائی کے دن سبت کے ہی روز لوٹ آئے تھے:۔

اس کے بعد صحیح بخاری پارہ سولھواں کتاب المغازی جلد ۲۰۲ سے ۲۰۸ تک غزوہ احد کا بیان اس طرح لکھا گیا: براء بن عازب کہتے ہیں ہم نے احد کے دن مشرکوں سے مقابلہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر تیراندازوں کا (حفاظت کے واسطے بٹھادیا ان پر عبداللہ بن جبیر کو امیر بنا کر فرمایا یہاں سے نہ ٹلنا اگر تم دیکھو کہ ہم کافروں پر غالب آگئے تو بھی نہ ہلنا اور جو دیکھو کہ کافر ہم پر غالب آگئے تو بھی ہماری مدد نہ کرنا. پھر جب ہم کافروں سے لڑے تو وہ بھاگ گئے یہاں تک کہ میں نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ اپنے دامن پنڈلیوں سے اٹھائے ہوئے پہاڑ کی طرف بھاگ رہی تھیں اور ان کی پازیبیں دکھائی دیتی تھیں. (عبداللہ ابن جبیر کے ہمراہی) کہنے لگے ارے میاں مال غنیمت کو لوٹو عبداللہ نے کہا مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اقرار لیا ہے کہ یہاں سے ہرگز نہ ٹلنا انہوں نے (عبداللہ کا کہنا) نہ مانا جب وہ باز نہ آئے اللہ نے ان کے منہ پھیر دیئے (انہیں معلوم نہ تھا ہم کدھر جا رہے ہیں.) مسلمانوں کی یہ مصیبت پہنچی کہ ستر آدمی شہید ہوئے ابوسفیان نے اونچے پہاڑ پر چڑھ کر کہا کیا قوم میں محمد (زندہ) ہیں آپ نے فرمایا اسے جواب نہ دو پھر اس نے کہا کیا قوم میں ابی قحافہ کا بیٹا (یعنی ابوبکر) ہیں آپ نے ارشاد کیا خاموش ہور ہو پھر اُس نے کہا کیا قوم میں (عمر) ابن الخطاب ہیں آپ نے کہا جواب نہ دو ابوسفیان نے کہا یہ سب مارے گئے (ورنہ) اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے اس پر عمرؓ نہ رہ سکے اور بولے دشمن اللہ تو جھوٹا ہے بخدا تیرے ذلیل کرنے والوں کو اللہ نے بچالیا ہے. ابوسفیان نے کہا اُعل ہبل یعنی اے ہبل (جو ایک بت کا نام ہے) تو بلند ہو (اور اپنے دین کی مدد کر) رسول اللہ نے فرمایا تم بھی اُسے جواب دو لوگوں نے کہا ہم اُسے کیا جواب دیں. آپ نے فرمایا کہو اللہ اعلیٰ وَاجل یعنی اللہ بلند و بزرگ تر ہے. ابوسفیان نے کہا لنا العزی و لا عزی لکم ہمارا (مددگار)

عزیٰ (بت) ہے اور تمہارا مددگار عزیٰ نہیں ہے آپ نے فرمایا تم بھی اُسے جواب دو لوگوں نے کہا ہم اسے کیا جواب دیں فرمایا کہو اللہ مولنا و لا مولا لکم (یعنی اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار نہیں ہے ابوسفیان نے کہا کہ یہ دن بدر کے دن کے بدلے ہے۔ اور لڑائی مثل ڈول کے (کبھی ایک کی فتح اور کبھی دوسرے کی فتح) اور (کہا) تم میدان میں مقتولین کو ناک کان کٹے ہوئے پاؤ گے نہ میں نے اس کا حکم دیا اور نہ یہ مجھے برا معلوم ہوا۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں میں نے احد کے دن رسول اللہ کو دیکھا اور آپ کے ہمراہ دو مرد سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جو آپ کی طرف سے بڑی مستعدی سے لڑ رہے تھے۔ میں نے انہیں اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی نہیں دیکھا۔

سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں رسول اللہ نے احد کے دن مجھے اپنے ترکش سے تیر نکال نکال کر دیئے اور فرمایا اے سعد تیر چلائے جا تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ سعد (بطور فخر) کہتے ہیں رسول اللہ نے احد کے دن اپنے ماں باپ دونوں کو جمع کر کے (بلفظ فداک ابی و امی) میرے ہی واسطے کہا ہے۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن میرے واسطے اپنے دونوں ماں باپوں کو جمع کیا مراد سعد کی یہ تھی آپ نے میرے واسطے فداک ابی و امی کہا جب کہ میں لڑ رہا تھا معتمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اُس نے کہا ابوعثمان کہتے ہیں کہ نبی کے ہمراہ بعض ایام (جنگ احد) میں جس میں آپ کافروں سے لڑے تھے۔ (بڑے صحابیوں میں سے) طلحہ اور سعد بن ابی وقاص کے سوا کوئی نہ رہا تھا ابوعثمان نے یہ قصہ سعد اور طلحہ کے حالات سے اخذ کیا۔ قیس کہتے ہیں میں نے طلحہ کا ہاتھ شل ہوا دیکھا کہ اُس سے جنگ احد کے دن نبی کو بچا (نے کے واسطے سپر بنا) یا تھا انس کہتے ہیں جنگ احد کے دن لوگ رسول اللہ کو چھوڑ کے بھاگ گئے۔ (صرف) ابوطلحہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی چمڑے کی ڈھال لگائے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ ابوطلحہ مرد تیر انداز سخت کمان کھینچنے والے تھے۔ اس دن دو تین کمانیں توڑ ڈالیں۔ اگر کوئی شخص آتا اور اس کے ترکش میں تیر ہوتے تو رسول خدا اس سے فرماتے انہیں ابوطلحہ کے لئے ڈال جا انس کہتے ہیں رسول اللہ نے گردن اُٹھا کر قوم کفار کی طرف دیکھا ابوطلحہ بولے آپ پہ میرے ماں باپ فدا ہوں آپ اونچے ہو کر نہ دیکھئے کہیں آپ کے کافروں کا کوئی تیر نہ لگ جائے۔ (خدا کرے) میرے گلے پر لگے آپ کے نہ لگے انس کہتے ہیں میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور

بنت ام سلیم (اپنی والدہ) کو اس حال میں دیکھا کہ وہ دونوں اپنے دامن اُٹھائے ہوئے تھیں میں ان کی پنڈلیوں پر پازیب کو دیکھتا تھا اور وہ دونوں اپنی پیٹھ پر مشکیں اٹھا اٹھا کر لوگوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں پھر جا کر انہیں بھر کے لاتی تھیں اور قوم کے منہ میں ٹپکاتی تھیں ابوطلحہ کے ہاتھ سے دو یا تین بار تلوار گر پڑی۔ جعفر بن عمرو بن امیہ الضمری کہتے ہیں میں عبداللہ عدی بن الخیار کے ساتھ نکلا. جب ہم (شہر) حمص میں پہنچے عبیداللہ نے مجھ سے کہا کیا تجھے وحشی سے ملنے کی آرزو ہے تا کہ ہم اُس سے قتل حمزہ کا حال دریافت کریں میں نے کہا ہاں۔ وحشی حمص میں ہی رہتا تھا ہم نے وحشی کو دریافت کیا کسی نے ہمیں (اشارہ سے) بتایا وحشی وہ اپنے مکان کے سایہ میں بیٹھا ہے گویا وہ (بھری ہوئی) مشک ہے. جعفر کہتے ہیں کہ ہم اُس کے پاس آ کے ٹھیرے اور ہم نے سلام کیا اُس نے سلام کا جواب دیا جعفر کہتے ہیں عبداللہ اپنی پگڑی اس طرح لپیٹے ہوئے تھا کہ وحشی اُس کی آنکھوں اور پیروں کے سوا کچھ نہ دیکھ رہا تھا عبیداللہ نے کہا اے وحشی کیا تو مجھے پہچانتا ہے جعفر کہتے ہیں وحشی نے عبداللہ کی طرف دیکھ کر کہا نہیں صرف اتنا جانتا ہوں عدی بن الخیار نے ایک عورت سے جسے ام قتال دختر ابی العیص کہتے تھے نکاح کیا تھا وہ عورت مکہ میں عدی کا ایک بچہ جنی تھی میں اس کے واسطے دودھ پلانے والی تلاش کرتا تھا (اتفاقاً) میں اس بچہ کو اس کی ماں کے پاس لے گیا اور وہ بچہ اُسے دے دیا ویسے ہی تیرے قدموں کو دیکھ رہا ہوں (شاید تو وہی ہے) جعفر کہتے ہیں عبیداللہ نے اپنے منہ سے پردہ ہٹا دیا پھر کہا کیا تو ہم کو قتل حمزہ کی خبر نہیں بتائے گا اُس نے کہا ہاں (کیوں نہ بتاؤں گا قتل حمزہ کا قصہ یوں ہے کہ حمزہ نے بدر کے دن طعیمہ بن عدی بن الخیار کو مار ڈالا تھا. مجھ سے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا اگر تو میرے چچا کے عوض حمزہ کو مار ڈالے تو تو آزاد ہے وحشی نے کہا جب لوگ (کوہ) عینین کی لڑائی کے برس نکلے اور عینین احد کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے. احد کے اور اس کے درمیان ایک نالہ ہے اُس وقت میں بھی لڑنے والوں کے ساتھ نکلا جب لڑائی کی صفیں لوگ باندھ چکے سباع (بن عبدالعزیٰ) نے (صف سے) نکل کر کہا کیا کوئی لڑنے والا ہے وحشی کہتے ہیں حمزہ بن عبدالمطلب نے اُس کے مقابل نکل کر کہا اے سباع اے ام انمار کے بیٹے جو عورتوں کی ختنہ کرتی تھی. کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے وحشی نے کہا پھر حمزہ نے سباع پر حملہ کیا اور سباع کل گزشتہ کی

طرح (معدوم) ہوگیا وحشی نے کہا پھر میں قتل حمزہ کے واسطے ایک پتھر کی آڑ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا جب حمزہ میرے قریب آئے میں نے ان پر اپنا ہتھیار پھینک مارا اور ان کی زیر ناف بھالا ایسا رکھا ان کے دونوں سرین کے پار ہوگیا وحشی نے کہا یہی ان کا آخری وقت تھا سب قریش مکہ میں واپس آئے میں بھی ان کے ساتھ واپس آ کر مکہ میں مقیم ہوگیا جب (بعد فتح مکہ) مکہ میں بھی اسلام شائع ہوگیا تو میں طائف چلا گیا (جب) طائف والوں نے رسول اللہ کی طرف قاصد بھیجے اور مجھے سے کہا آنحضرت قاصدوں کو نہیں ستاتے تو میں بھی ان کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے جب مجھے دیکھا فرمایا کیا وحشی تو ہی ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا حمزہ کو تو نے ہی شہید کیا ہے۔ میں نے عرض کیا جو کچھ آپ سے لوگوں نے بیان کیا وہی (ماجرا ہے) یعنی میں نے اپنے آقا کے حکم سے مارا تھا) آپ نے فرمایا کیا تو مجھ سے اپنا منہ چھپا سکتا ہے. وحشی کہتے تھے میں (آپ کے پاس سے اُٹھ کر) باہر آ گیا) بعد وفات رسول اللہ جب سلیمہ کذاب نے خروج (یعنی دعوے نبوت) کیا میں نے سوچا میں بھی مسلمانوں کے پاس چلوں شاید مسلیمہ کو مار کر حمزہ کا بدلہ اتار دوں وحشی نے کہا میں (اُن) لوگوں کے ساتھ (جو ابوبکر نے بھیجے تھے) نکلا اور مسلیمہ کا حال جو تھا سو تھا (یعنی اس کے ساتھ جمعیت کثیر تھی) وحشی کہتے ہیں ایک دفعہ ہی میں نے دیکھا ایک مرد دیوار کی جھل میں کھڑا ہے گویا خاکستری رنگ کا اونٹ ہے اور پریشان سر ہے میں نے اُس کے اپنا بھالا مارا اور اس کی دونوں چھاتیوں کے بیچ میں رکھ کر اُسکے دونوں مونڈھوں کے آر پار کر دیا. پھر مسلیمہ کی طرف ایک انصار نے دوڑ کر اسکی کھوپری پر تلوار ماردی (بخاری کہتے ہیں) عبداللہ بن فضیل نے کہا مجھے سلیمان بن یسار نے خبر دی اُس نے عبداللہ بن عمر سے سنا وہ کہتے تھے (جب مسلیمہ مارا گیا) ایک لڑکی نے مکان کی چھت پر چڑھ کر بطور مرثیہ کہا وا امیر المومنین قتلہ العبد الاسود یعنے ہائے امیر المو منین کو ایک حبشی غلام نے مار دیا. حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں رسول اللہ نے اپنے چاروں طرف اشارہ کر کے فرمایا اللہ کا بڑا غصہ اس قوم پر ہے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ (یہ معاملہ) کیا ہو. اور نیز اُس قوم پر ہے جنہیں رسول اللہ نے (بغیر حد اور قصاص کے) راہ آللہ میں مارا ہو. ابن عباس فرماتے ہیں اللہ کا سخت غصہ اُس قوم پر ہو گا جنہیں نبی نے مارا ہو گا. راہ آللہ میں اور نیز اُس قوم پر جنہوں نے نبی

ﷺ کا چہرہ مبارک خون آلودہ کیا ہو. ابی حازم روایت کرتے ہیں انہوں نے سہل بن سعد سے ایسے حال میں سنا کہ کوئی سعد سے رسول اللہ کے زخم کا حال پوچھ رہا تھا. سہل بن سعد نے کہا خبردار ہو بخدا میں رسول اللہ کے زخم دھونے والے اور اس پر پانی ڈالنے والے کو اور جس چیز سے علاج کیا گیا جانتا ہوں حضرت فاطمہ دختر رسول اللہ ﷺ تو زخم کو دھو رہی تھیں اور حضرت علی سپر سے پانی ڈال رہے تھے. جب فاطمہ نے دیکھا پانی سے خون کم نہیں ہوتا. ایک بوریہ کا ٹکڑا جلا کر آپ کے زخم پر چپکا دیا تب خون بند ہو گیا اور ایک دانت آگے کا آپ کا شہید ہو گیا اور چہرہ مبارک آپ کا زخمی ہوا اور اور خود سر مبارک پر ٹوٹ گیا۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے آیت اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (جنگ احد والوں کی شان میں اُتری ہے) حضرت عائشہ نے عروہ سے کہا اے میرے بھانجے تیرا باپ زبیر اور ابوبکر بھی ان ہی (حکم قبول کرنے والوں میں) سے تھے. جب جنگ احد کے دن نبی ﷺ کو جو کچھ پہنچنا تھا اور مشرک واپس چلے گئے آپ نے ان کے دوبارہ آ جانے کے ڈر سے فرمایا کون ہے جو ان کفار کے پیچھے جائے ان میں سے ستر آدمیوں نے قبول کیا عروہ کہتے ہیں ان ہی میں سے ابوبکر اور زبیر تھے. عبدالرحمن بن کعب مالک روایت کرتے ہیں جابر بن عبداللہ نے انہیں خبر دی کہ رسول اللہ شہداء احد کے دو دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں یکجا کرتے تھے پھر پوچھتے ان میں قرآن کون زیادہ جانتا ہے جسے لوگ بتاتے آپ اسی کو لحد میں آگے کر دیتے اور فرماتے میں ان لوگوں پر قیامت کے دن گواہ ہوں گا اور انہیں خون سمیت دفن کرنے کا حکم فرمایا. نہ ان پر نماز پڑھی گئی اور نہ وہ نہلائے گئے اور ابو عبداللہ بخاری کہتے ہیں ابوالولید نے شعبہ سے اس نے ابن المنکدر سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا وہ کہتے تھے جب میرا باپ شہید ہوا میں نے رونا شروع کیا اور ان کے منہ سے کپڑے کو (بار بار) اُٹھاتا تھا نبی ﷺ کے اصحاب مجھے منع کرنے لگے (مگر) آپ نے کچھ منع نہ فرمایا پھر فرمایا اے (جابر) عبداللہ پر مت رو تو اُسے کیوں روتا ہے اُس پر فرشتے اُس کے اُٹھنے تک اپنے پروں کا سایہ کرتے رہے. ابی موسے سے روایت ہے (بخاری کہتے ہیں) میں گمان کرتا ہوں وہ نبی سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میں نے تلوار ہلائی تو اس کا سینہ چر گیا تعبیر اس

کی وہ مصیبت ہے جو بروز احد مسلمانوں کو پہنچی پھر (خواب میں) میں نے اُسے دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے بہتر ہو گئی اُس کی تعبیر فتح مکہ اور اجتماع مومنین ہے جو پیچھے نصیب ہوا اور فرمایا اُسی خواب میں میں نے گائیں کو (ذبح ہوتے) دیکھا اور (یہ بھی دیکھا) کہ اللہ بہتر ہے اس کی تعبیر مومن ہیں جو احد کے دن شہید ہوئے تھے. خباب کہتے ہیں ہم نے رسول اللہ کے ساتھ ایسے حال میں ہجرت کی کہ ہم اللہ کی محض مرضی کے خواستگار تھے اس واسطے اللہ پر (از راہ فضل و کرم ہمارا اجر لازم ہو گیا بعض ہم میں سے گزر گئے یا چلے گئے (شک راوی ہے) اور اپنے اجر سے کچھ نہ کھایا ان ہی میں مصعب بن عمیر ہیں جو احد کے دن شہید ہوئے اور سوائے ایک چادر کے کچھ نہ چھوڑا جب ہم اُس سے ان کے سر کو ڈھانکتے تھے تو ان کے پیر کھل جاتے تھے اور اگر پیر ڈھانکتے تھے تو سر باہر نکل جاتا تھا رسول اللہ نے فرمایا اس چادر سے سر مصعب کا ڈھانک دو اور اس کے پیروں پر اذخر گھانس کر دو یا ڈال دو اور بعض ہم میں سے وہ ہیں کہ ان کے پھل تیار ہو گئے اور وہ انہیں چنتے ہیں (یعنی فائدہ اٹھاتے ہیں) اس کے بعد سب سے زیادہ دلکش اور عبرت انگیز بیان جنگ احد کا شیعوں کی زبانی سنا چاہیے کہ وہ کیا فرماتے ہیں ہم ملا محمد باقر صاحب مجتہد و امام شیعہ کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب حیات القلوب جیسی نامور اور بیش بہا تصنیف میں احد کے متعلق کل اکابر شیعہ نے جو جو روایتیں کی ہیں خلاصہ کر دیا ہے ہم بلفظہ نقل کر دیتے ہیں اور پھر ملا صاحب اور اکابر شیعہ کی خیال آفرینیوں اور فسانہ انگیز روایتوں پر کچھ لکھیں گے ہمیں کل تاریخوں کے بیان پر رائے زنی کرنی ہے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ناظر کتاب کے سامنے آجائے. اب آپ ملاحظہ فرمایئے حیات القلوب جلد ۲ باب سی و دوم صفحہ ۳۳۵ سے آغاز ہوتا ہے.

علی بن ابراہیم بسند حسن از حضرت صادق روایت کردہ است کہ چوں کفار قریش از جنگ بدر بسوئے مکہ مراجعت نمودند با آنکہ ازا کابر ایشاہفتاد نفر اسیر شدہ بودند ابوسفیان گفت اے گروہ قریش مگذارید زنان خود را گریہ کنند بر کشتگان خود زیرا کہ آب دیدۂ آتش و اندوہ و حزن نائرہ عداوت وحسد محمد را فرو مے نشانند و محمد و اصحاب او بر ما شماتت خواہند کرد ایشان حتیٰ کر دند گریہ نکر دند و ماتم خود در اندا شتند تا جنگ احد واقع شد و بعد از اں خود را رخصت ماتم و نوحہ و گریہ دادند پس چوں سال دیگر شد ار

دۂ جنگ احد کردند و باہم سوگندان خود از قبیلہ کنانہ وغیرہ ایشاں جمعیت کردند و اسلحہ بسیار تہیہ کردند و از مکہ
باسہ ہزار سوار و دو ہزار پیادہ بیروں آمدند زنان را با خود آوردند کہ مصیبت بدر را بیاد مردم بیا
ورددند ایشاں را بر قتال تحریص کنند و ابوسفیان زن خود ہند دختر عتبہ را با خود برد و عمرہ دختر علقمہ حارثہ نیز
با ایشاں بیروں آمد و کلینی بسند صحیح از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از جملہ نعمتہائے کہ حق تعالے
بر رسولش منت گزاشتہ بود آن بود کہ میتوانست خواند و چیزے نے نوشت و چوں ابوسفیان متوجہ احد شد
عباس بحضرت نامہ نوشت و بسوے مدینہ فرستاد و آن نامہ وقتے بحضرت رسید کے در بعضے از باغہائے
مدینہ بود پس حضرت نامہ را خواند و مضمون آنرا با صحاب خود اظہار نفرمود و امر کرد ایشارا کہ داخل میدنہ
شدند مضمون نامہ را خبردار بر ایشاں گرشتیم بروایت علی بن ابراہیم پس حضرت اصحاب خود را جمع کرہ
وایشاں را خبر داد کہ حق تعالے مرا خبر دادہ کہ قریش جمعیت کردہ اند و ارادہ مدینہ دارندہ ترغیب نمود ایشاں
را بر جہاد پس عبداللہ بن ابی و جماعتے از صحابہ گفتند یا رسول اللہ از میدنہ بیروں مرو تا در کوچہائے میدنہ
با ایشان جنگ کینم و مردان ضعیف و زناں و غلاماں و کنیزاں ہمہ دہان کوچہا بگیرند و از مہا سنگ بر ایشان
بیداز ند و ہمہ اتفاق کنیم بر دفع ایشاں بیندازند بدرستیکہ ہرگز گروہے بر سر مدینہ نیامدند کہ بر ما ظفر یابند
ووقتے کہ ما در قلعہما و خانہاوے خود بودیم و از ہرگز از مدینہ برائے جنگ بیروں نرفتیم مگر دشمن بر ما غالب
شد و گویند کہ حضرت بایں راوے مائل بود پس سعد بن معاذ وغیرا و از قبیلہ اوس برخاستند و گفتند یا رسول
اللہ وقتے کہ ما مشرک بودیم و بت مے پرستیدیم کسے از عرب در ما طمع نکرد چگونہ الحال در ما طمع میکنند
وحال آنکہ مسلمانیم و تو درمیان مادی البتہ از مدینہ بیروں رویم و با ایشاں جنگ مے کنیم پس ہر کہ از
ما کشتہ شود شہید خواہد بود و ہر کہ نجات یابد ثواب جہاد خواہد داشت پس حضرت رسول سخن ایشاں را قبول
کردو بیروں رفت با گروہے از اصحاب خود کہ موضعے برائے جنگ تعیین نما چنانچہ حق تعالے فرمودہ
است۔ واذ غدوت من اھلک تبوء المومنین مقاعد للقتال واللہ سمیع علیم یعنی یاد کن اے محمد وقتے
را کہ بامداد و بیروں رفتی از اہل خود میساختی و مہیا میکردی برائے مومنان جاہائے ایستادن برائے کارزار و
خدا شنوا است گفتار شما را و دانا ست بہ نیتہائے شما از ھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ
فلیتوکل المومنین چوں قصد کردند دو گروہ از شما کہ بد دلی کنند و برگردند و خدا یار و نگہدار ایشاں بود و بر خدا

باید کہ توکل کنند مومناں وبراوایت علی بن ابراہیم حضرت فرمود کہ ایں آیا ددر جنگ احد نازل شدکہ قریش ان مکہ بقصد محاربہ آنحضرت بیروں آمدند وحضرت از مدینہ بیروں رفت کہ تعیین فرماید موضعے برائے قتال ادمراداز گروہ دو عبداللہ بن ابی ست وگروہے کہ متابعت او کردند ترک نصرت آنحضرت.
وشیخ طبرسے از امام باقر وامام جعفر صادق روایت کردہ است کہ مراد ازیں دو گروہ بنوسلمہ وبنوحارثہ اند کہ دو گروہ اند از انصار وبعضے گفتہ اند طائفہ از مہاجران وطائفہ از انصار بودند کہ بسبب برگشتن عبداللہ بن ابی بددل شدن وبرنگشتند برگشتم بروایت علی بن ابراہیم پس حضرت لشکر خود راز جانب راہ عراق تعیین فرمودہ وعبداللہ بن ابی وقوم او وجماعتے از خرج متابعت مائے اور کردند پس حضرت اصحاب خود را شمرد وایشاں ہفت صد نفر بودند پس عبداللہ بن جبیر را باپنجاہ نفر از تیر اندازان بردو درہ تعیین فرمود زیرا کہ میز سید کہ کمین ایشاں ازیں درہ درآیند پس حضرت عبداللہ بن جبیر واصحابش راوصیت فرمود کہ اگر بہ بینید مارا کہ کافراں را گریزاندہ ایم تا داخل مکہ گردیم ازجائے خود حرکت مکنید واگر بہ بینید آنہارا کہ مارا گریزاندند تا آنکہ مارا داخل مدینہ کردند از جائے خود زائل مشوید پس ابوسفیان لعین خالد بن ولید را با دویست سوار مقرر کرد کہ در کمین باشند وبایشاں گفت کہ چون بہ بینید کہ با مسلمان آمیختیم ازیں درہ داخل شوید دواز عقب مسلماناں اور آئید پس چوں مشرکاں در برابر مسلماناں صف کشیدند حضرت تعبیہ اصحاب خود نمود علم رابدست امیر المومنین داد وانصار ہمگی قصہ حملہ بر مشرکاں آوردند ومرشکاں باقبح وجوہ گریختند واصحاب حضرت متوجہ اموال ایشاں شدید و مشغول غارت گردیدند دست از جنگ برداشتند وچون خالد آمد کہ از درہ داخل شو عبداللہ بن جبیر واصحابش ایشاں را تیر باراں کردند وایشاں برگشتند وچوں اصحاب ابن جبیر دیدند کہ جا صحاب حضرت با غارت مشغول شدہ اند با عبداللہ گفتند ماچرا اینجا ایستادہ ایم اصحاب ما غنیمت ہمہ را براوند وما بے غنیمت خواہیم ماند عبداللہ گفت از خدا بترسید حضرت مارا سفارش کردہ است کہ از جائے خود حرکت نکنیم ہر چند ایشاں را نصیحت کرد سودے نہ بخشید ویک یک سے گریختند ومیر فتند تا آنکہ عبداللہ با دوازدہ نفر ماند وعلم قریش با طلحہ بن ابی طلحہ عبدی بود از بنی عبدالدار پس طلحہ ندا کرد کہ اے محمد شما گمان مے کنید کہ مارا شمیر ہاوے خود بسوئے جہنم میفرستید ومارا شمارشمیر ہائے خود بسوئے بہشت میفرستیم پس ہر کہ می خوہد بہ بہشت خود ملحق شود بیا بد تا من اور

اے بہشت فرستم چوں کے جرات نہ کرد کہ بجنگ اور برود حضرت امیر المومنین متوجہ او شد و رجزی خواند
کہ مضمونش اینست ای طلحہ اگر شما چنانید کہ مے گوئید شما اسپاں داریدو ما شمشیر ہا داریم پس بایست تا بہ بینیم
کہ کدام یک کشتہ خواہیم شد و کدام یک سزا اور ارتریم بگفتار خود بہ تحقیق کہ آمدہ است بسوئے تو شیر
حملہ کنندہ با شمشیر بندہ کہ دشمن کند نیشو و آللہ اور رسول یا ور ااو نید طلحہ گفت کیستی تو اے پسر گفت منم علی
بن ابی طالب طلحہ گفت دانستم ای قصم یعنی در ہم شکنندۂ دلیراں کہ بغیر تو کے جرات بر جنگ من نیکند
پس طلحق ضربتے حوالہ آنحضرت کرد و حضرت سپر را پیش داشت و حملہ اور ارد کرد و ضربتے بر او زد کہ ہر
دو ران ہائے اور جا قطع کرد و بر پشت افتاد چوں حضرت پیش رفت کہ سرش را جدا کند حضرت را بر حم قسم
داد و حضرت برگشت مسلمانان پرسیدند کہ چرا کار اور تمام نکردی فرمود کہ ضربتے کہ من بر او زدم بعد ازاں
زندگانی نمیتواند کرد پس علم را ابو سعید پسر ا ابو طلحہ بردشت و باز علی اور ا کشت و علم پر زمین افتاد پس عثمن
پسر ابو طلحہ علم را گرفت و باز امیر المومنین اور ا کشت و علم بر زمین افتا پس منافع پسر ابو طلحہ علم را برداشت و بہ
تیغ امیر المومنین با علم بر زمین افتاد پس حارث پسر ابو طلحہ علم را برداشت و بضربت شاہ ولایت بر خاک
مذلت افتاد پس عزیز بن عثمن علم را برداشت و بہ تیغ اسد اللہ روح پلیدش تباہ شدش تباہ شد پس علم را عبد
اللہ بن عز اللہ روح پلیدش تابہ شد پس علم را عبداللہ بن جمیلہ بلند کرد و بہ تیغ امیر المومنین متوجہ اسفل
السافلین شد پس علم را عبداللہ بن جمیلہ بلند کرد و بہ تیغ امیر المومنین متوجہ اسفل السافلین شد پس علم را د
یگرے از نبی عبد الدار برداشت و بضربت آنحضرت کشتہ شد بعد از و علم را ارطار بن شرجیل برداشت و
باز بشمشیر حضرت امیر متوجہ سعیر شد پس عبد الدار کہ صواب نام داشت برداشت و امیر المومنین ضربتے
زد دست راستش را انداخت پس آن معلون علم را بدست چپ گرفت حضرت دست چپش را انداخت
پس علم را بدستہائے بریدہ خود نگاہداشت و گفت ای نبی عبد الدار نچہ شرط یاری کردی پس امیر المومنین
ضربتے بر سرش زد کہ بجہنم واصل شد پس علم را عمرہ دختر علقمہ حارثیہ بلند کرد و خالد بن ولید ملعون متوجہ
درہ شد و چوں قلیلے از اصحاب ابن جبیر با او ماندہ بودند ایشاں را کشت و از عقب مسلماناں در آمد و شمشیر
بر ایشاں خوابانید و چوں قریش در کرشتین دیدند کہ ہم ایشاں ہنوز بر پاست بر گشتند و بر سر علم جمع شدند
و از دو طرف مسلماناں را در میان گرفتند و ایشاں را گریزانیدند و لشکر اسلام بہر سو گریختند و بکوہ ہا بالا ر

فتند وحضرت راتنہا گذاشتند چوں حضرت ہزیمت ایشاں رامشاہدہ نمود دسر خود رابرداشت وفرمایاد کرد کہ بسوئے من آ دید منم رسول اللہ از خادا ور رسول یکجا میگریزند علی جن ابراہیم روایت کردہ است کہ از حضرت صادق پرسیدند کہ چون امیر المومنین باطلحہ بن ابی طلحہ مبارزہ کرد چرا با قصم آنحضرت خطاب کرد حضرت صادق فرمود کہ چون رسول اللہ درمکہ بودکسی از ترس ابوطالب معترض آنحضرت نمیتوانست شد دیکن کودکان رااغواد تحریص برا ذیت آنحضرت می نمودند وچوں آنحضرت از خانہ بیروں ے آمد کودکان سنگ بجانب آنحضرت می انداختند وخاک وخاشاک برا دمیر یختند چون امیر المومنین براین حال مطلع شد گفت یار رسول اللہ ہرگاہ از خانہ بیروں میری مرا با خودبر کہ دفع اذیت کودکاں از تو بکنم پس ہرگاہ کہ حضرت رسول ﷺ بیروں میرفت امیر المومنین باآنحضرت میرفت وچوں کودکاں متوجہ آنحضرت یشدندروو بینی وگوش ایشاں رامجروح میکرد وکودکاں گریاں بسوئے پدراں خود برے کشتند قصمنا علی یعنی علی مارا مجرور کرد پس بایں سبب آنحضرت را قصم میگفتند واز ابو واثلہ روایت کردہ است کہ گفت روزے باعمر بن الخطاب براہے میرفتم آ گاہ اضطرابے در او یافتم وصدائے از سینہ او شنیدم مانند کسیکہ از ترس مدہوش شود گفتم چہ شدترا ای عمر گفت مگر نہ می بینی شیر بیشہ شجاعت را ومعدن کرم و فتوت را وَ کشندۂ چہ شدترا ای عمر گفت مگر نہ می بینی شیر بیشہ شجاعت را ومعدن کرم وفتوت را وَ کشندۂ طاغیان وباغیاں را وزنندہ بدو شمشیر وعلمدار صاحب تدبیر راچوں نظر کردم علی بن ابی طالب رادیدم گفتمے اے عمر ایں علی بن ابی طالب است گفت نزدیک من بیا تا شمہ از شجاعت و دلیری وبسالت او برائے تو بیان کنم.

ہداتکہ حضرت رسول در روز احد زما بیعت گرفت کہ نگریزیم وہر کہ از ما بریزد گمراہ باشد وہر کہ کشتہ شود شہید باشد وپیغمبر ضامن بہشت باشد برائے او چوں بجنگ ایستادیم ناگاہ دیدیم کہ صد نفر از شجاعان وصنادید قریش روبما آوردند کہ ہر یک صد نفر یا بیشتر از دلیراں خود داشتند پس مارا از جائے خود کندند وہم گریختیم درآنجا علی رادیدیم کہ مانند شیر ژیاں کہ بر گلہ موراں حملہ کندو از ایشاں پر وامیکرد وچوں مارا دید کہ میگریزیم گفت قبیح وپارہ پارہ وبریدہ وخاک آلودہ باد روہائے شما یکجا میگریزید بسوئے جہنم میشتا دبید چوں دید کہ ما بر نمیگردیم بر ما حملہ کرد وشمشیر پہنے در دست داشت کہ مگر از ان میچکید وگفت

بیعت کردید و بیعت را شکستید واللہ کہ شما سزاوار ترید بکشتہ شدن از آنہا کہ من میکشیم چوں بدیدہا ایش نظر کردیم مانند دو کاسہ روغن زیت کہ آتش دران افروختہ بواشند میدرخشید و مانند دو قدح برخون از شدت غضب سرخ شدہ بود من جزم کردم کہ ہمہ مارا بیک حملہ ہلاک خواہد کرد پس من از سائر گریختگان نزدیک او رفتم و گفتم اے ابوالحسن بخدا ترا سوگند میدہم کہ دست از برداری زیرا کہ عرب کارشاں اینست کہ گاہ میگریزند و گاہ حملہ میکنند تنگ گرشتین را برطرف میکنند گویا از روے من شرم کرد و دست از ما برداشت و بر کافراں حملہ کرد و تا ایں ساعت ترس او راز دل من بدر نرفتہ است و ہر گاہ کہ اورا می بینم چنیں ہراساں میشوم بر گشتیم براویت اول حضرت فرمود کہ دراں معرکہ با حضرت رسول کسے نماند مگر ابودجانہ کہ نام او سماک بن خرشہ بود و حضرت امیر المومنین و ہر گروہ از مشرکان کہ بر سیدند بر پیغمبر حملہ میکردند و امیر مومناں استقبال ایشان میکرد و بسیاری از ایشاں را میکشت و ایشاں را دفع میکرد تا آنکہ شمشیرش پارہ پارہ شد و از زنان نسیبہ دختر کعب ماینہ در خدمت حضرت ماندہ بود و نگر یختہ بود و حضرت اورا با خود بجنگ ہاے۔ بروکہ مجروحان امداد کند و بسرش دراں جنگ ہمراہ بود چون خواست بگریزد نسیبہ مادر او بر او حملہ کرد و گفت اے فرزند از خدا و رسول بکجا میگریزی و اورا برگردانید تا آنکہ مردے از مشکران برآں پسر حملہ کرد و اور شہید کرد پس نسیبہ شمشیر پسر خود را گرفت و برا ران کشندہ پسر خود زد و او را کشت حضرت اورا تحسین کرد و گفت آللہ برتو برکت دہداے نسیبہ و خود را در پیش روے حضرت باز داشتہ بود و دو سینہ و پشتاں خود اس پر کردہ بود آسیبے کہ آنحضرت نرسید تا آنکہ جراحت بسیار با درسید ابن قمیہ بر حضرت زد فریاد کرد کہ بلات و عزی سوگند کہ محمد را کشتم دراں حال نظرت حضرت بر نماروی از مہاجراں افتاد کہ میگریخت و سپر خود را بر پشت دوآویختہ بود حضرت اورا ندا کرد کہ اے صاحب سپر میندااز دیرو بسوے جہنم او سپرا انداخت حضرت نسیبہ گفت کہ سپرا بردار نسیبہ سپر برداشت و بامشکاں قتال میکرد و حضرت فرمود کہ نسیبہ دو فادے او امروز بہتر است از مقام ابوبکر و عمر و عثمن و چون شمشیر امیر المومنین پارہ پارہ شد بخدمت حضرت آمد و گفت یارسول اللہ مرد بسلاح خود جنگ میکند و شمشیر من شکست پس حضرت شمشیر خود ذوالفقار را با دو اود و گفت بایں شمشیر جنگ کن حضرت شمشیر را گرفت و ہر یک از اشرار کہ قصد نبی مختار میکروند حیدر کرار بشرارہ ذوالفقار آتش بار روح پلید اشقیاں

را بدرک اسفل نار میر سانید پس حضرت رسول بجانب کوہ احد میل فرمودہ پست بر کوہ داد کہ جنگ از یک ناحیہ باشد زیرا کہ بغیر از امیر المومنین کسے از صحابہ با خود نہ بود امیر المومنین در پیش روئے آنحضرت مقاتلہ میکرد تا آنکہ بر سر و رو و سینہ و شکم و دستہائے و پاہائے مبارکش نود جراحت رسید و چنان محاربہ کرد کہ ملکوت ان باذو راپشا مہو شدند و شنید ند مسلمانان کہ کسے از آسمان ندا میکرد۔ "لاسیف الا ذوالفقار ولا فتے الا علی" یعنی نیست شمشیرے بجز ذوالفقار و نیست جوانمردے بغیر از علی پس جبرئیل بر حضرت رسول نازل شد و گفت یا محمد بخدا سوگند کہ ہمادری و ہمایمی دیاری آنست کہ علی میکند حضرت فرمود کہ چونکند کہ من از ایم و او از من ست جبرئیل گفت من نیز از شماہم و در آن جنگ ہند دختر عتبہ درمیان لشکر مشرکان ایستادہ بود و ہر مرد از قریش کہ میگریخت میلے و سر مہ دانی باو میداد کہ تو زنے این آلت زناں بگیر و دیگرے دعوے مردی مکن۔ وشیر آللہ حمزہ بن عبد المطلب در جنگ بسیاری از مشرکان را بہ قتل رسانید و بہر طرف کہ حملہ میکرد از میگریختند و کسے در برابر او نمی ایستاد و ہند ملعونہ باوحشی کہ غلام حبشی بود از جبیر بن مطعم عہد کردہ بود کہ اگر محمد یا علی حمزہ را بکشی آنقدر خود اہم بخشید کہ راضی شوی وحشی گفت من بر کشتن در کمین حمزہ نشست در ہنگامیکہ حمزہ مشغول کارزار بود ناگاہ بر موضعے گذشت کہ سیلاب زیرش تہی کردہ بود اشپش فرو رفت و او بر زمین افتاد پس وحشی نیزہ در دست داشت بجانب سید الشہدا انداخت و بر تہی گاہ آنحضرت خورد و از شانہ اش بیروں آمد بروایت دیگر از حضرت صادق بر بالائے پستان او خورد پس نزدیک رفت و آنحضرت را شہید کرد و شکم مبارکش را شگافت و جگرش را بیروں آورد و برائے ہند ملعونہ برد۔ آن ملعونہ جگر عم خیر البشر را در دہاں پلید خود گذاشت کہ بخاید چوں حق تعالےٰ نمی خواست کہ آن عضو شریف جزو بدن آن ملعونہ گردد آں جگر را مانند استخواں سخت کرد کہ او نتوانست خائید و بر زمین انداخت وحق تعالےٰ ملکے را فرستاد کہ آنرا بجائے خود گردانید۔ فقط

(مجلسی صاحب کی کہانی ختم ہو گئی)

آپ نے ملا باقر مجلسی کی کہانی سن لی اس ساری کہانی کی تین باتیں قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ جس انصار کے دستہ پر حضرت علی کمان کر رہے تھے سب سے پہلے وہی دستہ بھاگا گو مجلسی صاحب نے بات بنانے کے لئے حضرت علی کی تنہا ذات سے صدہا بلکہ ہزار ہا کفار کو داخل جہنم کرا دیا۔ دوسری

بات فاروق اعظم کا خوف وہراس حضرت علی سے بیان ہوا ہے جسے اول تو غزوہ احد سے کچھ تعلق نہیں دوسرے صورت دیکھتے ہی خوف کے مارے کانپنے لگنا اور پھر شب وروز کا ساتھ اٹھنا بیٹھنا واقعی دونوں پر بُری بنتی ہوگی شاید ملا باقر صاحب کو رسن درگلو کا قصہ یاد نہیں رہا کہ کس کے گلے میں رسی ڈالی گئی تھی اور کون گھسیٹتا ہوا لایا گیا تھا ہم تو نہ اس کہانی کو صحیح سمجھتے ہیں اور نہ اُس کہانی کو مگر ملا باقر مجلسی اور ان کے ہم خیالوں نے رسن درگلو کی کہانی کو اپنا جزو ایمان بنا رکھا ہے اس لئے خود ان ہی کو فیصلہ کرنا چاہا کہ آیا فی الواقع حضرت فاروق اعظم حضرت علی سے ایسے ہی خائف ہوجاتے تھے جیسا انہوں نے لکھا ہے۔اس کے بعد ایک نسیبہ عورت اور اس کے لڑکے کا حال ہے جو اوّل سے اخیر تک لغو اور مہمل ہے کوئی عورت نسیبہ نامی حضور انور کے ساتھ غزوۂ احد میں نہیں تھی تاریخ رجال اور غزوات کا علم رکھنے والے اسے اچھی طرح جانتے ہیں کہ نسیبہ کی کہانی محض من گھڑت ہے۔ جسے واقعات سے مطلق تعلق نہیں ہے پھر ذوالفقار کی کہانی اور جبریل کا راگ گاتا ہے۔جس کا عقدہ ہم مقدمہ اول وسوم کتاب شہاد میں کھول چکے ہیں یہ اصل میں ابوجہل کی تلوار کا نام ہے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ کے ہاتھ آئی تھی وہ حضور انور ہی کے پاس رہی اور آپ نے کبھی حضرت علی کو نہیں دی رہا جبرئیل اور دوسرے فرشتوں کی کہانیاں وہ کتاب شہادت کے آغاز میں لکھ دی گئیں اس لئے مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے بات اصل یہ ہے کہ جب تک حضرت علی زندہ رہے جبرئیل بیچارے کو تو ایک دم بھی آسمان پر آرام نہیں ملا اور اس مظلوم فرشتہ کو دنیا بھر کے کام کرنے پڑے آٹا جبرئیل نے گوندھا، روٹی جبرئیل کو پکانی پڑی، چکی جبرئیل کو پیسنی پڑی، کپڑے جبرئیل کو سینے پڑے، کھانے کے خوان جبرئیل کو سر پر اُٹھانے پڑے سچی بات یہ ہے کہ جبرئیل کا اس معیبت سے چھٹکارا تو حضرت علی کے قتل ہونے پر ہوا وہ بیچارے عبد الرحمن ابن ملجم کو ہاتھ پھیلا پھیلا کے دعائیں دیتا ہوگا کہ محض اس کی چھری نے جبرئیل کی اس معیبت کو کاٹ دیا ورنہ اور زیادہ عرصہ تک ان سے پاپڑ بیلنے پڑتے۔اب دوسرا پہلو لیجئے اگر حیات القلوب کے مصنف کی ساری کہانیاں صحیح بھی تسلیم کرلی جائیں پھر بھی غزوہ احد میں حضرت علی کا ایسا کارنمایاں ثابت نہیں ہوتا جس سے یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ اگر حضرت علی نہ ہوتے تو غزوہ احد میں فلاں خرابی پیدا ہوجاتی۔اور بھی زیادہ مضحکہ خیز بات مرثیہ گو مجلسی صاحب نے یہ گھڑی کہ کفار نے حضرت علی

کو پکارا کہ کیا محمد زندہ ہیں یا قتل ہو گئے اور حضور انور ﷺ نے حضرت علی سے جواب دلوایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس جھوٹ کا کچھ ٹھکانا ہے؟۔ مسلمانوں یا کافروں کے دلوں میں حضرت علی کی صرف اتنی وجاہت تھی کہ وہ مثل عثمان کے رسول اللہ کے داماد تھے اور بس باقی مہمات کبیرہ اور اہم معاملات میں نہ کبھی حضرت علی سے مشورہ لیا گیا اور نہ انہیں اس قابل سمجھا گیا یہاں تک کہ ہجرت کرنے کا ذکر بھی تو رسول اللہ نے علی سے نہیں کیا یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ سب سے بڑے مشیر اور کارکن ابوبکر و عمر تھے یہاں تک یہ بات مسلم تھی کہ قریش بھی اس سے اچھی طرح واقف تھے اور احد کی گھاٹی میں ان ہی کو پکارا گیا تھا اور ابوسفیان کی ان ہی سے ردو کد اور رسول اللہ کے فرمان کے مطابق جواب و سوال ہوئے تھے. کتاب شہادت کے تیسرے مقدمہ میں جو خاص حضرت علی کے مفروضہ اوصاف میں لکھا گیا ہے یہ کل باتیں بہ وضاحت آ گئی ہیں. جتنی لڑائیوں میں آپ شریک ہوئے اور جو کچھ کارنمایاں کئے سب کا ذکر ہو موجود ہے اس لئے ان کا حضرت علی کی اس سوانح عمری میں اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہے مگر غزوہ خیبر کا وضاحت سے تذکرہ کرنا ہم بہت ضروری جانتے ہیں. کیونکہ ہمارے دوست حضرات شیعہ نے اپنی حسب عادت خیبر کی بہت سے کہانیاں بنائی ہیں اور عام طور پر یہ مشہور کر رکھا ہے کہ فاتح خیبر حضرت علی ہیں حالانکہ واقعات کو گہری نظر سے دیکھنے کے بعد یہ کہانی ہی کہانی ہے. خیبر چند گڑھیوں کا نام تھا مگر ہر گڑھی علیحدہ علیحدہ نام سے پکاری جاتی تھی. کئی دن تک مسلسل حملوں کے بعد گڑھی پر گڑھی فتح ہوتی چلی گئی اخیر ایک گڑھی رہ گئی جس کا کچومر صدیق اکبر اور عمر فاروق کے حملوں نے نکال دیا تھا. جب وہ بالکل ادموئے ہو گئے اور حضور انور کو بھی یہ علم ہو گیا کہ اب آسانی سے اہل قلعہ اطعات قبول کرلیں گے تو آپ نے محض دلدہی کے لئے حضرت علی کو بھیج دیا. کیونکہ ایسے موقعوں پر حضرت علی کو خواہ مخواہ ایک وجہ شکایت پیدا ہو جاتی تھی کہ مجھے کچھ بھی نہ سمجھا گیا اور کسمپرسی کی حالت میں ڈال رکھا ہے حضور انور کو یہ بہت بڑا اندیشہ تھا کہ کہیں علی کی دل آزاری فاطمہ کی تکلیف دہی کا باعث نہ بن جائے اس لئے بعض اوقات ایسی باتیں کر کے حضرت علی کو خوش کر دیا کرتے تھے اسی قصہ میں دروازہ اکھیڑنے کی حکایت ہے مگر وہ بھی گھڑی ہوئی کہانی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے بعض خوش اعتقاد تو کہتے ہیں کہ دروازہ اکھیڑا گیا تھا. بعض کہتے ہیں پہلے سے وہیں پڑا

CamScanner

ہوا تھا بعض کہتے ہیں کہ سات آٹھ آدمی مشکل سے اٹھا سکتے تھے بعض کہتے ہیں پورے چالیس آدمیوں نے بھی دروازہ اپنی جگہ سے نہ ہل سکا تھا اسی طرح مرحب یہودی کا قصہ ہے اس میں بھی اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اسے حضرت علی نے قتل کیا کوئی کہتا ہے ابوسلمہ نے قتل کیا بعض جلیل القدر مورخوں نے بھی ان کہانیوں کو نقل کرنے میں بہت ہی بے پروائی اور بے احتیاطی سے کام لیا ہے اس گڑھی پر جو قموص کے نام سے مشہور تھی اور جس کا فاتح حضرت علی کو بیان کیا جاتا ہے لڑائی ہی نہیں ہوئی صاف ظاہر کہ جب دو روز تک ابوبکر و عمر کے دستوں سے لڑ لڑ کے قموص والے جھوجرے ہو گئے تو انہوں نے ضرور یہ خواہش کی ہوگی کہ حضور کا کوئی قریبی رشتہ دار آ جائے تو ہم شرطیں کر کے اپنے کو اس کے حوالہ کر دیں جیسا کہ یہود حضور انور سے مباہلہ کرنے کے لئے آئیں اور طرفین نے اپنے بال بچوں کو سوا کسی کو شریک مباہلہ نہیں کیا اسی طرح قموص کے یہودیوں نے بھی اپنی حسب عادت یہی خیال کیا ہو کہ محمد (رسول ﷺ) کے کسی رشتہ دار کے حوالہ ہو جانا زیادہ بہتر ہوگا اور اسی نظر سے انہوں نے یہ خواہش کی ہو کہ علی کو بھیجا جائے اور رسول اللہ نے علی کو بھیج دیا۔ گو اسکا تذکرہ تاریخوں میں تو نہیں ملا مگر زبردست قراین اس کے موجود ہیں کہ ایسا ضرور ہوا ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت علی میں تنہا لڑنے کی قابلیت بیشک تھی مگر سپاہ کو ساتھ لیکے بغیر مددگار کے حملہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ آج تک انہوں نے کوئی مہم سر نہیں کی اور فنون افسری کی ناقابلیت کی وجہ سے جب کبھی موقع ہوا زک پر زک اٹھایا کئے۔ بہر حال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ چند مشہور تاریخوں میں سے غزوہ خیبر کے متعلق واقعات کا انتخاب کر دیں جن سے کچھ نہ کچھ اچھی بری رائے انسان قائم کر سکے۔ سب سے پہلے آپ تاریخ ابن اثیر جلد ہفتم صفحہ ۹۱ سے ۹۰ تک ملاحظہ کریں صفحات کا انتخاب درج ذیل کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ کی چڑھائی خیبر پر اور غطفان کا سامنے آنا اور عامر کا جدا اور قتل اور رسول اللہ کی دعاء:۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس آئے تو مدینہ میں ذی الحجۃ میں محرم کے کچھ دنوں تک رہے اور پھر چودہ سو آدمیوں سے جن میں دو سو سوار بھی تھے خیبر کو روانہ ہوئے خیبر کو کوچ محرم سے ۷ ہجری میں ہوا ہے اور مدینہ پر آپ اس وقت سباع بن عرفطۃ الغفاری کو خلیفہ کر گئے تھے۔ غرض آپ مدینہ سے روانہ ہو کر اپنے لشکر سمیت رجیع میں جا کر قیام

پذیر ہوئے۔ تاکہ خیبر والوں کے اور غطفان کے درمیان میں حائل ہو جائیں۔ اور ایک کو دوسرے فریق کی مدد نہ کرنے دیں کیونکہ غطفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف اہل خیبر کی مدد پر تھے۔ چنانچہ غطفان نے قصد کیا کہ یہود کی جا کر مدد کریں مگر انہیں یہ خوف ہوا کہ وہ اگر اُدھر چلے گئے تو کہیں مسلمان ان کے گھروں پر نہ جا پڑیں اور ان کی عورتوں اور مال و اسباب کو نہ لوٹ لے جائیں اس واسطے وہ لوٹ گئے اور یہود کے پاس نہ گئے لیکن یہود کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور راستہ میں عامر بن الاکوع سے جو سلمہ بن عمر و بن الاکوع کا چچا تھا فرمایا کہ ہمارے اونٹوں کے سامنے ان کے تیز چلنے کے لئے کچھ اشعار پڑھ اس لئے وہ اونٹ پر سے اتر پڑا اور یہ گانے لگا۔

"واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا"

واللہ اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم کو ہدایت کا راستہ نہ ملتا اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔

"فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا"

اے اللہ جس وقت ہمارا دشمنوں سے مقابلہ ہو تو اس وقت جس پر سکینہ اتار (اور ہمیں اوسان دے) اور ان کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمک اللہ حضرت عمر نے یہ کلمہ آپ کی زبان سے سنتے ہی از راہ افسوس عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اس سے فائدہ نہ اٹھا دیں اس کی وجہ یہ تھی کہ جب رسول اللہ کسی شخص کے حق میں رحمک اللہ فرماتے تو وہ قتل ہو جایا کرتا تھا۔ حضرت عمر کو اس سے یقین ہو گیا کہ وہ اب مارا جائے گا۔ اس سے انہیں افسوس ہوا۔ اور چاہا کہ وہ جیتا رہتا تو ہم اس سے فائدہ اٹھاتے۔ غرض جب خیبر پر جا کر اترے تو عامر میدان جنگ میں نکلا اور مبارز طلب کیا وہاں لڑنے میں اس کی تلوار الٹ پڑی اور خود اپنی تلوار سے اس کے ایک زخم لگ گیا جو ایسا سخت زخم تھا کہ وہ اس سے جانبر نہ ہو سکا اس سے لوگ کہتے ہیں کہ اس نے خودکشی کر لی اس پر اس کے بھائی کے بیٹے سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ لوگ ایسا کہتا ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا خیال غلط ہے (بلکہ وہ شہید ہوا) اسے دو چند ثواب ملے گا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سامنے پہنچے تو آپ نے اصحاب سے فرمایا ذرا ٹھیرو پھر یہ دعا مانگی۔

اللھم رب السموات وما اظللن ورب الارضین وما اقللن ورب الشیاطین و ما اضللن ورب الریاح وما اذرین نسالک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا ونعوذبک من شرھا وشر اھلھا وشرما فیھا اقدموا باسم اللہ. (اے اللہ پروردگار آسمانوں کے اور ان چیزوں کے جن پر پردہ سایہ ڈالے ہوئے ہیں اور پروردگار زمینوں کے اور ان چیزوں کے جن کو وہ اُٹھائے ہوئے ہیں اور پروردگار شیاطین لئے پھرتی ہیں ہم تجھ سے چاہتے ہیں کہ اس قریہ میں اور یہاں کے رہنے والوں میں جو بھلائی ہے وہ ہمیں دے اور اس قریہ کے اور اس قریہ کے رہنے والوں کے اور جو چیز اس میں ہیں ان کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ. اے مسلمانو بسم اللہ آگے بڑھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی قریہ پر جاتے تو آپ اس طرح دعا مانگا کرتے تھے.

حصن ناعم اور حصن قموص کی فتح اور صیفہ اور گدھوں کے گوشت کی حرمت

حرمت:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پر جب پہنچے تھے تو رات تھی کسی کو آپ کا جانا وہاں پر معلوم نہ ہوا لیکن جب وہ صبح کے وقت کاروبار کے لئے اپنے بیلچے لے کر نکلے. اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو فوراً لوٹ پڑے. اور بولے محمد محمد اور خمیس یعنی لشکر اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. اللہ اکبر خیبر اجڑ جائے جب ہم کسی قوم کے گرد اترتے ہیں تو ان لوگوں کی صبح جو ہم سے ڈریں (اور اطاعت نہ کریں) بہت ہی بُری معلوم ہوتی ہے یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے پھر ان پر محاصرہ ڈالا اور خوب تنگ پکڑا. اور ان کے مال و اسباب جس قدر پائے تھوڑے تھوڑے لینا شروع کردئے اور قلعہ پر قلعے فتح کرنے لگے. چنانچہ پہلا حصن جو آپ نے فتح کیا اس کا نام حصن ناعم تھا. اسی مقام پر محمود بن سلمہ مارا گیا اس پر ایک چکی گر گئی اس سے وہ مر گیا.

پھر دوسرا قلعہ قموص نام بھی لے لیا. جو بنی ابی الحقیق کا حصن تھا. یہاں آپ کو سبایا بھی بہت ہاتھ آئے. ان ہی میں ایک لڑکی بھی صفیہ حیی بن اخطب بھی تھی اور کنانہ بن الرابیع بن ابی الحقیق کے نکاح میں تھی، اسے رسول اللہ نے اپنے واسطے پسند فرمایا اور مسلمانوں کے پاس سبایا بہت کثرت سے ہو گئے.

زبیر بن باطا کو ثابت کا رسول اللہ سے چھڑانا مگر اس کی درخواست پر اس

کا قتل کیا جانا:۔ بعاث کی لڑائی زمانہ جاہلیت میں ہوئی تھی......اس وقت زبیر بن باطا قرظی نے ثابت بن قیس بن شماس پر بڑا احسان کیا تھا.اور اسے قید سے چھوڑ دیا تھا اس وقت زبیر پکڑ آیا تو ثابت اس کے پاس آیا اور اس سے کہا تو مجھے جانتا ہے زبیر نے کہا تجھ سے آدمی کو مجھ سا آدمی نہیں بھول سکتا ہے ثابت نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو نے مجھ پر احسان کیا ہے میں اس کا تجھ سے بدلہ کر دوں.زبیر نے کہا کریم کریم کے ساتھ ایسے ہی کیا کرتے اور جزا دیا کرتے ہیں.

اس لئے ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ زبیر نے مجھ پر ایک مرتبہ بڑا احسان کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ اس کے ساتھ کردوں آپ اُسے مجھے دے دیجئے. رسول اللہ نے اُسے ثابت کو دے دیا کہ چاہے تو اُسے چھوڑ دے پھر ثابت زبیر کے پاس آیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا خون معاف کردیا اور اب تو قتل نہیں کیا جائے گا زبیر نے کہا میں ایک بوڑھا شخص ہوں.میں جورو بچوں بغیر کیسے رہ سکتا ہوں ثابت پھر رسول اللہ کے پاس گیا. اور آپ سے اس سکے جورو بچوں کو بھی چھوڑ دینے کی اجازت حاصل کرلیا پھر زبیر نے کہا حجاز میں رہنا اور مال و اسباب وغیرہ نہ ہونا کس طرح گزر ہوگی اس لئے ثابت نے رسول اللہ سے اس کا مال بھی طلب کیا آپ نے وہ بھی اسے دے دیا اور کل مال عطا فرما دیا. پھر زبیر نے کہا کعب بن اسد کہاں ہے. جس کا چہرہ انور ہمارے حیی کے کنواری لڑکیوں کے لئے آئینہ مصقل کی طرح تھا. ثابت نے کہا وہ تو مارا گیا پھر پوچھا سید الحضر بالبادی حیی بن اخطب کیا ہوا کہا وہ بھی مارا گیا پھر پوچھا غزال بن سموال کہاں ہے جو ہمارے حملوں کے وقت آگے چلتا اور ہماری شکستوں کے وقت ہماری حمایت کرتا تھا. کہا وہ مارا گیا.پھر پوچھا بنی کعب بن قریظہ و بنی عمرو بن قریظہ کہاں گئے. کہا وہ بھی اسی راستہ چلے گئے . تو زبیر نے کہا کہ اے ثابت میں اس احسان کے بدلے جو میں نے تیرے ساتھ کیا تھا یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی انہیں کے پاس پہنچا دے. ان کے مرنے کے بعد کچھ لطف زندگی مجھے نظر نہیں آتا.اس لئے ثابت نے اسے قتل کردیا.

حصن صعب و حسن و طیح و سلالم کی فتح اور محمد بن سلمہ کا مرحب کو اور زبیر کا یاسر کو قتل کرنا:۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصن صعب کو بھی لے لیا.اس قلعہ

CamScanner

میں طعام اور گوشت چربی بہت تھی پھر آپ نے ان کے حصن وطیح اور سلالم پر توجہ کی یہ سلالم حصن سب سے اخیر فتح ہوا ہے۔ اوس حصن سے مرحب یہودی نکلا اور کہا۔

"قد علمت خیبرا الی مرحب شاکی السلاح بطل لجرب"

خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں اور ہتھیاروں سے خوب آراستہ دلاور (کہ میدان میں نکلتے ہی لڑائی میٹ دیتا ہوں) اور آزمودہ کار ہوں۔

"اطعن احیانا وحینا اضرب اذا اللیوث اقبلت تلغهب"

جس وقت شیر (دل اور بہادر لوگ میدان میں) آتے ہیں اور آتش جنگ مشتعل ہوتی ہے تو اس وقت کبھی تو میں بھالے مارتا ہوں اور کبھی تلواریں مارتا ہوں۔ "ان حمای لحمی لا یقرب"۔

میری حمی ایسی حمے ہے کہ جس کے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا اور میدان میں نکل کر مبازر کی درخواست کی اس کے مقابلے کے لئے محمد بن مسلمہ نکلا اور کہا کہ میں موتور اور ثائر ہوں۔ (یعنی میرا آدمی مارا گیا۔ ہے اور میں اس کا انتقام لینا چاہتا ہوں) کل میرے بھائی کو انہوں نے مار ڈالا تھا اس واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مبازرت قبول فرمائی اور اس کے حق میں دعا کی اے اللہ تو دشمن کے مقابلہ میں اس کی مدد کر و پھر محمد بن مسلمہ گیا۔ اور بہت دیر تک دونوں دلاور میدان میں لڑتے رہے پھر مرحب نے محمد بن سلمہ پر حملہ کر کے ایک وار تلوار کا کیا جسے محمد بن مسلمہ نے اپنی ڈھال پر لیا۔ اور تلوار ڈہال کاٹ کے اُس میں اٹک گئی۔ اس پر محمد بن مسلمہ کو موقع مل گیا۔ اور اس نے ایک تلوار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر اس کے بعد اس کا بھائی یاسر نکلا اور کہا۔ "قد علمت خیبر انی یاسر شاکی السلاح بطل مغاور"

خیبر والوں کو معلوم ہے کہ میں یاسر ہوں۔ اور پورے ہتھیاروں سے آراستہ دلاور اور حملہ کرنے والا ہوں۔ اور مبازر کو میدان میں طلب کیا۔ اس کے مقابلے کے واسطے زبیر بن العوام نکلا اور جا کر زبیر نے اسے قتل کر دیا۔

حصن قموص کا ایک روایت کا بموجب حضرت علی کے ہاتھ سے فتح ہونا۔

مگر اور لوگ کہتے ہیں کہ جس نے مرحب کو مارا اور یہ حصن فتح کیا وہ علی بن ابی طالب تھے۔ اور یہی روایت زیادہ مشہور اور صحیح ہے۔ (ابن ایثر نے اس حصن کا نام جسے حضرت علی نے فتح کیا نہیں بیان کیا

ہے۔ مگر دوسری کتابوں میں اس کا نام قموص بیان کیا گیا ہے) بریدۃ الاسلمی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے کبھی کبھی درد شقیقہ ہوا کرتا تھا اور ایک دو روز رہا کرتا تھا کہ جس سے آپ مکان سے باہر تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ جب آپ خیبر آئے ہیں تو اس وقت آپ کے یہی آدھا سیسی کا درد ہونے لگا اور آپ مکان سے باہر تشریف لائے اس لئے حضرت ابوبکر نے نبی صلعم کا رایت لیا اور اٹھے اور میدان جنگ میں جا کر اس سے بھی شدت سے لڑائی پھر لوٹ آئے پھر حضرت عمر نے رایت لیا اور آپ جا کر اس سے بھی شدت سے لڑے کہ جس قدر پہلے ایک مرتبہ پہلے آپ لڑ چکے تھے پھر آپ لوٹ آئے اور رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر دی گئی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کل یہ روایت ایسے شخص کو دوں گا کہ جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں، اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے (یہ تعریف دل دہی اور یاد دہانی کے لئے تھی اور جتنے صحابہ تھے ان سب میں یہ صفت موجود تھی) وہ اس قلعہ کو زبردستی فتح کرے گا اس وقت حضرت علی وہاں نہ تھے بلکہ مدینہ میں آشوب چشم کی وجہ سے رہ گئے تھے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو قریش اس کا انتظار کرنے لگے۔ کہ کل دیکھئے رایت کسے ملتا ہے جب صبح ہوئی تو حضرت علی ایک اونٹ پر سوار آئے اور رسول اللہ کی خبا کے پاس ہی آ کر اونٹ کو بٹھایا ابھی تک آشوب چشم دور نہیں ہوا تھا اپنی آنکھوں سے بند ہی تھی، رسول اللہ نے پوچھا کیا حال ہے عرض کیا کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد مجھے آشوب چشم ہو گیا ہے آپ نے فرمایا میرے پاس آؤ اور آنکھوں پر لب لگا دیا کہتے ہیں کہ پھر کبھی حضرت علی کی آنکھوں میں آشوب چشم کی بیماری نہ ہوئی۔ پھر رسول اللہ نے انہیں رایت دیا اور وہ اسے لے کر اٹھے اور سرخ لباس پہنے ہوئے خیبر کی طرف گئے وہاں سے انہیں ایک یہودی نے دیکھا کہا تیرا کیا نام ہے کہا میرا نام علی بن ابی طالب ہے۔ یہودی نے آواز بلند کہا اے قوم یہود آج تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ پھر مرحب جو اس حصن کا حکم تھا نکلا۔ اس کے سر پر ایک مغفر یمانی تھا جسے اس نے اپنے سر پر بیضہ کی طرح رکھا تھا اور چہرہ کو اس سے ڈھا کے ہوئے تھا۔ اور کہتا تھا "قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب"

حضرت علی نے اس کے جواب میں کہا۔

"انا الذی سمتنی امی حیدرۃ کلیث غابات کریہ المنظر لا"

میں وہ شخص ہوں کہ جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے اور میں بنوں کے شیروں کی طرح مہیب صورت ہوں لوگ دیکھ کر ڈر جاتے ہیں۔"اکیلھم بالسیف کیل السندرہ" اور دشمنوں کو میں تلوار سے سندرہ کی کیل دیا کرتا ہوں۔ (سندرہ ایک درخت ہے، جس سے تیر اور کمان بناتے ہیں یعنی اور لوگ دور سے تیر مارتے ہیں میں پاس جا کر تلوار سے وہی کام لیتا ہوں۔ان دونوں دلاوروں میں دو،دو،وار ہوئے مگر حضرت علی پھرتی کر کے جو ایک تلوار ماری تو ڈھال اور زعفر اور سر کاٹ کر زمین پر پھینک دیا اور اس شہر کو فتح کر لیا ابو رافع جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مولی تھا کہتا ہے۔کہ جب رسول اللہ نے حضرت علی کو خیبر کی طرف بھیجا تو اس وقت ہم بھی ان کے ساتھ تھے جب حصن کے قریب پہنچے تو وہاں کے لوگ باہر نکلے۔اور دونوں فریق میں لڑائی ہوئی ایک یہودی نے حضرت علی کے ایک تلوار ماری کہ جس سے حضرت علی کے ہاتھ سے ڈہال گر گئی اس واسطے حضرت علی نے ایک دروازہ (کا کواڑ) اپنے ہاتھ میں اُٹھا لیا جو یہاں کہیں حصن کے قریب پڑا تھا اور اسے اپنی ڈہال بنا لیا اور اسی کو ہاتھ میں لئے اس وقت تک لڑتے رہے کہ یہ لڑائی تمام نہیں ہوئی اور اللہ تعالے نے ان کے ہاتھ سے یہ قلعہ فتح کرادیا۔ جب قلعہ فتح ہو گیا تو انہوں نے اسے پھینک دیا اُس وقت میں نے دیکھا کہ سات آدمی تھے اور میں آٹھواں تھا ہم نے ہر چند کوشش کی کہ اسے پلٹ دیں مگر یہ دروازہ ایسا بھاری تھا کہ ہم اسے پلٹ بھی نہ سکے جسے حضرت علی نے اٹھا کر اپنی ڈھال بنایا تھا(لیکن یہ کوئی کرامت کی بات نہیں ہے. کیونکہ اسی بیان میں یہ بھی موجود ہے کہ ایک یہودی کے وار سے حضرت علی کی ڈھال گر گئی تھی. جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہودی آپ سے بھی توی تھا) یہ خیبر کی فتح صفر کے مہینے میں ہوئی ہے

اہل خیبر کی اطاعت اور نصف پیداوار پر ان سے اور اہل فدک پر معا:۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دونوں قلعوں وطیح اور سلالم پر محاصرہ ڈالا۔جب ان قلعہ والوں کو یقین ہو گیا کہ اب ہلاک ہو جائیں گے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ انہیں وہاں سے نکال دیں اور جان کی امن دیں۔رسول اللہ نے اسے منظور کر لیا اور جو کچھ مال واسباب شق اور نطاۃ اور کتیبہ حصوں میں تھا اور جتنے حصن تھے وہ سب لے لئے.

جب اہل فدک نے خیبر کا یہ حال سنا تو انہوں نے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجے کہ مسلمان انہیں بھی اس ملک سے نکال دیں اور جس قدر ان کا مال واسباب ہے لے لیں۔ رسول اللہ نے اسے بھی منظور کر لیا۔ آپ نے غزوہ خیبر کے واقعات اچھی طرح پڑھ لئے خوب غور سے بے رو رعایت اس معاملہ کا تصفیہ کیجئے کہ اس غزوہ میں حضرت علی سے کیا کارنمایاں ہوئے اور انہوں نے خیبر کی کس گڑہی پر جنگ کی اور حضور انور رسول اللہ کو اس غزوہ میں آپ کی ذات سے کیا مدد ملی قریب قریب کل تاریخوں میں یکساں کم وبیش واقعات درج ہوئے ہیں اسی لئے ہم نے تاریخ طبری وغیرہ کی عبارتیں تاریخ ابن اثیر کے بعد نقل کرنی ضروری نہیں جانیں کیونکہ جو کچھ خیبر کے متعلق نقل ہوا ہے وہی اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہمیں تو سوائے یکہ وتنہا لڑنے کے حضرت علی کا کوئی کارنمایاں کسی صحیح نوشتہ سے نہیں ثابت ہوتا نہ حضور انور نے کبھی کسی معاملہ میں آپ سے مشورہ لیا اور نہ کسی بڑی مہم میں آپ کو بھیجا جس کی نظیر خیبر کا غزوہ موجود ہے کہ آپ اس وقت جبکہ خیبر کی گڑہیوں پر الزم جنگ وجدال گرم ہو رہا ہے اور دیگر صحابہ گڑہی پر گڑہی فتح کر رہے ہیں حضرت علی آشوب چشم سے اپنی قیام گاہ پڑے ہوئے کروٹیں بدل رہے ہیں جب حضور انور نے دیکھا کہ معاملہ خیبر سارا ختم ہو چکا ہے تو آپ نے حضرت علی کی بابت استفسار فرمایا آپ کو آشوب چشم کی خبر دی گئی۔ اس پر بھی دربار رسول اللہ میں حضرت علی کو حاضر ہونے کا حکم ملا دریافت فرمایا علی تم کیسے ہو۔ عرض کیا آشوب چشم میں مبتلا ہوں۔ آپ نے اپنا لب علی کی آنکھوں سے ملایا آنکھیں اچھی ہو گئیں مختلف تاریخوں میں حضور انور رسول خدا کا یہ معجزہ بیان ہوا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس معجزہ کے اظہار کے لئے حضور انور کو ضرورت ہی کیا تھی اگر حضرت علی کی آنکھیں اچھی کرنی تھیں تو کئی روز تک انہیں تکلیف میں رکھ کے بیکار کیوں پڑا رہنے دیا پہلے ہی سے کیوں نہ اچھا کر دیا کہ وہ غزوۂ خیبر میں کچھ مدد دیتے۔ ہمارا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ ہم معجزہ کی معاذ اللہ تکذیب کریں حضور انور رسول اللہ کے لب مبارک میں تو اس سے بھی زیادہ تاثیر تسلیم کرتے ہیں مگر ہر امر کے اظہار کا ایک محل اور موقع ہوتا ہے۔ یہاں ایسے معجزہ کے اظہار کا ہمیں تو کوئی مناسب موقع نہیں معلوم ہوتا اس کے علاوہ وہ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ معتقدین حضرت علی خاص حضرت علی کی ذات میں دنیا کے کل معجزوں کا خزانہ تسلیم کرتے ہیں جس کا ثبوت ان کہانیوں سے

CamScanner

پورا ہوتا ہے جو آغاز کتاب شہادت میں نمبروار طبع ہوئی ہیں. بایں ہمہ آشوب چشم میں کسی قسم کے معجزہ سے کام نہیں لیا گیا نہ جبرئیل نے کوئی دوائی تجویز کی جب کہ وہ ایک فرضی تلوار کی تعریف میں جس کی حضرت علی نے صورت بھی نہ دیکھی تھی آسمان سے کود آئے تھے اور اب جبکہ حضرت علی آشوب چشم کی تکلیف سے تڑپ رہے ہیں جبرئیل کی سرد مہری کی انتہاء ہوگئی کہ وہ خالی مزاج پرسی کے لئے بھی آسمان سے اترنے کی تکلیف نہ برداشت کر سکے." انا للہ و انا الیہ راجعون". اب گڑھی کے دروازہ کی کیفیت بھی گوشگزار کیجئے. ہمارے شیعوں کے سب سے بڑے مجتہد اور سب سے بڑے قبلہ و کعبہ صاحب حیات القلوب تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ تیس چالیس آدمی بھی اس دروازہ کو جنبش نہیں دے سکتے تھے اگر مجلسی صاحب بہادر کی اس بلند پروازی کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس دروازہ کا وزن اتنا ہو وہ کم سے کم چار گز چوڑا اور چھ گز لمبا ضرور ہونا چاہئے یہ بات مسلم ہے کہ حضرت علی پستہ قد تھے. آپ کے ہاتھ پیر بہت مختصر سے تھے صرف پیٹ زیادہ بڑا تھا جو عموماً جسمانی ورزش نہ کرنے والوں کا ہو جاتا ہے تو جس وقت آپ نے اس دروازہ کو اٹھا کے ڈھال کا کام لینا شروع کیا ہوگا تو ادھر تو دروازہ کی لمبائی چوڑائی کی وجہ سے دشمنوں کی نظروں سے آپ چھپ گئے ہوں گے اور ادھر وہ دروازہ آپ کے آگے حائل ہو گیا ہوگا اور آپ اپنے حملہ آور کو نہ دیکھ سکتے ہوں گے تو پھر جنگ کیونکہ ہوئی اور مرحب یہودی جس کو شیعی داستان گویوں نے طاقت میں رستم واسفندیار بنا دیا ہے حضرت علی سے کیونکر لڑا، اصل یہ ہے کہ ان کہانیوں سے واقعات کو کچھ بحث نہیں. یہ خوش اعتقادیاں بعض اوقات اصل واقعات کو بھی چھپا دیتی ہیں اگر ہم شیعی کتب سے حضرت علی کے صحیح حالات زندگی تلاش کرنا چاہیں تو یہ بات محال ہی نہیں بلکہ ناممکنات کی حد تک پہنچی ہوئی ہے خوش اعتقادیوں کے پردے در پردے اس کثرت سے حضرت علی پر پڑے ہوئے ہیں کہ آپ باوجود کوشش کے بسیار کے ان پردوں سے برآمد نہیں ہو سکتے یہ ظلم تو شیعی دنیا نے حضرت علی پر اتنا کیا ہے. جس کی نظیر ملنی محال ہے اگر کوئی اور صحیح نوشتہ نہ ہوتا تو ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے تھے. کہ علی کے نام کا جو شخص دنیا میں ہوا ہے وہ انسان تھا. فرشتہ تھا یا اللہ تھا. جہاں تک ہم نے کتابوں کو دیکھا ہے شاید ہی کہیں حضرت علی کی انسانی صفت کا ذکر آ گیا ہو تو آ گیا ہو ورنہ جس روایت میں دیکھو خدائی طاقتیں زبردستی اللہ سے

CamScanner

چھین کے حضرت علی کو ملا باقر مجلسی اور ان کے رفقاء نے عطا کر دی ہیں اور کہیں انسانی اوصاف سے مَس تک نہیں کی پس سمجھ لیا جائے کہ روایتوں کا طوفان بے تمیزی سب حضرت علی کو آللہ بنانے میں ختم ہوا ہے اور باقی اللہ اللہ خیر سلا۔

ان کہانیوں سے عوام تو عوام پڑھے لکھوں نے بھی دھوکا کھایا ہے۔ ہم افسوس سے دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت شیعوں کے چکمہ میں آ کے حضرت علی کو کیا کیا سمجھنے لگی ہے۔ ہم آللہ نخواستہ حضرت علی کے مخالف نہیں ہیں جیسا کہ حال کے شیعی احباب نے ہمیں سمجھ رکھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر کے دکھا دیں۔ کیونکہ واقعات کے اظہار کرنے میں ہمیں اسلام نہیں روکتا ابھی ہمیں حضرت علی کی نسبت بہت کچھ لکھنا ہے اور ان کی پوری زندگی سے بحث کرنی ہے گو کتاب شہادت کے تینوں مقدمے حضرت علی کے بیان سے بھرے ہوئے ہیں تو بھی ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے اور جو جو فاش غلطیاں جنگ جمل وغیرہ میں بڑے بڑے مورخوں سے ہوئی ہیں ان کا تار تار الگ کر کے دکھانا ہے یہ کتاب اگر پوری ہوگئی اور خداوند قدوس کی توفیق شامل حال ہوئی تو اسلام میں ایسی نامور تاریخ ہوگی جو آج تک نہیں لکھی گئی اور پھر کئی صدی تک کسی کو اس بحث پر لکھنے کی ضرورت بھی نہیں پڑنے کی انشاءاللہ۔" قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری۔ "

واقف کار ہی ہماری تحقیق کی داد دیں گے۔ کتاب شہادت کے بغور مطالعہ کرنے والے اس بات کو اچھی طرح سمجھیں گے کہ کتنی دردسری کی گئی ہے اور کس کثرت سے کتب قدیم وجدید پر عبور کیا گیا ہے اور مختلف کتب حدیث کی روایتوں کو کس قدر چھانا گیا ہے۔ اور کس طرح ہر شیعی حدیث کی ہنڈی کی چندی کی گئی ہے۔ تمام علماء قدیم کی تحریریں ایک طرف اور کتاب شہادت ایک طرف کل کتابیں بس پانی بھرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ابھی تک کسی مدعی علیت شیعی مجتہد کو یارانہ ہوا جبکہ صدہا مسائل پر پوری بحث کی گئی ہے اور ہر واقعہ کو روشنی میں لایا گیا ہے اس کے خلاف قلم اٹھانا تحفہ کے لئے تو الٹے سیدھے جواب شیعوں نے کئی لکھ دیئے مگر یہ کتاب شہادت ہے جو کئی سال سے اخبار میں طبع ہو رہی ہے اور شیع دنیا سکتہ میں اسے دیکھ رہی ہے اور کسی کو مجال نہیں ہوتی کہ وہ اس کے جواب میں قلم اٹھا سکے۔ انشاءاللہ شیعی دنیا کے سرتاج مجتہد ہمیشہ اس کتاب کو پڑھ پڑھ کے لرزا کریں گے اور یوں ہی دم بخود رہیں گے۔

خیبر کا بیان ختم ہو گیا. ناظر کتاب نے حضرت علی اور دیگر جلیل القدر صحابہ کے کارنمایاں اور فتوحات کو غور سے پڑھ لیا ہوگا جس سے اُسے موازنہ کرنے کا بہتر موقع لے گا. باقی رہے دوسرے غزوے جو فتح مکہ تک ہوئے اور جن میں حضرت علی کی شرکت بیان کی جاتی ہے ان کا تذکرہ کتاب شہادت کے تیسرے مقدمہ میں بالتفصیل اور نمبر وار ہو چکا ہے لہذا ان کا یہاں دوہرانا تحصیل حاصل ہے. اب ہم فتح مکہ کے واقعات نہیں بلکہ بت شکنی کا مشہور واقعہ درج کرتے ہیں جسے حضرت علی سے نسبت دی گئی ہے کہ آپ نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دوش مبارک پر چڑھ کے بتوں کو گرایا کیونکہ رسول اللہ کا وہاں ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا نہ عصا کچھ بھی نہیں یہ امر خلاف قیاس اور سخت بے ادبی کا ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت علی دوش رسول اللہ پر کھڑے ہوئے. اول تو اس کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ ایک لمبی لکڑی وہی کام کر سکتی تھی جو حضرت علی کے ہاتھوں نے کیا دوسرے اگر ضرورت بھی ہوتی تو حضرت علی کسی سیڑھی پر کھڑے ہو سکتے تھے دوش نبی پر کھڑا ہونا بلا ضرورت اور بلا سبب کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر سب سے زیادہ تماشہ کی بات یہ ہے کہ شیعوں کے عظیم الشان اور کلاں تر مجتہد ملا محمد باقر المجلسی الاصفہانی بھی اس مشہور و معروف کہانی سے انکار کرتے ہیں اور صاف طور پر لکھتے ہیں کہ کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کو بلا مدد غیری خود رسول مقبول نے خاک کی مٹھی پھینک پھینک کے گرایا تھا. ملا صاحب کے الفاظ بہت صاف ہیں اور ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا ہے. انہوں نے دو روایتیں اپنے خیال اور عقیدہ میں بڑے بڑے زبردست راویوں کی بت شکنی کے متعلق درج کی ہیں اور ایک روایت میں تو آپ لکھتے ہیں کہ حضور انور نے کنکریوں کی مٹھی بھر کے بتوں کی طرف پھینکی دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ نے اپنے عصا سے بتوں کو گرایا. ہمارا مطلب دونوں روایتوں سے حل ہو گیا یعنی تین سو ساٹھ بتوں کے گرانے میں حضرت علی کا مطلق ہاتھ نہیں لگا. ملاحظہ ہو صاحب اپنی کتاب حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ میں یہ تحریر فرماتے ہیں.

دور قرب الاسناد از امام محمد باقر روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسول در روز فتح مکہ داخل کعبہ شد و صورت درمیان کعبہ دے کہ کہ نقش کردہ بودند پس جامہ را طلبید و در آب فرو برد و آں صورتہا محو کرد و امر کرد بکشتن عبداللہ بن ابی سرح ہر چند کہ او در میان کعبہ بیا بند و کشتن عبداللہ بن خطل

ومقیس بن صبابہ وکشتن قرسا وام سارہ اشارہ کرد کہ دو زن زناکار بوند وغنا بہ ہجو آں حضرت میکردند ودر روز احد مردم را تحریض بر جنگ آنحضرت میکردند وشیخ مفید وقطب راوندی وشیخ طبرسی از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ در مسجد الحرام سہ صد وشصت بت گذاشتہ بوند وبسرب آنہا را بریکدیگر دوختہ بوند پس حضرت رسول در روز فتح مکہ مشتے از سنگ ریمہ برداشت وبر روئے آنہا ریخت وگفت جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ پس باعجاز آنحضرت ہمہ بجہار بر رو افتادند پس حکم فرمود کہ آنہا را از مسجد بیروں بروند وشکستند وچوں وقت نماز ظہر شد بلال را امر کرد کہ بر بام کعبہ رفت وآذان گفت عکرمہ پسر ابوجہل گفت کہ مرا بدی آید کہ این مرد مانند خر بر بام کعبہ فریاد میکند وخالد بن اسید گفت کہ الحمد اللہ کہ ابوعنات پدر من زندہ نیست کہ ایں صداء ابشنود وسہیل بن عمرو گفت این کعبہ خداست اگر خدا نخواہد بر طرف خواہد کرد پس ابوسفیان گفت من ہیچ نمی گویم بترسم کہ این دیوار ہا محمد اخبر دہند پس حضرت ایشاں را طلبید وبا عجاز نبوت گفت ہر یک را خبر دار پس عتاب بن اسید گفت یا رسول اللہ گفتہ ایم لہجہار او اکنوں استغفار میکنم وتوبہ میکنم پس توبہ کرد ومسلمان شد وحضرت اورا والی مکہ گردانید وگویند در فتح مکہ سہ نفر از مسلمانان کشتہ شدند کہ راہ را گم کردند واز راہ پائین مکہ داخل شدند مشرکان ایشان را کشتند ۔

وابن طاؤس روایت کردہ ہت کہ چوں حضرت رسول داخل مکہ شد در حجر اسمعیل سہ صد وشصت بت گنم پشتہ بوند حضرت برابر ہر از آنہا کہ میرسید عصائیکہ در دست مبارک خود داشت بچشم یا شکم آن میزد ومیگفت ۔ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا آن بت در ساعت برافتادہ واہل مکہ میگفتند پنہاں کہ ما ساحر تر از محمد ندیدہ ایم۔

حضور انور کی تجہیز وتکفین: شیعوں میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ حضور انور کی تجہیز وتکفین کئے بغیر صحابہ خلافت حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے اور ذرا بھی اس کی پرواہ نہ کی کہ پہلے رسول اللہ کی تجہیز وتکفین اور تدفین سے فارغ ہو جائیں یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی کے خاص تجہیز اور تکفین کے معاملہ میں ابوبکر وعمر اور دیگر صحابہ پر کیوں الزام لگایا جاتا ہے جبکہ شیعی روایتیں صاف طور پر اس کا اظہار کر رہی ہیں کہ جبرئیل کے کہنے کے بموجب یا خود رسول اللہ نے اپنی طبیعت سے اپنی ہی زندگی میں علی کو حکم دیا تھا کہ تم ہی میری تجہیز وتکفین کرنا ۔ پھر بیچارے صحابہ کا کیا قصور تھا اور ان پر غداری کا

کیوں الزام لگایا جاتا ہے جبکہ انہوں نے حکم کی بجا آوری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا اس تجہیز اور تکفین میں حضرت علی کی شرکت عجیب وغریب افسانہ انگیز طریقہ سے شیعی مصنفوں نے تحریر کی جو مزے میں ایک مشرقی قصہ سے بھی طرلطف ہوگئی ہے حالانکہ دیگر شیعی روایتیں کے بموجب ایک علی ہی نے تنہا تجہیز وتکفین کے کام انجام نہیں دیئے تھے بلکہ ان کے ساتھ اور بھی حضور انور کے کئی قریبی رشتہ دار تھے .تو بھی خوش اعتقاد شیعہ یہ سارا سہرا علی ہی کے سر باندھتے ہیں مختلف تاریخوں کے دیکھنے سے ٹھیک ٹھیک جو کچھ تحقیق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور انور کے وصال کا زمانہ قریب آیا تو آپ نے آخری دن اپنی بیوی عائشہ صدیقہ کے حجرے میں گزارے . وقتاً فوقتاً آپ کو جب افاقہ ہوجاتا تھا تو آپ حجرہ کے باہر تشریف لا کے مسجد میں نماز پڑھنے آجاتے تھے مدینہ میں کوئی طبیب نہ تھا جس کا علاج ہوتا اور پھر تیمارداری کا سہرا کسی کے سر باندھا جاتا صحابہ کی آمد و رفت برابر لگی رہتی تھی .جن میں ابوبکر و عثمان علی وغیرہ سب ہی تھے .سب سے زیادہ خدمت اگر کسی نے کی تو عائشہ صدیقہ نے جو حالت کرب بھی رسول اللہ کا سر اپنے زانو پر رکھ لیتی تھیں اوز کبھی تکیہ پر اور کئی شب تک مطلق نہیں سوئی تھیں اسی اثناء میں ایک لخت مرض میں تنزل آگیا اور آپ اتنے اچھے ہوگئے کہ دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں آگئے .صحابہ رسول مقبول کی یہ حالت دیکھ کے مارے خوشی کے پھولے نہیں سمائے اور انہیں یقین ہوگیا کہ اب رسول اللہ قطعی اچھے ہوجائیں گے اس اطمینان کی بنا پر ابوبکر جو کئی شب و روز رسول اللہ کے سرہانہ سے نہ سرکے تھے رسول مقبول سے اجازت لے کے اپنے مکان چلے گئے جو مکان مسجد نبوی سے تین میل کے فاصلہ پر تھا مگر اسی اثناء میں یکایک رسول اللہ کی طبیعت نڈھال ہوگئی. یہاں تک کہ ابوبکر و علی کی غیر موجودگی میں آپ کی وفات ہوگئی عمر و فاروق بوقت وفات موجود تھے .وفات ہوتے ہی سارے مدینہ میں آگ کی طرح یہ خبر پھیل گئی.. ابوبکر و علی وغیرہ دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ کی تجہیز و تکفین وغیرہ کا مشورہ کرنے لگے اول تو اس بات کا فیصلہ ہوا کہ دفن کہاں کیا جائے اور یہ بات ابوبکر کی رائے پر چھوڑی گئی اخیر یہ طے پاگیا کہ جس جگہ رسول اللہ نے وفات پائی ہے وہیں انہیں دفن کردیا جائے پھر کفن کے متعلق فیصلہ ہوا کہ جن کپڑوں میں آپ ہیں ان ہی میں دفن کئے جائیں اس کے بعد آپ کو نہلانا شروع کیا ابوبکر پانی ڈالتے جاتے تھے .علی،

عباس، فضل، قثم، اسامہ بن زید اور شقران دوسرے کام کر رہے تھے۔ یعنی کروٹ بدلوانا پانی تیر . . . وغیرہ۔

اسی اثناء میں عمر فاروق آئے اور انہوں نے ابوبکر کو باہر بلایا اور کہا آپ سقیفہ بنی ساعدہ میں چلیے وہاں معاملہ دگرگوں نظر آتا ہے مبادا فتنہ عظیم برپا ہو جائے ابوبکر نے پہلے تو عذر کیا مگر مزید اصرار پر آپ چلے آئے رسول مقبول کا جنازہ تنہا نہ تھا کہ ابوبکر کا چھوڑ کے چلا آنا گوار گزرتا بلکہ آپ کے قریبی رشتہ دار موجود تھے ایسی حالت میں خونریزی کا روکنا سب سے مقدم تھا ورنہ اگر انصار میں سے کوئی خلیفہ بن جاتا تو خون ریزی کا ہونا یقینی تھا۔

رسول اللہ کا جنازہ چھوڑ کے چلا جانے کا الزام ابوبکر و عمر پر مطلق نہیں آ سکتا جبکہ پہل انصار کی طرف سے ہوئی دانشمندی یہی تھی کہ جتنا جلدی ممکن ہو سکا اس فتنہ کو روکا جاتا چنانچہ ابوبکر عمر فاروق کے ساتھ وہاں گئے اور خلیفہ کا تقرر خوش تدبیری اور روشن ضمیری سے ہو گیا وہاں کا تصفیہ ہوتے ہی ابوبکر پھر بھاگوں بھاگ واپس آ کے تجہیز و تکفین اور تدفین میں شریک ہو گئے اور اسی روز رسول مقبول دفن کر دیئے گئے۔ حضرت علی کی حسرت دل ہی کی دل میں رہی اور انہیں ابوبکر سے یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ مجھے مشورۂ خلافت میں تو ضرور شریک کر لینا چاہیئے تھا یعنی مجھے بھی ساتھ لے چلنا چاہیے تھا۔ لیجئے علی اس بات کے لئے تیار تھے کہ اگر اشارہ ہوتا تو وہ رسول اللہ کا جنازہ چھوڑ کے چل دیتے ان کا منشاء یہ تھا کہ اگر میں مشورہ میں شریک کر لیا جاتا تو کچھ نہ کچھ مسلمانوں کی نظروں میں میری توقیر تو ضرور ہو جاتی بعد میں حضرت علی نے یہ لمبی چوڑی شکایت صدیق اکبر سے کی تھی بس قصہ تو سارا یہ ہے۔ مگر شیعی مجتہدوں نے اس دو لفظی تجہیز کے واقعہ کو ایک ایسی فرضی دلکش داستان میں ڈھالا ہے کہ دیکھ کے حیرت ہوتی ہے اور کلیجہ پھٹ جاتا ہے کہ ایسے خوش فہم بھی دنیا میں موجود ہیں جو ان مزخرفات پر ایمان رکھتے ہیں چنانچہ مزخرفات کا نمونہ حیات القلوب سے جو شیعوں کی سب سے زیادہ مستند کتاب ہے نقل کیا جاتا ہے تا کہ ناظر اس بات کا فیصلہ کرے کہ جس مذہب کی ان کہانیوں پر زندگی ہو بس "مذہب معلوم اہل مذہب معلوم"۔ ہاں ایک سب سے بڑی بات لکھنی رہ گئی اور یہی بات شیعی مذہب اور حضرت علی کی فضیلت کی جان ہے یعنی کلینی و صفار و شیخ طوسی، ابن بابویہ و قطب راوندی اور دوسرے بڑے بڑے دگا

CamScanner

دری مجتہدوں اور اماموں نے متفق اللفظ یہ روایت کی ہے کہ وفات سے پہلے رسول اللہ نے علی سے فرمایا تھا کہ جب میری وفات ہو جائے اور تم مجھے غسل و کفن کر چکو تو میرے کفن کا گریبان پکڑ کے مجھے اُٹھا کے بٹھا دینا اس وقت جو سوال تم کرو گے تمہیں جواب دوں گا چنانچہ علی نے وفات کے بعد یہی حرکت کی رسول مقبول کے جنازہ کا کفن پکڑ کے گھسیٹا اور آپ کو اٹھا کے بٹھا دیا اور آپ سے ہزار سوال کئے اور ہر سوال کے جواب میں علم کے ہزار دروازے حضرت علی پر کھل گئے. انا للہ وانا الیہ راجعون.

آپ نے مزخرفات کا نمونہ دیکھ لیا بھلا اس سے بھی زیادہ بیہودہ بات آپ نے کہیں اور لکھی دیکھی ہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ. ملاحظہ ہو حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۵۶ سے آگے تک

وکلینی وصفار وشیخ طوسی وابن بابویہ وقطب راوندی و دیگراں بسند ہائے معتبر از حضرت امیر المومنین وامام محمد باقر وامام جعفر صادق صلوات اللہ علیہم اجمعین روایت کردہ اند کہ حضرت رسول حضرت امیر المومنین راطلبید و فرمود کہ یا علی چوں بمیرم شش مشک آب بکش از چاہ غرس پس مرا نیکو غسل دہ بآن آب و مرا کفن کن و حنوط کن و چوں از غسل و کن و حنوط من فارغ شوی گریبان کفن مرا بگیر و مرا بنشاں و ہر چہ خواہی از من سوال کن کہ ہر چہ پرسی ترا جواب میگویم پس حضرت چنیں کردہ فرمود کہ دریں موضع نیز ہزار باب از علم مرا تعلیم نمود کہ از ہر بابے ہزار باب مفتوح میشود. و در روایت دیگر حضرت امیر المومنین فرمود کہ چوں از آنحضرت سوال کردم مرا خبر داد بانچہ واقع شود تا روز قیامت پس ہیچ گروہے از مردم نیستند مگر آنکہ میدانم کہ محق ایشاں و گمراہ ایشاں کیست، بروایت دیگر انچہ حضرت املا فرمود دراں وقت حضرت امیر المومنین ہمہ را نوشت.

ابن بابویہ از ابن عباس روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسول بر بستر بیماری خوابید او واصحاب آن حضرت برگرد او جمع شدہ بودند عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ برخاست وگفت پدر و مادرم فدائے تو باد یا رسول اللہ چوں بجوار رحمت پروردگار خود واصل گردی کہ از میان ما ترا غسل خواہد داد حضرت فرمود کہ غسل دہندۂ من علی بن ابی طالب ست زیرا کہ ہر عضوے از اعضائے مرا کہ قصد میکند بشوید ملائکہ او را نشیستن آن عضو اعانت میکنند گفت پدر و مادرم فدائے تو باد یا رسول اللہ کہ از ما بر تو نماز

ادا خواہد کرد حضرت فرمود کہ ساکت شو خدا رحمت کناد پس رو بحضرت امیر المومنین آورد و گفت اے پسر ابو طالب چوں بینی کہ روح من از بدن من مفارقت کرد مرا غسل دہ و نیکو غسل بدہ و کفن کن مرا دریں دو جامہ کہ پوشیدہ ام یا در جامہ سفیدی مصری یا در بریمانی و کفن مرا بسیار گراں مگردان و مر بردار یدتا بر کنار قبر بگوار ید پس اول کسے کہ بر من نماز خواہد جبار خواہد بود کہ بر عرش عظمت و جلال خود بر من صلوات خواہد فرستاد بعد از اں جبرئیل و میکائیل و اسرافیل بالشکر ہا فوجہائے ملائکہ کہ عدد ایشانرا بغیر از آللہ وند عالمیان کسے نمیداند بر من نماز خواہند کرد. پس آنہا کہ احاطہ بعرش الہی کردہ اند پس بعد از ایشاں ساکنان ہر آسمانی بعد آسمان دیگر بر من نماز خواہند کرد پس جمیع اہل بیت من و زنان من در مرتبہ قرب و منزلت ایشان ایما کنند ایما کردنی و سلام کنند سلام کردنی و آزاد و نرسانند مرا بصدائے نوحہ کنندہ و نالہ کنندہ. چون حضرت امام حسین و امام حسن بدبزرگوار خود را برآن حالت مشاہدہ نمودند بیتاب گردیدند و آب حسرت از دیدۂ غم دیدہ باریدند و خروش برآوردند میگفتند کہ جانہا ما فدائے جان تو باد و روحہائے ما فدائے روی تو باد حضرت پرسید کہ ایشان کیستند حضرت امیر المومنین گفت یا رسول اللہ فرزندان گرامی تو اند حسن و حسین پس حضرت ایشانرا بنزدیک خود طلبید و دست در گرون اشیاں آورد و آن دو جگر گوشہ خود را بسینہ خود چپانیدَ و چوں حضرت امام حسن بیشتر میگریست حضرت فرمود کہ یا حسن گریہ کم کن کہ گریئہ تو بر من دشوارست و موجب آزاد دل افگارست پس دریں حال ملک الموت نازل شد و گفت السلام علیک یا رسول اللہ حضرت فرمود کہ وعلیکم السلام اے ملک الموت مرا بسوے تو حاجتی ست ملک الموت گفت حاجت تو چیست اے پیغمبر آللہ حضرت فرمود کہ حاجت من آنست کہ روح مرا قبض نہ کنی تا جبرئیل بتر و من آید و بر من سلام کند و من براو سلام کنم وا او را وداع نمایم پس ملک الموت بیروں آمد و میگفت یا محمداہ پس جبرئیل از ہوا بملک الموت رسیدہ و پرسید کہ قبض روح محمد کردی اے ملک الموت. گفت نہ اے جبرئیل آنحضرت از من سوال کرد کہ او را قبض روح نمایم تا تر املاقات نماید و با تو وداع کند جبرئیل گفت کہ اے ملک الموت مگر نمی بینی دورہائے آسمانہا را کشودہ اند برائے روح محمد مگر نمی بینی حوریان بہشت را کہ زینت کردہ اند برائے روح محمد پس جبرئیل نازل شد و بنزد حضرت رسول آمدہ گفت السلام علیکم یا ابوالقاسم حضرت فرمود علیکم السلام یا جبرئیل آیا در چنیں حالے مارا تنہا میگذاری.

جبرئیل گفت یا محمد ترا ایں باید مرد و ہمہ کس را مرگ در پیش است و ہر نفسے چشندہ مرگ است حضرت فرمود کہ نزدیک شو بمن اے حبیب مس پس جبرئیل بنزدیک آنحضرت رفت و ملک الموت نازل شد و جبرئیل باو گفت کہ اے ملک الموت بخاطر دار وصیت حق تعالے را در قبض روح محمد پس جبرئیل در جانب راست آنحضرت ایستاد و میکائیل در جانب چپ و ملک الموت در پیش رو مشغول قبض روح آن سرور عالم گردید.

و ابن بابویہ بسند معتبر روایت کردہ کہ حضرت امیر المومنین فرمود کہ اوّل بلاہا و امتحانہا کہ بعد از حضرت رسول بر من وارد شد آن بود کہ مرا مخصوص در میان ہمہ مسلمانان بغیر از حضرت رسالت پناہ مونسی و یاری و یاوری نبود کہ اعتماد بر او نمایم و امید یاری از او داشتہ باشم او مرا در خردسالی تربیت کرد و در بزرگی پناہ داد و واز یتیمی بدر آورد و خرج من و عیال مرا متکفل گردید. و مرا بے نیاز گردانید از طلب و محتاج نشدم ببرکت آنحضرت بکسب ایںنا و امثال اینہا نعمتے چند بود از آنحضرت بر من در امور دنیا و اینہا بابسیاری کم بود در جنب آنچہ مرا بآں مخصوص گردانید از ترقی فرمودن در درجات عالیہ کمالات نفسانی و ممتاز گردانیدن بعلوم ربانی و راہنمائے سلوک مراتب قرب و وصال ملک متعال و متحلّی گردانیدن بآداب حسنہ در اقوال و افعال پس نازل شد بر من از وفات آن حضرت الم و اندوہے کہ گمان ندارم کہ اگر آنہار برکوہہا بار میکردند تاب تحمل آنہا میداشتند پس مردم را و اوراں مصیبت بر احوال مختلف یافتم بعضے جزع ایشان بمرتبہ بود کہ ضبط خود نمیتوانستند کرد و قوت بر تحمل آن مصیبت عظیم نداشتند شدت جزع صبر ایشیاں را بردہ بود و عقل ایشاں را پریشان کردہ بود و حائل گردیدہ بود میان او و فہمیدن و فہمانیدن و گفتن و شنیدن ایں بود حال خوشیاں آنحضرت از اہلبیت او و فرزندان عبدالمطلب و سائر مردم بعضے تعزیت میگفتند وامر بصبر میکر مودند و بعضے مساعدت و یاری ایشان در گریہ می نمودند و با ایشاں در جزع شریک میشدند پس با چنیں مصیبت عظمیٰ کہ ناگاہ رو بمن آورد خود را شکیبائی داشتم و خاموشی را اختیار کردم و مشغول گردیدم بآنچہ مرا امر فرمودہ بود از تجہیز نمودن و غسل دادن و حنوط و کفن کردن و نماز براو گذاردن و او را در قبر سپردن.

و ایضاً از ثعلبی روایت کردہ است کہ ابوبکر بخدمت رسول اللہ آمد در وقتے کہ مرض آنحضرت سنگین شدہ بود و گفت یا رسول اللہ اجل تو کے خواہد بود حضرت فرمود کہ حاضر شدہ است اجل من ابوبکر گفت بازگشت تو کجاست فرمود کہ بسوئے سدرۃ المنتہیٰ و جنت الماوی و رفیق اعلا و عیش گوارا و جرعہائے شراب قرب حق

تعالی ابوبکر گفت کے ترا غسل خواہد داد فرمود کہ ہر کہ از اہلبیت من بمن نزدیک تر است پرسید کہ در چہ
چیز ترا کفن کنند فرمود کہ در ہمیں جامہا کہ پوشیدہ ام یا در حلہہائے یمنی یا در جامہائے سفید مصری پرسید کہ
چگونہ تو نماز کنند دریں وقت خروش از مردم برخاست و در و دیوار بلرزہ در آمد حضرت فرمود کہ صبر کنید
آللہ عفو کیند از شما چوں مرا غسل دہند و کفن کنند مرا بر تختے بگذارید بر کنار قبر من و ساعتے بیروں
روید مرا تنہا بگذارید و اول کس کہ بر من نماز میکند خداوند عالمیانست پس رخصت میفرماید ملائکہ را کہ
بر من نماز کنند و اول کسی کہ نازل میشود جبرئیل است پس اسرافیل پس میکائیل پس ملک الموت پس
لشکر ہائے ملائکہ ہمگی فوج فوج آیند و بر من نماز میکنند پس شما فوج فوج باین خانہ در آیید و بر من صلوات
فرستید و سلام کنید و مرا آزار مکنید بگریہ و فریاد و نالہ و باید کہ اول کسے کہ از آدمیان بر من نماز کند از
نزدیکاں اہل بیت من باشد بعد از ان زنان و کودکان اہل بیت من و بعد از ایشان مردم دیگر ابوبکر گفت
کہ کہ داخل قبر تو خواہد شد فرمود کہ ہر کہ از اہلبیت من بمن نزدیک تر باملائکہ چندہ کہ شما ایشان را نخوا
ہید دید پس فرمود کہ برخیزید و انچہ گفتم بدیگراں برسانید۔ و شیخ طوسی بسند معتبر روایت کردہ است کہ
چون حضرت رسول از دنیا مفارقت نمود پردہ پیش آنحضرت آویختند و حضرت امیر المومنین در پیش پردہ
نشستہ بود و از غایت اندوہ دستہاوے خود را بر زیر روئے خود گذاشتہ بود چون بادی وزید آن پردہ
بر روئے مبارک آنحضرت منور و صحابہ بر در خانہ آنحضرت و در مسجد پر شدہ بودند و صداہا بنالہ و زاری بلند
کردہ بودند و آب حسرت از دیدہ مست یختند و خاک مذلت بر سر خودی ریختند ناگاہ صدائے
از اندرون خانہ حضرت بلند شد کہ گویندہ رانہ دین۔ وصدائے او را شنیدند کہ گفت پیغمبر شما طاہر و مطہر بود
او را دفن کنید و غسل بدہید چون حضرت امیر المومنین این صدا را شنید و دانست کہ صدائے شیطان ستداز
فلان مردم ترسید و سر از زانوئے اندوہ برداشت و فرمود کہ دور شوائے دشمن آللہ کہ آنحضرت مرا امر
کردہ است کہ او را غسل دہم و کفن کنم و دفن کنم و این سنت از برائے ہمہ کس جاریست تا روز قیامت پس
منادی دیگر ندا کرد بغیر آن صدائے اول کہ اے علی بن ابی طالب بپوشاں عورت پیغمبر خود را و در وقت
غسل پیراہن را از بدن او بیروں مکن و شیخ مفید و سید رضی الدین و دیگران بسند ہائے معتبر از ابن عباس
وغیرہ او روایت کردہ اند کہ چون رسول آللہ از فنا بدار بقا رحلت فرمود و حضرت امیر المومنین متوجہ

غسل آنحضرت گردید و عباس حاضر بود و فضل بن عباس آنحضرت را مددی نمود چون از غسل آنحضرت فارغ گردید و آنحضرت را کفن کرد جامہ را از روئے مبارک آنحضرت دور کرد و گفت پدر و مادرم فدائے تو باد طیب و نیکو و پاکیزہ بودی در حیات و بعد از موت و منقطع شد بوفات تو آنچہ منقطع نشدہ بود بوفات احدے از خلق از پیغمبری و نازل شدن وحیہائے آسمانی مصیبت تو چندان عظیم شد کہ تسلی فرما یندہ مصیبت ہائے دیگران گردید و محنت وفات تو چنداں عام گردید کہ ہمہ خلق صاحب مصیبت اند در تعزیت تو واگر نہ آن بود کہ امر کردی بصبر کردان و نہی نمودی از جزع نمودن ہر آئینہ آبہائے سر خود را در مصیبت تو فرو میریختیم و در ہر آئینہ درد مصیبت ترا ہرگز دوا نمیکردیم و جراحت مفارقت ترا از سینہ بیروں نمیکردیم ولیہا در مصیبت تو اندکیست از بسیار و اندوہ و حسرت را چارہ نمیتواں کرد و حزن مفارقت تو بر طرف شدنی نیست پدر و مادر ما فدائے تو باد یاد کن مرا نزد پروردگار خود و ما را از خاطر خود بیروں مکن پس بر روئے آنحضرت در افتاد و روئے مبارکش را بوسید و آہ حسرت از سینہ پر درد بر کشید پس جامہ را بر روئے آنحضرت پوشانید۔

وایضا بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ چون حضرت رسول بعالم بقا رحلت نمود نازل شدند جبرئیل و ملائکہ و روح کہ در شب قدر بر آنحضرت نازل میشدند پس حق تعالی دیدۂ امیر المومنین را منور گردانید کہ ایشان را از منتہائے آسمانہا تا زمین میدید و ایشاں معاونت آنحضرت مے نمودند در غسل دادن آنحضرت و نماز کردن بر او قبر شریف آنحضرت را حفر میکردند و بخدا سوگند کہ کسے بغیر از ملائکہ قبر آنحضرت را نکند تا آنکہ حضرت امیر المومنین آنحضرت را بقبر برد ایشان با آنجناب داخل قبر شدند آن جناب را در قبر گذاشتند پس حضرت رسول ملائکہ بہ سخن آمد و حق تعالی گوش امیر المومنین را شنوائی آن سخنان داد و شنید کہ حضرت رسول اللہ ملائکہ را سفارش امیر المومنین میکند پس حضرت گریاں شد و شنید کہ ملائکہ در جواب گفتند کہ ما در خدمت و اعانت و یاری و خیر خواہی او تقصیر نخواہیم کرد و او ست صاحب و امام و پیشوائے ما بعد از تو و پیوستہ بنزد او خواہیم آمد ولیکن او بغیر ایں مرتبہ ما را نخواہد دید صدائے ما خواہد شنید و چوں حضرت امیر المومنین بعالم قدس رحلت نمود جبرئیل و ملائکہ و روح باز بر حسن و حسین نازل شدند و ایشاں ملائکہ را دیدند و واقع شد آنچہ در وفات حضرت رسول واقع شدہ بود و دیدند

حضرت رسول کہ مدد میکرو ملائکہ را در غسل و کفن و دفن حضرت امیر المومنین و چون حضرت امام بسرا ے باقی ارتحال نمود امام حسین جبرئیل و ملائکہ و روح و رسول اللہ و امیر المومنین را دید کہ نازل شدند و در غسل و کفن و دفن او با او موافقت نمودند و چون جناب امام حسین شہید شد جناب علی بن الحسین جبرئیل و ملائکہ و روح و حضرت علی بن الحسین بہ ریاض جنت رحلت نمود حضرت امام محمد باقر حضرت رسول و امیر المومنین و امام حسن و امام حسین را دے کہ مدد میکروند و جبرئیل و ملائکہ و روح را در معاونت آنجناب دید و چون حضرت امام محمد باقر بسرائے آخرت رحلت نمود من دیدم رسول اللہ و امیر المومنین و حسن و حسین و امام زین العابدین را کہ مدد میکدند ملائکہ و روح را در غسل و کفن و دفن و نماز آنحضرت و او یاری من در ہمہ این اموری نمودوند و این حکم جاری و باقیست تا آخرائمہ و در کتاب احتجاج و کتاب سلیم بن قیس ہلالی از سلمان روایت کردہ اند کہ چون امیر المومنین از غسل و کفن حضرت رسول فارغ شد داخل خانہ کرد مرا و ابوذر و مقداد و فاطمہ و حسن و حسین را و خود پیش ایستادہ و ما در عقب آنجناب صف بستیم و بر آنجناب نماز کردیم و عایشہ منافقہ (یہ شیعی مجتہد اعظم کی تہذیب اور محبت رسول ہے کی جا بجتی بیوی اور اپنی ماں کو منافقہ کہتا ہے)۔ ہم دران حجرہ بود و مطلع نشد بر نماز کردن ما بسبب آنکہ جبرئیل چشمہائے اور ا گرفتہ بود پس دہ نفر دہ نفر مہاجرین و انصار را داخل حجرہ میگردانید و ایشاں برآنجناب صلوات میفر ستادند و بیروں میرفتند تا آنکہ ہمہ مہاجرین و انصار چنیں کردند نماز برآن جناب ہماں بود کہ در اول واقع شد۔ و در کتاب کفایۃ الاثر بسند معتبر از عمار روایت کردہ است کہ چوں ہنگام وفات حضرت رسول شد علی بن ابی طالب را طلبید و راز بسیار با او گفت پس فرمود کہ یا علی تو وصی منی و وارث منی و حق تعالے بتو عطا کردہ بہت علم و فہم مرا و چون من از دنیا بروم ظاہر خواہد شد برائے تو کینہائے دیرینہ کہ در سینہائے جماعتے پنہاں است و غصب حق تو خواہد نمود۔ پس حضرت فاطمہ و حسن و حسین گریستند حضرت با فاطمہ فرمود کہ اے بہترین زنان چرا میگریی گفت اے پدر میترسم کہ حق ما را بعد از تو ضایع کنند و حرمت ما را رعایت نمایند حضرت فرمود کہ بشارت باد ترا ای فاطمہ کہ تو اول کسی خواہی بود کہ از اہلبیت من بمن ملحق میگردد گریہ مکن و اندوہناک مباش بدرستیکہ تو بہترین زنان اہل بہشتی و پدر تو بہترین پیغمبرا نست و پسر عم تو بہترین اوصیائے پیغمبرا نست و پسر عم تو بہترین اوصیائے پیغمبرا نست و دو پسر تو بہترین جوانان اہل

بہشت اندو حق تعالے ار صلب حسین نہ امام بیروں خواہد آورد کہ ہمہ مطہرہ معصوم باشند واز ما خواہد بو مہدی این امت پس باعلی بن ابی طالب خطاب کرد کہ یا علی متوجہ غسل وکفن نشود کسی بغیر از تو حضرت امیر گفت یا رسول کے معاونت من خواہد نمود بر غسل تو فرمود کہ جبرئیل معاونت تو خواہد کرد وفضل بن عباس آب بدست تو بدہد۔

وکلینی بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر روایت کردہ است کہ در شبے کہ حضرت بریاض جنت رحلت نمود بر اہلبیت آنحضرت دراز ترین شبہا گزشت وحالتے بر ایشاں گذشت کہ تمہید انستند کہ زیر آسمانند یا بروئے زمین اندزیرا کہ حضرت رسول آﷲ از برائے آﷲ بانزدیکان ودوران دشمنی کردہ بودواز ایشیاں بسیار کسی کی کشتہ بودواز انتقام کافراں ومنافقاں ترساں بودند پس حق تعالے دراین حال ملکی رافرستاد وبروایت دیگر جبرئیل رافرستاد کہ اور انمید یدند وصدائے. اورامی شنیدند گفت السلام علیکم البیت ورحمۃ اﷲ وبرکاتہ بدرستیکہ ثواب آﷲ تسلی دہندہ است از ہر مصیبتے ونجات دہندہ است از ہر مہلکہ وتدارک کنندہ است ہر فوت شدہ راپس ایں آیت اخواندکہ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ.

پس فرمود کہ بدرستیکہ حق تعالے شمارا برگزیدہ است وبر دیگران فضیلت دادہ است واز گناہان وعیبہا پاک گردانیدہ است وشمار اہلبیت خود گردانیدہ است واز گناہان وعیبہا پاک گردانیدہ است وشمار اہل بیت پیغمبر خود گردانیدہ است وعلم خود را بشما سپردہ است وبر دیگران فضیلت دادہ است واز گناہاں وعیبہا پاک گردانیدہ است وشمار اہل بیت پیغمبر خود گردانیدہ است وعلم خود را بشما میراث دادہ است وشمارا صندوق علم خود گردانیدہ است وعصائے عزت خود ساختہ است وبرائے شما مثلی از نور خود زدہ است ومعصوم گردانیدہ است شمارا ز لغزشہا وایمن گردانیدہ است شمارا از فتنہا پس بصبر کنید بدرستیکہ حق تعالے از شما دور نیکند رحمت خود را وزائل نمیگرداند نعمت خود را نجہا سوگند کہ شمائید اہل آﷲ کہ بشما تمام کردہ است نعمت خود را بر خلق وجمع ساختہ است پراگندگیہارا وتتلف گردانیدہ است کہما راوشمائید دوستان آﷲ ہر کہ شما ولایت اختیار نماید رستگار رست وہر کہ بر شما ستم کند حق شمارا از شما بگیرد.

او مالک ست حق تعالے مودت شمار اور کتاب خود بر مومناں واجب گردانید است وخدا قادر است بر یاری کردن شما ہر وقت کہ خود مصلحت داند پس صبر کنید و منتظر باشید عاقبت نیکو را بدرستیکہ بازگشت امور بسوئے آللہ است و بہ تحقیق کہ پیغمبر آللہ شما را بحق تعالے سپرد و حق تعالے از و قبول کرد و شما را سپرد و بدستاں مومن خود در زمین پس ہر کہ ادائے امانت آلہی بکند و ولایت شما بر خود لازم داند و حرمت شما را رعایت نماید حق تعالے جزائے راست گئی اور اور قیامت باو مید ہد پس شمائید امانت سپردہ شدہ آللہ اور رسول واز برائے شماست مودت واجب و اطاعت مفروضہ و حضرت رسول از دنیا نرفت تا آنکہ دین را از برائے شما کامل گردانید و راہ نجات را از برائے شما بیان کرد و از برائے جاہلے حجتے نگذاشت پس کسی کہ نادان باشد یا اظہار نادانی نماید انکار حقی بکند یا فراموش کند یا اظہار فراموشی نماید پس با خدا ست حساب او و خدا ابرآ ورندۂ حاجتہائے شمات و شما را بخدا می سپارم و السلام علیکم.

راوی پرسید از آنحضرت کہ این تعزیت از جانب کے بود. حضرت فرمود کہ از جانب آللہ وند عالمیاں بود۔

اس کے بعد شیعوں کے سب سے بڑے جگادری مجتہد اعظم کی کہانیاں بیعت اور خلافت کے متعلق شروع ہوتی ہیں. جس میں آنجہانی نے پیٹ بھر کے فسانہ نویسی کی داد دی ہے اور وہ ایسی فسانہ نویسی ہے کہ بوستان خیال کا مصنف بھی اپنی قبر میں سر پیٹتا ہوگا. لہذا مناسب ہے کہ بطور تفنن طبع دو ایک کہانیاں یہاں نقل کر دی جائیں چونکہ آنجہانی نے صدیق اکبر کی نسبت منافق کا لفظ استعمال کیا ہے ہم اسے جوں کا توں نقل کر دیتے ہیں اس سے ان خوارج کی طرح جو حضرت علی کو اول درجہ کا منافق اور کافر کہتے ہیں پورا انطباق ہوتا ہے جس سے الحمد للہ ہم بالکل بری ہیں. چنانچہ ملاحظہ ہو ملا باقر مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۶۶۹ میں فرماتے ہیں.

بسند ہائے معتبر از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ ہیچ پیغمبر در زمین زیادہ از سہ روز نمی ماند تا آنکہ روح و گوشت و استخوان او بالا میرود و مردم بسوئے جائے بدنہائے ایشان میروند و از دور نزدیک سلام مردم بایشاں میرسد و ایضاً بسند ہائے معتبر بسیار از آنحضرت روایت کردہ اند کہ چون ابوبکر منافق از حضرت امیر المومنین غصب خلافت کرد حضرت باو گفت کہ آیا رسول اللہ ترا امر نہ

کرو کہ مرا اطاعت کنی آن منافق گفت نہ واگر مرا امر میکردم حضرت فرمود کہ اگر الحال پیغمبر را بہ بینی وترا امر کند با طاعت من آیا خواہی کرو گفت آری حضرت فرمود کہ با من بیا بسوے مسجد قبا چوں مسجد قبا رسید عمر ابو بکر دید کہ حضرت رسول الیستادہ است ونماز میکند چون حضرت از نماز فارغ شد حضرت امیر المومنین گفت یا رسول اللہ ﷺ ابو بکر انکار میکند کہ تو اورا امر با طاعت من کردہ. حضرت رسول با ابو بکر گفت کہ من مکرر ترا امر کردہ ام با طاعت او برو و اورا اطاعت کن آن منافق بسیار ترسید وبرگشت وور راہ عمر گفت کہ حضرت رسول صدا با من چنین گفت عمر گفت ہلاک شوند امتی کہ چون تو احمقے را والی خود کردہ اند .
مگر نمے وانی کہ اینہا ہمہ از سحر بنی ہاشم است.

وور کتاب اختصاص و بصائر الدرجات و سائر کتب بسند ہائے معتبر از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ چون گریبان حضرت امیر المومنین را گرفتند برائے بیعت ابو بکر بسوائے مسجد کشیدند حضرت در برابر قبر رسول اللہ الیستادہ وگفت انچہ ہارون در جواب موسیٰ گفت کہ یا ابن اُم ان القوم استضعفو نی وکادو یقتلوننی یعنی اے برادر من واے فرزند مادر من بدرستی کہ قوم مرا ضعیف گردانیدہ اند نزدیک شد کہ مرا بکشند پس دستی از قبر رسول اللہ بیروں آمد بسوئے ابو بکر کہ ہمہ شناختند کہ دست آنحضرت است وبصدائے کہ ہمہ شناختند کہ صدائے آنحضرت ست گفت
وبروایت دیگر دستے از قبر ظاہر شد وبر آن نوشتہ بود. اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا .
یعنی آیا کافر شدی بآنخدائے کہ ترا خلق کردہ است از خاک پس از نطفہ پس ترا مردے گردانیدہ است. وبروایت دیگر دستے از قبر ظاہر شد وبر آن نوشتہ بود. اَكَفَرْتَ يَا عُمَرُ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا .

وایضاً صفار ودیگران بسند ہائے معتبر از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ آنحضرت با اصحاب خود فرمود کہ چرا آزردہ میکنید رسول آللہ را گفتند رسول اللہ گفتند ما چگونہ آزردہ میکنیم آنحضرت را حضرت فرمود کہ مگر نمیدانید کہ اعمال شما بر آنحضرت عرض میشود وچوں معصیتے از شما بیند آزردہ میشود وکلینی وصفار ودیگراں بسند ہائے معتبر از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ چون

شب جمعہ میشود رخصت میدہند روح رسول اللہ را اور واح پیغمبران گزشتہ را وارواح وصیائے گزشتہ رواروح امام زماں راپش ایشاز ابعرش بالامیبر ند وقت شوط بردور عرش طواف میکنند وزد ہر قائمہ از قائمہائے عرش دور کعت نماز میگذارند وچوں صبح میشود علم ایشاں بسیار فزوں گردیدہ است۔

آپ نے خواہ افسوس سے خواہ لطف سے بطور کہانیوں کے ان حرخرافات کو پڑھا۔ پھر بھی خلاف واقعہ بات سننے سے وہ بھی اس مبالغہ کے ساتھ روح میں بھاری پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جی متلانے لگتا ہے۔ ملا باقر مجلسی کی باتیں تو ایسی ہی ہیں کہ انسان ایک ایک کہانی کو پڑھے اور سر دُھنا کرے اور لکھنے والے کی شان میں بس پورے ہی جذبہ سے کام لے نازک طبع شخص کا تو یہ جی چاہتا ہوگا کہ اگر کسی کے قبلہ وکعبہ ملا باقر صاحب ہوتے تو ان کا مونہ نوچ لیا جاتا اس سے بھی زیادہ اگر کوئی خیال کرے تو یہ کرسکتا ہے کہ اگر ان کہانیوں کا جن سے رسول کریم اور آپ کے اہلبیت پر بہتان بندیاں کی گئی ہیں۔ مصنف سامنے آجائے تو اُسے ادھیڑ ڈالا جائے مگر یہ ساری باتیں خاص نازک طبع اشخاص کے ساتھ مخصوص ہیں متین اور ٹھنڈی طبائع دل ہی دل میں کڑہتی ہیں اور اس خیال سے کہ اسلام اور اسلامیوں پر کس قدر یورشیں ہوئیں اور ناواقف مسلمانوں کو دشمناں دین کبریا نے کس قدر برباد کیا خون کے آنسو روتے ہیں اور خاموش ہیں۔ مگر اب وہ وقت آگیا کہ دودھ کا دودھ کا پانی کا پانی علیحدہ کردیا جائے اور سچے واقعات کا علم دنیائے اسلام کے لئے بہم پہنچایا جائے۔ لہذا ہر شخص کو بہت غور اور توجہ سے کام لینا چاہئے تا کہ وہ ایک عرصہ تک گمراہی میں نہ پڑا رہے۔

اب ہم تاریخ ابن الاثیر سے یہ مشہور واقعہ نقل کرتے ہیں جو تاریخی حیثیت سے ایک حد تک قابل سند ہے اور عقل باور کرتی ہے کہ کم وبیش جو کچھ لکھا گیا ہے۔ صحیح ہے۔ چنانچہ ابن الاثیر الجزری اپنی مشہور کتاب التاریخ الکامل کی جلد ۸ کو ان بیانات سے شروع کرتے ہیں۔ ہو ہذا۔

جس وقت رسول اللہ کا انتقال ہوا ہے تو حضرت ابوبکر اس وقت سخ میں تھے اور حضرت عمر رسول اللہ کے پاس موجود تھے۔ جب رسول اللہ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمر اس غم وغصہ میں بیتاب ہو کرا ٹھے۔ اور نکل کر کہنے لگے۔ کہ منافق لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا۔ واللہ وہ ہرگز مرے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایسے ہی اپنے رب کے پاس چلے گئے ہیں۔ جیسے موسیٰ بن عمران چلے گئے

ہیں. واللہ وہ لوٹ کر پھر آئیں گے. اور جو لوگ ان کو مرا بتاتے ہیں ان کے ہاتھ اور پیر قطع کریں گے۔

اسی میں رسول اللہ کی وفات کی خبر سن کر حضرت ابو بکر دوڑتے ہوئے آئے. اور عمر یہی کہہ رہے تھے. انھوں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا. وہ بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایک گوشہ میں کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے. ابو بکر نے آپ کا چہرہ کھول کر دیکھا. اور کہا آپ پر سے میرے ماں باپ قربان ہوں. آپ زندگی میں اچھے تھے اور اب مرنے کے بعد بھی اچھے ہیں. جو موت کہ اللہ تعالی نے آپ کی تقدیر میں لکھی تھی. وہ تو آپ کو نصیب ہوگئی. پھر منہ کو کپڑے سے ڈھک دیا. پھر باہر نکل آئے. دیکھا تو عمر وہی باتیں کر رہے تھے. ابو بکر نے ان سے کہا کہ چپ رہو. یہ کیا باتیں کرتے ہو. مگر وہ ایسے جوش اور غصہ میں بیتاب تھے. کہ انھوں نے کچھ نہ سنا. اور اپنی کہے گئے. حضرت ابو بکرؓ لوگوں کے سامنے آئے اور بولنے لگے. جب مخلوق نے ابو بکر کو بولتے دیکھا تو حضرت عمر کو چھوڑ کر سب لوگ ان کے پاس چلے گئے. حضرت ابو بکر نے پہلے تو اللہ تعالی کی حمد ثنا کی. پھر کہا بھائیو. جو شخص کہ محمد کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد تو مر گئے (اس کا دین بھی مر گیا. لیکن جو لوگ کہ اللہ تعالی کی پرستش کرتے ہیں سو وہ اللہ لا یموت ہے. وہ کبھی نہیں مرے گا (اس کا دین بھی زندہ ہے) پھر یہ آیت پڑھی۔"

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَا بِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. یعنی محمد اس سے بڑھ کر اور کیا ہیں کہ اللہ کے ایک رسول ہیں اور بس. ان سے پہلے اور بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پیروں کفر کی طرف پھر لوٹ جاؤ گے. اور جو الٹے پیر کفر کی طرف لوٹ جائے گا. وہ اللہ کا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا. اور جو لوگ اسلام کی نعمت کا شکر کرتے ہیں ان کو خدا عنقریب جزائے خیر دے گا. جس وقت ابو بکر نے باتیں کہیں اور یہ آیت پڑھی تو لوگوں کی اس وقت یہ حالت ہوگئی کہ گویا یہ آیت ابو بکر ہی سے سنی تھی پہلے سنی ہی نہ تھی (یعنی سب کے خیال میں خوب جم گئی) اور حضرت عمر کہتے ہیں کہ جب یہ بات میں نے سنی تو حیرت سے مجھ پر سکتہ کا عالم ہو گیا. اور پیر کانپنے لگے یہاں تک کہ مجھ میں کھڑے رہنے کی طاقت نہ رہی. اور زمین پر گر پڑا. اور مجھے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک مر گئے.

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی. اور اس کی خبر مکہ میں پہونچی. جہاں پر رسول اللہ کی طرف سے عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ عامل تھے. تو انھوں نے اس خبر کو چھپایا مگر یہ خبر کب چھپنے والی تھی سب جگہ مشہور ہوگئی اور مکہ میں گریٹری بچ گئی اور یہ نوبت پہونچ گئی. کہ وہاں کے باشندے مُرتد ہونے کے قریب ہوگئے یہ حالت دیکھ کر سہیل بن عمرو خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور انھیں چلا کر پکارا کہ جس سے سب لوگ جمع ہوگئے. پھر انہوں نے کہا ارے مکہ والو تم ایسے نہ ہو کہ سب پیچھے تو ایمان لائے اور سب سے پہلے مرتد ہو جاؤ. واللہ یہ امر (یعنی دین اسلام کا معاملہ) تمام اور کامل.....ہونے والا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا مجھے یاد ہے کہ ایک روز وہ تن تنہا اسی جگہ جہاں میں کھڑا ہوں کھڑے فرمارہے تھے کہ تم لوگ لا الــــہ الا اللہ کہو تمام عرب تمھارے رُو برو سر جھکادیں گے. اور تمام عجم تمھیں جزیہ دیں گے واللہ تم لوگ کسرے اور قیصر کے خزانے فی سبیل اللہ خرچ کروگے اس وقت لوگ کوئی تو ان کی بات سچ سمجھتے تھے. اور کوئی کوئی ہنستے تھے اس میں سے ایک حصہ تو تم دیکھ چکے کہ سچ ہوگیا. واللہ جو حصہ اس کا باقی رہا ہے. وہ بھی تم ضرور دیکھ لوگے۔ اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ لوگ مرتد ہونے سے رہ گئے. جس وقت کہ سہیل بن عمرو بدر کی لڑائی میں گرفتار ہوئے تھے. تو یہی پیشین گوئی تھی جو رسول اللہ نے ان کی نسبت حضرت عمر سے بیان کی تھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے. جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی. تو انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے کہ سعد بن عبادہ سے بیعت کریں. اور انھیں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنائیں (سقیفہ ایک چبوترہ کو کہتے ہیں. جس پر کچھ سائبان ڈال لیں اور ساعدہ ایک قبیلہ کا نام ہے. سقیفہ بنی ساعدہ سے مراد بنی ساعدہ کی چوپال ہے.) جب یہ بات حضرت ابوبکر کو معلوم ہوئی تو وہ انصار کے پاس گئے. اور حضرت عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح کو بھی ہمراہ لے گئے. اور ان سے جا کر کہا کہ تم لوگ یہ کیا کرتے ہو (خلافت قریش میں سے ہونا چاہئے). انھوں نے کہا کہ ایک امیر ہم (انصار) میں سے ہو اور ایک امیر تم (قریش) میں سے ہو حضرت ابوبکر نے کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ دو شخص امیر ہوں. معاملات اس طرح درست نہیں رہ سکتے ایک ہی شخص امیر ہونا چاہئے) ہم (مہاجرین) میں امیر ہوں اور تم (انصار) میں سے وزیر ہوا کریں) پھر حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں تو عمر اور ابوعبیدہ امین الامت میں سے کسی

ایک سے راضی ہوں چاہے ان میں کسی کو خلیفہ بنا دو. حضرت عمر نے کہا کہ تم میں کون ایسا ہے جو اُس شخص کے قدموں کے پیچھے رہنے سے خوش ہو جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آگے کیا ہے او ر یہ کہہ کر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی. اور اور لوگوں نے بھی بیعت کر لی.

انصار نے کہا یا یوں کہو بعض انصار نے کہا کہ ہم تو بجز علی کے اور کسی سے بیعت نہ کریں گے راوی کہتا ہے کہ علی اور بنی ہاشم اور زبیر اور طلحہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کی. اور زبیر نے کہا کہ میں تلوار اس وقت تک میان میں نہ کروں گا جب تک کہ لوگ علی سے بیعت نہ کریں. حضرت عمر نے کہا کہ اس کی تلوار چھین لو. اور اس کو پتھر مارو حضرت عمر آئے. اور ان سے بیعت کرا لی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت علی نے سنا کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے بیعت کی ہے تو نہایت جلدی سے باہر نکلے کہ قمیض کے سوا ان کے بدن پر ازار اور چادر بھی نہ تھی اور آ کر بیعت کر لی بعد ازاں ازار اور چادر منگوا کر پہنی مگر صحیح یہ ہے کہ امیر المومنین نے حضرت ابوبکر سے چھ مہینے کے بعد بیعت کی ہے واللہ اعلم (امیر المومنین سے مراد حضرت علی ہیں. یہ لقب حضرت عمر نے اپنے واسطے اختیار کیا تھا. مگر شیعہ لوگ حضرت علی کو اکثر اسی لقب سے پکارا کرتے ہیں).

کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت پر مجتمع ہو گئے اور ان سے بیعت کرنے لگے تو ابوسفیان یہ کہتے ہوئے آئے. کہ یہ گڑبڑی جو میں دیکھتا ہوں اے آل عبد مناف بغیر خون کے فرد ہو تی ہوئی نہیں معلوم ہوتی. تمہارے امور اور معاملات میں ابوبکر کو کیا دخل ہے وہ دونوں ضعیف اور ذلیل علی اور عباس کہاں گئے. قریش کے ایک ادنی اور اقل حی میں اس امر خلافت کا کیا حال ہو رہا ہے. پھر حضرت علی سے کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلا میں تجھ سے بیعت کرتا ہوں واللہ اگر تو چاہے تو تمام مدینہ کو سوار اور پیدلو ں سے بھر دیتا ہوں. حضرت علی علیہ السلام نے اس بات کو نہ مانا (علی کے لئے بجائے رضی اللہ عنہ کے علیہ السلام کہنا جو انبیاء کے لئے مخصوص ہو گیا ہے شیعوں کے ہاں مروج ہے) اور انھوں نے پھر یہ شعر متلمس کا پڑھا. "ولن یقیم علی خسف یر اد بہ. الا الا لا ن عیرا الحی والو تد"

اگر کسی ظلم کا ارادہ کسی پر کیا جائے تو اس کا تحمل بجز دو ذلیلوں کے اور کوئی نہیں کرتا ہے ایک تو کسی حی کی بار برداری کے جانور ہیں اور دوسری میخ ہے.

"ھذا علیا الخسف مر ہو ط برمتہ ‌ ‌ وذیشج فلا یبکی لہ احد"

یہ جانور تو بیچارہ مجبوراً گلے سڑی رسی سے بندھے رہا کرتے ہیں اور وہ میخ بھی ایسی ہے کہ اس کا سر کچلتی ہے مگر اس پر کوئی بھی نہیں روتا ہے اس پر حضرت علی نے انہیں جھڑک دیا، اور کہا۔ کہ اس سے تمہارا یہ ارادہ ہے کہ فتنہ برپا کر دو اللہ تم نے اسلام کے برخلاف مدتوں جھگڑے اٹھائے تھے۔ مجھے آپ کی نصیحت کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ (حقیقت میں بات یہ ہے کہ ابو سفیان ایک ایسے شخص تھے کہ ان کی عرب میں خوب چلتی تھی۔ اور ان کے مقابلہ میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ٹھہر سکتا۔ مگر ان کی قدرت ایزدی اور نبوت کے روبرو کچھ نہ چل سکی۔ اور ان کو اسلام کے روبرو سر جھکانا پڑا، اور اب امر خلافت ایسے ہاتھوں میں چلا گیا تھا۔ کہ جو ابو سفیان سے بھی زیادہ دانشمند اور سرچشمہ نبوت کے پختہ فیض یافتہ تھے۔ اگر ابو سفیان اسلام میں پیچھے نہ رہ جاتے تو نبوت کے بعد خلافت انہیں کا حصہ تھا۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن عوف سے قرآن شریف پڑھا کرتا تھا اسی میں حضرت عمر حج کو تشریف لے گئے۔ اور ہم بھی ان کے ساتھ حج کو گئے۔ وہاں مجھ سے عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں امیر المومنین کے پاس منیٰ میں گیا تھا۔ وہاں ان سے ایک شخص نے کہا۔ کہ میں نے فلاں شخص کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر حضرت عمر کا انتقال ہو جائے تو میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا۔ اس پر حضرت عمر نے کہا۔ آج شام کو میں لوگوں کے سامنے خطبہ کروں گا۔ اور انہیں ایسے شخصوں سے پرہیز کرنے کو کہوں گا۔ کہ جو لوگوں سے ان کے (امر خلافت) کو غصب کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ کہ میں نے ان سے کہا کہ امیر المومنین یہ حج کا موسم ہے ہر طرح کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور ایک بڑا غوغا ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی لوگ آپ کی مجلس میں کثرت سے آتے رہتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ اس مقام پر آپ جو الفاظ کہیں لوگ انہیں محفوظ کر اور یاد نہ رکھ سکیں اور انہیں کچھ کا کچھ کر کے اڑا دیں آپ کو چاہیے کہ مدینہ میں جانے تک ٹھہر جائیں اور جب وہاں خاص رسول اللہ کیا صحاب اکھٹے ہوں تو آپ ان سے وہ باتیں کہیں جو آپ کہنا چاہتے ہیں وہ آپ کی باتوں کو یاد رکھیں گے اور اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھیں گے حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا واللہ میں جس وقت مدینہ پہونچوں گا تو سب سے پہلے یہی کام کروں گا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ آیا تو جمعہ کے روز مجھے عبدالرحمٰن کی

گفتگو یاد آئی اور میں نے دیکھا کہ جب حضرت عمر ممبر پر تشریف لے گئے تو انہوں نے پہلے اللہ تعالے کی حمد و ثنا کی۔ اور پھر رجم کا اور کچھ منسوخات قرآنی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں میں سے ایک شخص کو کہتے سنا ہے کہ اگر امیر المومنین مر جائیں تو میں فلاں شخص سے بیعت کرونگا۔ سنو جو لوگ کہتے ہیں کہ ابو بکر کی بیعت پر ایک فتنہ کے طور پر ہوئی تھی وہ دھوکے میں ندرہیں یہ تو تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ابو بکر کے مثل ہم ایسا کوئی نہیں کہ جس کی طرف سب کی گردنیں اٹھتی ہیں اور ان کو چھوڑ کر بڑے بڑے لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہوں جس وقت رسول اللہ صلعم نے وفات پائی ہے تو وہ ہم سب میں بہتر اور بڑے تھے۔ تب بھی علی اور زبیر کو ہم سے تخلف کیا اور بی بی فاطمہ کے گھر میں ہم سے مخالفت کی۔ اور انصار بھی ہم سے الگ ہو گئے۔ مہاجرین نے ابو بکر کی طرف رجوع کیا۔ اس وقت میں نے ان سے کہا کہ چلو ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس چلیں چنانچہ ہم ان کی طرف گئے راستہ میں ہمیں انصار کے دو صالح آدمی ملے ایک کا نام عویم بن ساعدہ تھا اور دوسرے کا معن بن عدی انہوں نے ہم سے کہا لوٹ جاؤ۔ اور اپنے معاملہ کا فیصلہ اپنے آپس میں جا کر کرلو۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ پہلے ہم انصار کے پاس گئے۔ وہ اُسوقت بنی ساعدہ کے سقیفہ میں مجتمع تھے۔ اور ان کے درمیان ایک شخص کپڑوں میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ کہا سعد بن عبادہ ہیں اور کچھ بیمار ہو رہے ہیں۔ اس پر ایک ان میں سے اٹھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ اور پھر کہا ہم انصار ہیں اور اسلام کے لشکر ہیں۔ اور اے معشر قریش تم لوگ ہمارے درمیان رہتے ہو۔ تمہاری قوم کے لوگ کچھ ہمارے پاس چلے آئے تھے۔ مگر اب وہ ہم سے ہماری قوت کو ہی غصب کرنے لگے۔ پھر جب وہ خاموش ہو گیا تو میں نے جو چند باتیں اپنے دل میں سوچ رکھی تھیں کہ ابو بکر سے پہلے انہیں بیان کروں گا ان کے کہنے کا ارادہ کیا۔ جب ہی میں نے چاہا کہ کچھ کہوں کہ ابو بکر نے مجھے کہا ذرا ٹھہرو اور خود اٹھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد وہ سب باتیں بیان کر دیں جو میں نے اپنے دل میں سوچی تھیں بلکہ ان سے بھی بہتر طریق پر بیان کیا اور کہا اے معشر الانصار جو تم اپنی فضیلت کا ذکر کرتے ہو بے شک تم ایسے ہی ہو۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ لیکن عرب لوگ اس امر خلافت کا مستحق قریش کو سمجھتے تھے وہ عرب میں اپنے مقام اور نسب کے لحاظ سے بڑے شریف ہیں پھر

انہوں نے میرا اور ابو عبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑا۔ اور کہا کہ میں تو بیعت کے لئے ان دونوں میں سے کسی سے راضی ہوں۔ واللہ ابو بکر نے جتنی باتیں کہی تھیں ان میں سے میں نے کسی بات کو بجز اس کے مکروہ نہ جانا۔ میں اس بات کو اس قدر بُرا سمجھتا ہوں۔ کہ اگر میری کسی ایسی بات پر گردن بھی ماردی جائے جس سے میں گناہ میں ماخوذ نہ ہوں۔ تو میں اس کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ اس قوم پر میں امیر مقرر کیا جاؤں جن میں ابو بکر بھی موجود ہوں۔ پھر جب ابو بکر اپنی بات پوری کر چکے تو انصار میں سے ایک شخص اٹھ کر کہنے لگا کہ انا جذیلھا المحکک وعذیقھا المرجب۔ (میں اس معاملہ میں ایک جذیل محکک اور عذیق مرجب کی طرح ہوں۔ جذیل اور عذیق تصغیر تعظیم کے صیغہ ہیں۔ جذیل اُس چھوٹے سے لکڑ کو کہتے ہیں جو شتر خانہ میں کھڑا کر دیا کرتے ہیں کہ خارش والے اونٹ اس سے اپنی خارش کھجا کر اور بدن کو رگڑ کر تشفی کر لیا کریں۔ اور عذیق کھجور کے اس چھوٹے سے درخت کو کہتے ہیں جو میوہ سے بھرا ہوا ہو اور محکک اور مرجب باب تفعیل سے مفعول کے صیغہ ہیں۔ محکک وہ لکڑی ہے جس سے کھجاویں اور مرجب وہ درخت جو کسی لکڑی کے سہارے کھڑا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میں ایک ایسا شخص ہوں جس کی رائے معاملات میں کافی ہے اور اسی سے جو رائے میں دیتا ہوں اس کو ماننا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے مقرر کیا جائے۔

اس پر آوازیں بلند ہوئیں اور شور و غوغا ہونے لگا جب مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں خلاف نہ پڑ جائے تو میں نے ابو بکر سے کہا کہ ہاتھ پھیلاؤ۔ میں تم سے بیعت کرتا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ پھیلایا اور میں نے ان کی بیعت کی۔ پھر اور لوگوں نے بھی ان سے بیعت کی۔ پھر ہم نے سعد بن عبادہ کو پامال کر ڈالا۔ اس پر کسی نے اس میں سے کہا کہ تم نے سعد کو قتل کر دیا میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے سعد کو قتل کیا۔ واللہ میرے نزدیک تو ابو بکر سے کوئی شخص بھی بیعت کے لئے بہتر اور قوی نہیں ہے۔ مجھے اس امر کا خوف ہے۔ اگر میں لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ جاؤں۔ اور اس وقت بیعت کا معاملہ طے نہ ہو۔ تو وہ ایسا نہیں کہ کہیں ہمارے پیچھے کسی سے بیعت کر بیٹھیں۔ اس وقت یا تو ہم کو اپنی مرضی کے خلاف ان کی اطاعت کرنا پڑے گی یا یہ ہو گا کہ ہم ان سے مخالفت کریں گے اگر ہم نے مخالفت کی تو ضرور فساد ہو گا۔ ابو عمرۃ الانصاری بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ نے وفات پائی تو انصار

سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور سعد بن عبادہ کو مکان سے نکالکر لائے کہ انہیں اپنا امیر بنائیں۔ اسوقت وہ مریض تھے۔انہوں نے آ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناہ کے بعد بیان کیا۔کہ اے معشر انصار تم سابق الایمان اور ایسی فضیلت والے ہو۔کہ عرب میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے۔محمد اپنی قوم میں دس برس سے زیادہ رہے۔اور انہیں ایمان کی دعوت کرتے رہے اس عرصہ میں اتنے تھوڑے آدمی ان پر ایمان لائے کہ وہ خود اپنے پیغمبر کی حمایت نہ کر سکتے تھے۔اور نہ انہیں ان کے دین کے اعزاز کی اور دفع ظلم کی طاقت تھی۔اسی میں اللہ تعالیٰ نے تم کو فضیلت دینا چاہا۔تو اُسوقت اس نے تم پر اپنا کرم کیا اور ایمان تمہیں عطا فرمایا۔اور تمہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔اور اس کی اور اس کے اصحاب کی حمایت کی اور اسکا اور اسکے دین کا اعزاز کرنے لگے۔اور اُسکے دشمنوں پر جہاد کے واسطے کمر باندھی۔چنانچہ تم نے اس کے دشمنوں پر سب سے زیادہ سختی کی۔کہ جس سے عرب لوگ طوعاً وکرہاً اللہ کے کاموں کے لئے سیدھے ہو گئے۔اور دور دور تک انہوں نے اطاعت اختیار کی۔اب اللہ کے رسول نے وفات پائی اور وہ مرتے دم تک تم سے راضی تھا۔اس لئے چاہیے کہ کسی کو یہ کام نہ دو۔اس کام کا تمام اختیار تمہارے ہی واسطے ہے۔اور کسی کا اس میں کچھ حق نہیں ہے۔اس پر سب نے بالاتفاق جواب دیا کہ تمہیں اللہ توفیق دے۔تمہاری رائے بالکل درست ہے ہم چاہتے ہیں کہ یہ امر خلافت تیرے ہی ہاتھ میں دیں اور تجھے ہی اپنا ولی بنائیں کیونکہ تو ایسا شخص ہے کہ تیرے حکم وقضا سے سب مسلمان راضی اور خوشنود ہیں۔پھر انہوں نے آپس میں رد وبدل شروع کی۔اور قریش کے مہاجرین نے اس سے مخالفت کی۔اور کہا کہ ہم لوگ مہاجرین اور رسول اللہ کے اصحاب اول اور ان کے عشیرہ اور اولیا سے ہیں اس پر ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہوا۔اس کے بغیر ہم کبھی راضی نہ ہوں گے۔یہ سنکر سعد بن عبادہ نے کہا۔کہ یہ بات پہلے ہی پھوٹ ہے کام درست ہونا دشوار ہے۔اس میں یہ خبر حضرت عمر نے سنی۔اور نبی کے مکان کو آئے جہاں ابوبکر تجہیز وتکفین کے کام میں مصروف تھے۔حضرت عمر نے گھر میں آدمی بھیج کر ابوبکر سے کہا کہ ذرہ میرے پاس باہر آؤ۔انہوں نے وہاں سے کہلا بھیجا کہ میں تو کام میں مشغول ہوں۔ حضرت عمر نے کہا کہ ایک نیا معاملہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے جس میں آپ کی سخت ضرورت ہے۔حضرت ابوبکر

یہ سنتے ہی نکل کر باہر آئے تو اس سے عمر نے یہ سارا حال بیان کیا۔ اور پھر دونوں جلدی جلدی سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے اور ابو عبیدہ بھی انکے ہمراہ گئے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو اس سے پہلے ہی میں نے اپنے دل میں کچھ باتیں سوچ لی تھیں۔ کہ جب میں وہاں پہنچوں گا تو یہ کہوں گا جب میں نے چاہا کہ کچھ کہوں تو حضرت ابو بکر نے مجھ سے کہا کہ ذرا ٹھہر و اور جو باتیں کہ میں نے سوچ رکھی تھیں وہ سب اور بہت اچھی طرح سے بیان کر دیں۔ انہوں نے اول تو اللہ کی حمد و ثنا کی۔ اور پھر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان سے اپنے رسول کو جو اپنی امت کے افعال کا شہید اور شاہد تھا مبعوث فرمایا تا کہ وہ لوگ جو کتنے ہی لکڑی اور پتھر کے معبودوں کی پرستش کرتے تھے۔ انہیں چھوڑ کر اپنے اللہ کی عبادت کرنے لگیں۔ یہ بات عربوں کو نہایت ناگوار گذری کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑیں اور اس نئے مذہب کو قبول کریں۔ مگر آاللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی قوم میں سے مہاجرین اولین کو یہ توفیق بخشی اور انہوں نے اس کے رسول کی تصدیق کی اور اس کی اقتدا کے لئے موجود ہو گئے اور جو جو ایذائیں ان کی قوم نے انہیں دیں اور اسکے تکذیب کی اس پر انہوں نے بخوبی صبر و تحمل کیا۔ حالانکہ اس وقت تمام لوگ اسکے مخالف تھے۔ اور شیر کی طرح ان پر حملہ کرتے تھے۔ مگر باوجود اتنی قلت تعداد کے اور لوگوں کی دشمنی کے اس سے ہرگز جدا نہ ہوئے اس لئے وہ ہی لوگ ان میں سب سے اول ہیں جنہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اور وہ ہی اسکے اولیا اور عشیرہ ہیں اور اسکے بعد اس کا اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے احق ہیں۔ اس میں جو شخص ان سے منازعت کرے وہ ظالم ہے۔ اور اے معشر انصار آپ لوگوں کے دین میں جو فضیلت ہے اور اسلام میں جو آپ لوگوں نے سبقت کی ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مرضی سے اپنے دین کا اور اپنے رسول کا انصار تمہیں بنایا ہے۔ اور اپنے رسول کی ہجرت تمہاری طرف کرائی ہے اس لئے مہاجرین اولین کے بعد ہمارے نزدیک تمہاری منزلت کا اور کوئی شخص نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہم میں امیر ہونا چاہیے۔ اور آپ لوگوں میں سے وزیر ہونا ضرور ہے۔ چاہیے کہ تم تمام مشوروں میں شریک ہو جاؤ اور کوئی کام تمہاری مشاورت بغیر نہ کیا جائے۔

اس پر خباب بن المنذر بن الجموح کھڑے ہوئے اور انصار سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ کام

تمہارا ہے تم اسے اپنے قبضہ میں لے لو۔ کیونکہ اور سب لوگ تمہارے ظل حمایت میں ہیں۔ کسی کی اتنی جرأت نہیں ہے کہ جو تمہارے خلاف میں کھڑا ہو۔ لوگ تمہارے رائے بغیر کوئی کام نہیں کرتے ہیں۔ تم لوگ صاحب عزت ہوا اور تمہاری تعداد بھی بہت ہے۔ اور دلیری اور دلاوری بھی تمہارا ہی حصہ ہے۔ لوگوں کی نظریں تمہارے افعال کی طرف اٹھتی ہیں۔ چاہیے کہ تم آپس میں مخالفت نہ کرو۔ نہیں تو تمہارے کاموں میں فساد پڑ جائے گا وہ لوگ سحرا سکے اور کچھ نہیں مانتے جو انہوں نے تم کو سنا دیا ہے اے مہاجرین اس لئے ہم میں سے ایک امیر ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ حضرت عمر نے کہا ہرگز نہیں۔ دو امیر کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ واللہ عرب لوگ اس سے کبھی راضی نہ ہوں گے کہ تم امیر بنائے جاؤ۔ اور نبی تم میں سے نہ ہو۔ اور اس بات سے انکار کریں گے کہ جن لوگوں میں نبوت تھی وہ ہی لوگ اُسکے خلیفہ مقرر کئے جائیں۔ اب جو شخص کہ ہم سے محمد کی سلطنت کو چھینے تو اسکے واسطے ہمارے پاس یہ ظاہری حجتیں موجود ہیں۔ کیونکہ ہم اس کے اولیاء اور عشیرہ والے ہیں۔

خباب بن المنذر نے کہا اے معشر انصار تم مالک اور امیر بن جاؤ اور اس شخص کی اور اس کے ساتھیوں کی باتیں مت سنو۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس معاملہ خلافت میں تمہارا حصہ اسے چھین لیں۔ اگر تمہاری رائے کو نہ مانیں تو انہیں اس ملک سے نکالدو۔ اور ان کاموں کی ولایت پر اپنا قبضہ کر لو اس خلافت کے واسطے تمہیں لوگ احق ہو۔ اس دین کی جو لوگوں نے اطاعت کی ہے وہ تمہاری شمشیروں کے زور سے کی ہے میں جذیل محکلک اور عذیق مرجب ہوں۔ اور شیروں کی جھاڑی میں شبل (شیر کے بچہ) کا باپ ہوں۔ (یعنی میں ایسا ہوں کہ میری رائے قابل تعمیل و پذیرائی ہے اور جو میں کہتا ہوں یہی کرنا چاہیے) واللہ اگر تم جو چاہتے ہو تو میں ان لوگوں کی پھر وہ ہی حالت کر دوں گا۔ حضرت عمر نے کہا آللہ تجھے غارت کرے۔ خباب نے کہا مجھے نہیں بلکہ آللہ تجھے غارت کرے ابو عبیدہ نے کہا اے معشر انصار تم لوگ وہ ہو کہ جنھوں نے اس دین کی سب سے اول نصرت کی ہے۔ تمہیں چاہیے کہ وہ لوگ مت ہو جنھوں نے اس دین کو سب سے اول بدلا۔ اور بگاڑا ہو۔ اس پر بشیر بن سعد جو نعمان بن بشیر کے باپ تھے اٹھے اور کہا اے معشر انصار میری تو یہ رائے ہے کہ اگر چہ ہم مشرکین پر جہاد کرنے سے اور سابق الاسلام ہونے سے صاحب فضیلت ہیں مگر اس سے ہمارا مقصود

بجز اسکے اور کچھ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کریں۔ اور اپنے نبی کی اطاعت بجا لائیں اور اپنی ذات کے لئے انہیں ثواب حاصل کریں۔ یہ ہمیں نہ چاہیے کہ ایسے لوگوں پر ہم سربلندی کا زینہ بنائیں اور دنیا کی جستجو کریں۔ یاد رکھو کہ محمد قریش سے تھے اور ان کی خلافت کیلئے انہیں کی قوم زیبا ہے۔ اور وہ ہی اولیٰ اور احق ہے مجھے اللہ کی قسم ہے کہ میں ان سے اس معاملہ میں کبھی جھگڑا نہ کروں گا۔ اللہ سے ڈرو اور تم لوگ ان سے مخالفت نہ کرو۔ پھر حضرت ابوبکر نے کہا کہ یہ عمر اور ابو عبیدہ موجود ہیں۔ ان میں سے تم لوگ جس سے چاہو بیعت کرو۔ ابو عبیدہ نے کہا واللہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ تمہارے ہم والی بنیں۔ تم افضل المہاجرین اور نماز رسول کے خلیفہ ہو۔ اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے اول و افضل چیز ہے جب اس میں تم خلیفہ ہوئے تو اور سب جگہ تمہیں کو خلیفہ ہونا چاہیے۔ اپنا ہاتھ پھیلاؤ ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں۔ جب ان دونوں نے چاہا کہ ابوبکر کی بیعت کریں اور آگے بڑے تو بشیر بن سعد جھپٹے اور بڑھ کر ان کی سب سے اول بیعت کی۔ جب خباب بن المنذر نے دیکھا کہ بشیر نے ابو بکر سے بیعت کر لی۔ تو انہوں نے چلا کر کہا کہ تو نے رشتہ داروں کی مخالفت کی۔ اور اپنے ابن عم کی امارت کو پسند نہ کیا۔ اور اس سے نفسانیت کی۔ بشیر نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بات ہے کہ میں مہاجرین کا حق چھیننا نہیں چاہتا۔ پھر جب بنی اوس نے دیکھا کہ بشیر نے خزرج کی مخالفت کی اور خزرج کو سعد کے امیر بنانے سے کیا مطلب ہے۔ تو ان میں سے ایک دوسرے نے آپس میں کہا۔ جن میں اسید بن حضیر اون کے نقیب اور سردار بھی تھے واللہ اگر خزرج ایک مرتبہ والی بن گئے تو انہیں اس سے تم پر ہمیشہ کو فضیلت ہو جائے گی اور پھر وہ تم کو اس میں سے کچھ بھی کبھی حصہ نہ دیں گے۔ اٹھو اور چلو ابوبکر سے بیعت کر لو۔ اس سے وہ اٹھے اور انہوں نے ابوبکر سے بیعت کر لی۔ اور سعد کا اور نیز خزرج کا جو ارادہ تھا وہ سب درہم برہم ہو گیا اور چاروں طرف سے لوگوں نے دوڑ دوڑ کر ابوبکر سے بیعت کر لی۔ پھر سعد بن عبادہ اپنے گھر کو پلٹ گئے اور اس کو کتنے ہی روز گذرے گئے پھر حضرت ابو بکر نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ جیسے اور لوگوں نے ان کی بیعت کی ہے چاہیے وہ بھی ان کی بیعت کر لیں سعد نے کہا واللہ میں تو اس وقت تک بیعت نہ کروں گا کہ جب تک میرے ترکش میں تیر موجود ہیں۔ اگر تم زبردستی کرو گے تو میں تم پر اپنے تیر چلاؤں گا کہ ترکش خالی ہو جائے اور اپنے رمح کے سنان

کو خون میں رنگوں گا۔ اور پھر تلوار لوں گا اور اپنے اہل بیت اور توابع کو لیکر تم سے لڑوں گا۔ گو تمہارے ساتھ تمام جن وانس جمع ہو جائیں میں تو تمہارے تو تم سے اللہ کے پاس جانے تک بیعت کرنے والا نہیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ سعد سے بیعت لینا چاہیے بشیر بن سعد نے کہا کہ سعد اب ضد پر آ گیا ہے اور انکار کر رہا ہے وہ مارا جائے گا مگر بیعت نہ کرے گا۔ اگر وہ مارا گیا تو اس کے ساتھ اس کے اہل بیت اور عشیرہ والے بھی مارے جائیں گے۔ اگر تم ان کو اپنی حالت پر رہنے دو تو کوئی حرج نہیں ہے وہ ایک اکیلا شخص ہے اس لئے قریش نے انہیں بے بیعت لئے چھوڑ دیا۔ بنی اسلم نے بھی آ کر حضرت ابو بکر کی بیعت کر لی۔ اس سے انہیں بڑی قوت حاصل ہو گئی اور پھر اور لوگوں نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ کہتے ہیں کہ عمرو بن الحریث نے سعید بن زید سے پوچھا کہ حضرت ابو بکر کی لوگوں نے بیعت کب کی۔ سعید نے کہا جب رسول اللہ کی وفات ہوئی لوگوں نے اس امر کو مکروہ جانا کہ ایک دن بھی بغیر امیر کے رہیں۔ اور اسی لئے اسی روز ان سے بیعت کر لی۔ تا کہ جماعت میں کچھ فرق نہ آئے۔ زہری نے بیان کیا ہے کہ علی اور ہاشم اور زبیر نے حضرت ابو بکر سے چھ مہینے تک بیعت نہ کی جب بی بی فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد انہوں نے بھی حضرت عمر سے بیعت کر لی۔ جب حضرت ابو بکر سے لوگوں نے بیعت کی تو دوسرے روز منبر پر جا کر بیٹھے۔ اور عام لوگوں نے آ کر ان سے بیعت کی پھر انہوں نے خطبہ کیا۔ اور پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر کہا بھائیو میں تمہارے اوپر والی مقرر ہوا ہوں۔ اگر میں اچھے کام کروں تو تم میری اعانت کرو اور اگر میں کچھ برائی کروں تو تم مجھے سیدھا راستہ بتا دو۔ کیونکہ صدق ایک امانت ہے اور اس کے برخلاف کذب خیانت ہے اگر میں تم میں سے کسی کا حق نہ دوں تو وہ کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو میرے نزدیک قوی ہے اور اگر کسی سے میں حقدار کا حق نہ دلاؤں تو وہ کیسا ہی قوی کیوں نہ ہو میرے نزدیک ضعیف ہے انشاء اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو نہ چاہیے کہ جہاد سے منہ پھیرے۔ کیونکہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ وہ جہاد کو چھوڑے اور اللہ اس کو ذلیل نہ کر ڈالے جب تک میں اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کروں اس وقت تک تم بھی میری اطاعت کرو، اور جب میں اللہ اور رسول اللہ کی نافرمانی کروں تو اس وقت میری اطاعت تم پر فرض نہیں ہے۔ اٹھو آؤ نماز پڑھیں اللہ تم پر رحمت کرے۔　　　جب حضرت ابو بکر کی بیعت ہو چکی تو لوگ رسول اللہ کی تجہیز و تکفین کی طرف

متوجہ ہوئے اور سہ شنبہ کے روز آپ کو دفن کر دیا۔ بعض نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ آپ کا جنازہ تین روز تک بغیر دفن کے رکھا رہا۔ مگر اول روایت زیادہ صحیح ہے۔ رسول اللہ کے غسل میں علی اور عباس اور عباس کے دونوں بیٹے فضل اور قثم اور نیز اسامہ بن زید اور شقران رسول اللہ کے مولئے شریک تھے۔ اور ان کے ساتھ اوس بن خولی الانصاری بھی آ گئے تھے۔ جو صحابہ بدری تھے عباس اور ان کے بیٹے تو رسول اللہ کو کروٹیں بدلاتے اور اسامہ اور شقران پانی ڈالتے تھے۔ اور حضرت علی انہیں نہلاتے جاتے تھے۔ اور رسول اللہ قمیص پہنے ہوئے تھے اور علی کہتے جاتے تھے۔ بابی انت وامی ما اطیبک حیا و میتا رسول اللہ میں کسی نے کوئی ایسی نجاست وغیرہ کی چیزیں نہ دیکھیں جیسی مردوں میں ہوا کرتی ہیں۔ جب نہانے کی تجویز ہوئی تو اس امر میں اختلاف ہوا کہ آیا رسول اللہ کو آپ کے کپڑوں ہی میں غسل دیا جائے یا برہنہ کر لیا جائے اس میں سب پر ایک خواب کا سا عالم چھا گیا اور کسی کہنے والے نے کہا کہ رسول اللہ کو آپ کے کپڑوں میں ہی غسل دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر اس کہنے والے کا حال نہ معلوم ہوا کہ کون تھا۔ اور رسول اللہ کو کفن تین کپڑوں کا دیا گیا۔ دو صحاری تھے اور ایک چادر جبرہ۔ (یمنی چھینٹ) کی تھی (صحار یمن میں ایک قریہ ہے وہاں کے کپڑے مشہور تھے) ان کپڑوں میں آپ کو لپیٹ دیا تھا۔ پھر جب دفن میں بھی لوگوں کی رائے کا اختلاف ہوا تو حضرت ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی جہاں وفات پایا کرتے ہیں۔ وہیں ان کو دفن کیا جاتا ہے۔ اس لئے فرش اٹھا کر جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ اسی جگہ آپ کو دفن کر دیا گیا۔ آپ کی قبر ابوطلحہ انصاری نے کھودی تھی۔ اور نماز کے لئے اول مردوں کے گروہ آئے اور نماز پڑھی پھر اسی طرح عورتیں پھر لڑکے پھر غلام آئے۔ اور سب نے نماز ادا کی آپ کو چار شنبہ کی شب کو دفن کیا تھا۔ اور قبر میں علی بن ابیطالب اور فضل اور قثم عباس کے بیٹے اور شقران اترے تھے۔ اس پر اوس بن خولی الانصاری نے علی سے کہا۔ کہ رسول اللہ ﷺ سے ہم بھی تو فیض اٹھانے کے حقدار ہیں۔ ہم کو بھی قبر میں اترنے کی اجازت دیجئے علی نے انہیں بھی اجازت دی اور وہ بھی قبر میں اترے۔ مغیرہ بن شعبہ دعویٰ کیا کرتے تھے۔ کہ میں رسول اللہ کے زمانہ میں سب سے چھوٹا تھا۔ میں نے عمداً اپنی انگوٹھی قبر میں ڈال دی۔ اور اسکے نکالنے کے واسطے اندر اترا (کہ میں بھی ثواب میں داخل ہو جاؤں) اسکی نسبت حضرت

علی سے عراق والوں نے سوال کیا۔ انہوں نے کہا مغیرہ محض جھوٹ کہتا ہے ہم سب میں چھوٹے اسوقت قثم بن عباس تھے۔

اس باب میں بھی اختلاف ہے کہ جس روز رسول اللہ کا وصل ہوا ہے تو آپ کی عمر کیا تھی۔ ابن عباس اور بی بی عائشہ اور معاویہ اور ابن المسیب نے بیان کیا ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ برس کی تھی۔ اور نیز ابن عباس نے اور دغفل بن حنظہ نے کہا ہے کہ پینسٹھ برس کی تھی۔ اور عروہ بن الزبیر کا قول ہے کہ آپ کی عمر ساٹھ برس کی ہوئی تھی۔ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین و تدفین کے مشرح اور کامل حالات آپ ملاحظہ کر چکے اسی طرح انتخاب خلیفہ کا سارا قصہ آپ نے اچھی طرح پڑھ لیا اور سمجھ لیا۔ ساری باتیں سیدھی سیدھی اور صاف صاف ہیں۔ مگر ہمارے شیعی علماء نے خواہ مخواہ ان معاملات میں وہ رنگا میزی کی ہے کہ ایک معمولی عقل کا انسان بھی ان کے تحریر کردہ حالات کو دیکھ کے معاً یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ چانڈو خانہ کی گپ یا ایک قصہ نویس کا ہذیان ہے۔ اسکی تصدیق آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ شیعوں کی معتبر کتب کی جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ سب ہمارے اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ کافی ہیں اسکے بعد سب سے زیادہ دردناک توہین آمیز دل آزار اور ہولناک بیان۔

حضرت علی کی بیعت: کا ہے جو شیعی احباب نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ واقعہ اصل یہ ہے کہ حضرت بی بی فاطمہ خاتون محشر کی زندگی تک یقیناً حضرت علی نے صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ہوئیں خلیفہ بن جاؤں مگر مہاجرین اور انصار کی نظروں میں ابو بکر و عمر کے مقابلہ میں چونکہ ان کی کوئی وقعت نہ تھی اس لئے خلافت کی خواہش ان کے دل ہی کے دل میں رہی۔ ایک معتبر روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حالت مرض میں ایک دن علی کے چچا عباس نے علی سے کہا بہتر ہے کہ رسول کریم کے پاس چل کے تم اپنی خلافت کا فیصلہ کرلو۔ اس پر حضرت علی بولے اس معاملہ کو گوگو ہی میں رہنے دو۔ اگر ہم نے آپ سے خلافت کا ذکر کیا اور آپ نے میری خلافت کے لئے صاف انکار کر دیا تو میں ہمیشہ کے واسطے اس سے محروم ہو جاؤں گا لہٰذا بہتر ہے کہ اس معاملہ کو یوں ہی رہنے دو یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ حضرت علی کی کوئی وقعت دراصل حضور انور کی نظروں

میں نہ تھی یہی وجہ تھی کہ حضور نے کبھی انہیں نہ کسی بڑے کام پر متعین فرمایا نہ زیادہ اپنی حضوری کا شرف بخشا۔ حضور انور نے چونکہ آپ کو بچہ سا پالا تھا دوسرے اپنی چہیتی بیٹی کی شادی آپ سے کردی تھی اس لئے آپ کی دل آزاری اور نازیبا حرکات سے آپ چشم پوشی فرمایا کرتے تھے تو بھی بحیثیت انسان ہونے کے آپ کو صدمہ بہت ہوتا تھا اور بعض اوقات تو آپ اس صدمہ کو ضبط بھی نہ کر سکتے تھے۔ جیسا کہ ابوجہل کی لڑکی کی نسبت کا معاملہ ہے۔ حضرت علی نے خلاف معاہدہ ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنے کی ٹھان لی اور پوشیدہ پوشیدہ بات چیت شروع کردی۔ یہاں تک کہ معاملہ طے ہو گیا صرف نکاح ہونا باقی تھا کہ حضرت خاتون محشر بی بی فاطمہ کو خبر ہوئی۔ آپ روتی ہوئیں اپنے پُرشان باپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ساری کیفیت اپنے غم اور مصیبت کی بیان کی۔ حضور انور بیٹی کی یہ کہانی سن کے بہت متاثر ہوئے اور آپ کو بھی اس قدر رنج ہوا جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اخیر آپ اسی رنج و غصہ میں مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ آپ کی یہ پریشان حالت دیکھ کے آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ ممبر پر کھڑے ہوئے اور یہ بیان کیا کہ علی ابوجہل کی لڑکی سے خلاف معاہدہ اور قول و قرار شادی کرنا چاہتا ہے حالانکہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک کافر کی بیٹی اور نبی کی بیٹی ایک گھر میں جمع ہوں۔ بہتر ہے کہ علی فاطمہ کو طلاق دے دے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ عبد مناف میں جو میرا داماد ہے اس نے جو وعدہ کیا ایفا کیا۔ اور کبھی نکس عہد کی مباورت نہیں کی میں اپنے اس داماد کی تعریف کرتا ہوں۔ فقط (یہ حدیث تفصیل کے ساتھ بخاری میں موجود ہے) نبی اللہ کا اتنا غصہ اور غم محض حضرت علی کی عہد شکنی سے ہوا تھا۔ اب بتاؤ ایسے شخص کا کیا ٹھکانا رہے گا جو معصوم نبی کو اپنی عہد شکنی سے اتنا رنج دے اور پھر کسی قسم کی تلافی نہ کرے۔ جہاں تک ان قدیم حالات پر غور کیا جاتا ہے اور واقعات کو چھانا جاتا ہے حضرت علی کے تعلقات اپنی بیوی فاطمہ کے ساتھ کبھی اچھے نہیں رہے۔ جب حضور انور کا وصال باری تعالیٰ ہوا ہے تو حضرت علی نے محض سیادت اور حکومت حاصل کرنے کے لئے حضرت خاتون محشر کو مجبور کیا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کے مہاجرین اور انصار کے ممتاز لوگوں کے گھروں پر جائیں اور انہیں آمادہ کریں کہ خلافت کی گدی مجھے دیدیں۔ ناچار خاتون محشر نے ایسا ہی کیا۔ ہر گھر میں آپ کی عزت بہت ہوئی مگر علی جیسے شخص کی خلافت کے لئے کسی نے حامی نہیں بھری۔ اور اس حرکت سے عام ناراضی

علی کی طرف سے سرداران قریش اور انصار میں پیدا ہو گئی کہ انہوں نے بلا وجہ اور بلا سبب خاتون محشر کو کیوں اسقدر تکلیف دی اور ان کے اعزاز کا مطلق خیال نہ کیا۔ جب اس میں بھی آپ کو ناکامی ہوئی تو آپ گھر میں بیٹھ رہے اور ابو بکر کی بیعت سے منہ موڑ لیا۔ چھ مہینے تک یہی کیفیت رہی کہ آپ نے ایک باغی کی سی زندگی گزاری۔ جب خاتون محشر کا انتقال ہو گیا تو اب آپ نے اپنے لئے یہی بہتر سمجھا کہ ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کر لیں کیونکہ آپ نے دیکھ لیا کہ قوم کی قوم ابو بکر کو اپنا سردار مان چکی ہے۔ میرے تنہا انحراف سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ آپ نے صدیق اکبر کو اپنے گھر پر بلایا اور جو کچھ اپنی شکایت تھی وہ صدیق اکبر کے گوشگوار کر دی۔ صدیق اکبر نے ہر بات کا مسکت جواب دیا۔ اخیر حضرت علی راضی ہو گئے۔ مسجد میں آئے کثرت سے مہاجرین انصار جمع تھے۔ صدیق اکبر ممبر پر کھڑے ہوئے اور جو کچھ حضرت علی نے بیان کیا تھا وہ حرف بہ حرف حاضرین کو سنا دیا اور جو کچھ خود جواب دیا تھا وہ بھی بیان کر دیا سب نے خلیفہ رسول اللہ کی تصدیق کی اور سب کو پورا اطمینان ہو گیا۔ اور حضرت علی نے اپنی غلط فہمی پر پچھتائے کے نہایت خلوص اور محبت بھرے دل سے بیعت کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بیعت سے مشرف ہو گئے۔ کل مہاجرین اور انصار نے اس شرف کے حاصل ہونے اور آپ کے دامن سے بغاوت کا دھبہ دھلنے پر حضرت علی کو مبارک باد دی۔ اس سوال و جواب اور بیعت کی مفصل کیفیت کتاب شہادت کی گزشتہ کسی جلد میں چھپ چکی ہے۔ جسے یہاں دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں۔

ابو بکر کی خلافت میں حضرت علی: بیعت کرنے کے بعد آپ ابو بکر کے صادق دوست بن گئے۔ آپ بحیثیت مشیر سلطنت کام کرتے رہے آپ کو بیت المال سے معقول معاوضہ ملتا رہا۔ آپ چونکہ منافق نہیں تھے لہٰذا اخیر تک صدق مقالی سے نبھا دی۔ مثل عام عربوں کے آپ کی طبیعت میں بھی آزادی تھی اور جو رائے آپ سے لی جاتی تھا آپ آزادی سے اور صفائی سے دے دیا کرتے تھے۔ مگر اکثر اوقات آپ کی رائے غلطی پر مبنی ہوتی تھی۔ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں جتنے فیصلے کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث و فقہ میں آپ کو بہت کم ادراک تھا۔

آپ کی نسبت توہین آمیز روایتیں: جہاں تک پتہ چلتا ہے اور تاریخ دیکھی جاتی ہے آپ بحیثیت وزیر سلطنت ابو بکر، عمر اور عثمان کے نصف زمانہ خلافت تک کام کرتے رہے۔ خلیفہ نام کا

خلیفہ ہوتا تھا باقی اس کے لباس۔اس کی معاشرت،اسکی نشست وبرخاست سے کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا
کہ ان لوگوں میں خلیفہ کونسا ہے حضرت علی کا خلا ملا جیسا کہ ہونا چاہیے تھا اسی طرح رہا مگر افسوس ہے کہ
آپ ہی کے زمانہ میں ایک ایسے گروہ کا ظہور ہوا جو فی الحقیقت آپ کے خاندان کا آپ کے بچوں کا
جانی دشمن تھا مگر بظاہر دوستی اور محبت کا دم بھرتا تھا جس سے حضرت علی ایسے تنگ ہو گئے تھے کہ اخیر
آپ نے خلاف شرع ان میں سے بعض کو زندہ جلا دیا۔اس گروہ کا نام خوراج قرار دیا گیا اس میں دو
فریق ہو گئے ایک کو خوارج کہا گیا اور دوسرے کو روافض،خوراج تو علی الاعلان علی اور آپ کے بچوں کو
بُرا کہنے لگے مگر روافض نے اپنے کو دوست اور محبّ علی قرار دے کے خوارج سے دس حصہ زیادہ علی کی
توہین پر کمر باندھ لی اور اس ناپاک امر کو نہ صرف اپنے مذہب بلکہ اپنی زندگی کا بہت بڑا اصول قرار دیا
دیا۔ہر سال بلکہ ہر مہینہ بلکہ ہر ہفتہ اور ہر روز بھری محفلوں میں دوستی اور محبت کے پردہ میں ہزار ہا
گالیاں دینی شروع کر دیں جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔اسی جماعت کے سرغناؤں نے سب
سے پہلے یہ اڑائی کہ جب کل صحابہ ابوبکر ہاتھ پر بیعت کر چکے اور علی نہ آئے تو ابوبکر نے عمر کو بھیجا کہ علی
کو پکڑ لاؤ علی نے یہ سن کر کہ عمر اور خالد گرفتاری کے لئے آئے ہیں ڈر کے مارے اپنے گھر کا دروازہ
بند کر دیا۔جب عمر وخالد علی کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔آواز دی دروازہ کھولدو وہاں سے
جواب نہ آیا۔اخیر عمر وخالد اور ان کے دوسرے ساتھی دروازہ توڑ تو نہ سکتے تھے کیونکہ وہ ان کی قدرت
سے باہر تھا۔لہٰذا انہوں نے لکڑیاں اکٹھی کیں۔دروازہ کے برابر چن دیں اور ان پر قریشیا تیل ڈال
کے آگ لگا دی دروازہ جب جلنے لگا اور شعلے بلند ہوئے تو علی خود تو جب بھی نہ اُٹھے بلکہ اپنی بیوی
حضرت خاتون محشر کو جلتے ہوئے دروازے کے پاس بھیجا کہ تم جا کے عمر سے بات چیت کر آؤ یہ بھی
بیان کیا گیا ہے کہ بی بی فاطمہ پورے دنوں پیٹ سے تھیں اور جو بچہ پیٹ میں تھا اسکا پہلے سے نام بھی
تجویز کر لیا گیا تھا۔غرض آپ جلتے دروازہ کے پاس کھڑی ہی ہوئی تھیں اور ابھی آپ کی زبان مبارک
سے ایک بات بھی نہ نکلی تھی کہ جلتا ہوا دروازہ آپ کے شکم مبارک پر آ پڑا جس سے (معاذ اللہ) آپ کا
حمل ساقط ہو گیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اس پر بھی بقول دشمنان علی اور اہلبیت علی فاروق اور ان کے
ساتھیوں کو رحم نہ آیا۔وہ دلیرانا مکان کے اندر گھس گئے علی کو پکڑ لیا پہلے خوب گتھم گتھا ہوئی۔اخیر علی

مغلوب کر لئے گئے ان کی چھاتی پر خالد اور عمر فاروق کا ایک غلام چڑھ بیٹھا اور ان کے ہاتھ باندھ دئے اور گھسیٹے ہوئے ابوبکر کے سامنے لائے ہزاروں صحابہ نے شیر آللہ کو اس حالت میں دیکھا پھر حکم ہوا کہ یہ بیعت نہ کرے تو اس کی گردن ماردو۔ اس لئے علی نے جان کے خوف سے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس کہانی سے غیر مذہب کا شریف اور مہذب شخص بھی کانپنے لگے گا کہ واقعی رسول کریم کے بھائی، رسول کریم کے داماد اور رسول کریم کے صحابی کی اس سے زیادہ بے عزتی نہیں ہو سکتی کہ صرف اسے اور اس کی بزرگ اور والاشان بیوی کو گالیاں دینے کے لئے یہ کہانی تراشی اور اسپر اتنا زور دیا کہ آج تک اس سے محفلیں گرم کی جاتی ہیں اور خوب خوب دل کے جلے پھپھوے پھوڑے جاتے ہیں بھلا خیال تو فرمائے کہ ابتداء کتاب شہادت کی اسی جلد میں آپ کیا پڑھ آئے ہیں کہ حضرت علی نے لاکھوں جنات کو آنا فانا میں قتل کر دیا۔ جبرئیل بھی علی کی شمشیر زنی سے کانپ اٹھے یا آج وہی علی ہے کہ اس کی بیوی کی اس کی آنکھوں کے سامنے بے حرمتی ہو رہی ہے۔ وہ رسن درگلو گھسیٹا جا رہا ہے نہ اسکی غیرت میں جوش آتا ہے اور نہ اسے حرارت آتی ہے دو تین آدمی اُس کے گھر میں جاتے ہیں اسے پٹخنیاں دیتے دیتے ادموا کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے گلے میں رسیاں ڈالکے اُسے گھسیٹ لاتے ہیں اور وہ گھسٹتا ہوا ساتھ ساتھ چلا آتا ہے نہ اسکی ذوالفقار چلتی ہے نہ وہ قوت کام دیتی ہے جس قوت نے خیبر کا وہ دروازہ اکھیڑ لیا تھا جو بعد ازاں چالیس آدمیوں سے بھی نہ اُٹھ سکا۔ آپ ہی کی رائے پر چھوڑا جاتا ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کرلیں آیا علی اور آپ کے اہلبیت کی نسبت ایسی باتیں کہنی انتہائے دشمنی پرمبنی ہیں یا نہیں؟ دوستو وہ وقت آ گیا کہ ان بزرگان دین کو اس تاریکی اور غلاظت سے نکال لیا جائے اور دکھا دیا جائے کہ حضرت علی اور دوسرے صحابہ مثل سگے بھائیوں کے شیر و شکر تھے اور کبھی ان میں مطلق شکر رنجی بھی نہیں ہوئی۔ قومی مقاصد اور ملکی معاملات اور ان کے مباحث سے اختلاف یا دشمنی کا دھوکا نہ کھاؤ جس طرح یورپ میں ہر پارلیمنٹ میں دو جماعتیں ہوتی ہیں جو ملکی معاملات میں اختلاف رائے رکھتی ہیں۔ مگر دونوں میں برابر کی حب الوطنی اور ایک دوسر کی محبت ہوتی ہے۔ یہی کیفیت صحابہ کی تھی۔ اور بس

ابوبکر کی خلافت کے خلاف حضرت علی کی سازش:۔ یہ تو سارا قصہ آپ سن چکے

اور کل اونچ نیچ ملاحظہ فرما چکے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں مورخ مجبور ہے کہ جو کچھ گزر چکا ہے بے کم وکاست بیان کردے یہاں باطل عقاید کا گزر نہیں ہے۔ ہر شے کے دونوں پہلو دکھائے جاتے ہیں۔ خواہ بعض عوام کے مخالف طبع ہی کیوں نہ واقع ہو۔ ملاؤں نے بچپن سے عقاید باطلہ کے بھوتوں سے مسلمانوں کو ایسا خائف کر رکھا ہے کہ اگر کوئی صحیح مستند اور متفق علیہ تاریخی بات بیان کی جائے تو منہ بنانے لگتے ہیں۔ اور خواہ مخواہ اول جاول بکنے لگتے ہیں۔ مگر محقق کو ان بیہودہ گوئیوں کے مطلق پروا نہیں ہوتی۔ جو کچھ اسکی تحقیق میں ثابت ہوتا ہے وہ بے کم وکاست لکھ دیتا ہے۔

حضرت علی میں جہاں اور خوبیاں تھیں۔ وہاں طلب جاہ کی محبت یا خواہش اس قدر بڑی ہوئی تھی کہ وہ ہر شے اس راہ میں قربان کرنے میں پس وپیش نہ کرتے تھے۔ اور انکی اسی خواہش کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے ان ہی کے عہد میں تلوار چلی اور یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کا گلا کاٹا۔ انصار اور مہاجرین میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ ان کی کوئی وقعت نہ تھی اسیطرح اس حرص وآز اور ناز یا خواہشات پر رسول کریم ان سے ہمیشہ ناراض رہے۔ عادتیں اس قسم کی تھیں کہ حضرت خاتون محشر ایک دن بھی اپنے شوہر سے خوش نہیں رہیں۔ آپ خواہ مخواہ خلیفہ بننا چاہتے تھے۔ جب سب نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور انصار میں سوائے سعد بن عبادہ یا ایک اور اس کے ساتھی کے کوئی بیعت کرنے سے باقی نہ رہا تو حضرت علی جیسا کہ ابھی لکھا جا چکا ہے۔ خاموش اپنے گھر بیٹھ رہے مگر سعد عبادہ علی سے اس بات میں اچھا رہا کہ وہ مدینہ ہی سے نکل گیا۔ اور اس نے خلافت ابوبکر کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالا۔ برخلاف علی کے کہ انھوں نے بیعت خلیفہ وقت ہی سے نہیں انکار کیا بلکہ چند فتنہ پردازوں کو گھر میں جمع کرکے خلافت کے درہم برہم کرنے کی سازشیں کرنے لگے۔ یہ کتنی خوفناک بات تھی اگر علی کی سازش کامیاب ہو جاتی تو حرم محترم کس طرح رسول کریم کے وصال کے بعد سے خون میں رنگا جاتا اور بغاوت کی آگ نفس اسلام کو ہمیشہ کے لئے مدینہ کی گلیوں میں بھسم کر دیتی۔ اس خطرناک سازش کی خبر سارے مدینہ میں پہنچ گئی۔ صحابہ کو علی کے اس فعل سے سخت پریشانی ہوئی۔ مزید تحقیق پر معلوم ہوا کہ سازش بڑے زور شور سے کی جارہی ہے۔ مگر اس سازش میں جناب سیدہ حضرت خاتون محشر شریک نہیں ہیں۔ وہ اپنے شوہر علی کو کئی

بار کر چکی ہیں کہ ایسا مت کرو مگر وہ نہیں سنتے غرض جب صحابہ نے دیکھا کہ پانی سر سے گزر چلا اس کا استیصال کرنا چاہیئے تو ایک دن عمر فاروق ان سازش کرنے والوں کے پاس پہنچے جو پوشیدہ جلسہ میں سیدہ کے مکان میں آیا کرتے تھے اور اس سازش میں پورے شریک تھے۔ انہیں سمجھایا کہ تم ایسا نہ کرو اور علی کے ساتھ کسی سازش میں شریک نہ ہو ورنہ یاد رکھنا کہ جہاں تم بیٹھ کے سازش کرتے ہو وہی گھر جلا دیا جائے گا۔ اور تم وہیں بھسم ہو کے رہ جاؤ گے۔ یہ دھمکی تو صرف ان فتنہ پردازوں کو دی تھی۔ جو سازش میں شریک ہوتے تھے۔ علی سے یا سیدہ سے تو پاس اعزاز سے کسی نے بات بھی نہیں کی۔ اس زمانہ میں جبکہ قانون اور آزادی کی حکومت ہے۔ سلطنت کے خلاف سازش کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ہر شخص اس تسلیم کرنے میں پس و پیش نہیں کرنے کا کہ اگر یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ جاتی کہ علی کے گھر سے ایک ایسا فتنہ اٹھیگا جو اسلام کے جسم کو لہولہان اور دین کے پیراہن کو پارہ پارہ کر دے گا تو ایک بات نہیں یا ایک علی کے نہیں بلکہ سو علی کے گھر خاکستر کر دینے چاہئیں مگر صحابہ کی بردباری وقار تحمل صبر اور رواداری کی یہاں تک ہو گئی تھی کہ انھوں نے براہ راست علی کو چشم نمائی نہیں کی بلکہ جو لوگ شریک سازش تھے انہیں دھمکایا۔ اب رہی گھر جلانے کی دھمکی تو یہ عرب کا محاورہ ہے اس سے گھر جلانا مقصود نہیں ہوتا اسکی مثال یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ نماز جماعت سے نہیں پڑھتے ترک جماعت سے باز نہ آئے تو میں ان کا گھر پھونک دوں گا اس سے ایک قسم کی تہدید اور سخت چشم نمائی مقصود ہوتی ہی نہ کہ سچ مچ کا جلانا۔ دوسرا خیال یہ ہوسکتا ہے۔ کہ سیدہ کے گھر کی نسبت عمر فاروق کو ایسا خیال سمجھیا بھی نہ ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ مگر یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی جبکہ سیدہ کا مکان حرم کعبہ سے زیادہ محترم نہیں ہوسکتا جہاں کوئی شخص امان کیلئے جائے تو قانوناً محفوظ ہو جاتا ہے مگر مفسدوں کو رسول کریم نے وہاں بھی امان نہیں دی ابن خطل کا قصہ موجود ہے جو عمر فاروق کے ہاتھ سے اس مقام پر قتل کیا گیا تھا۔ جو پردوں کے بیچ میں تھا اور جسے آشیانہ تجلی کہا جاتا ہے۔ جب مفسدوں کو ایسی جگہ بھی پناہ نہ ملی تو پھر حضرت فاطمہ کے مکان میں کس لئے پناہ دی جاتی۔ جبکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ بیت اللہ سے زیادہ حضرت فاطمہ کا گھر محترم نہیں ہوسکتا حرم محترم میں تو مفسد قتل بھی ہوئے مگر یہاں تو خالی دھمکی ہی دھمکی تھی۔ اس سے ایک پر کے سو پرہ پھر سو پروں کے سو کوے بنالے

انصاف ایمان اور وقائع نویسی کے خلاف ہیں اب رہی خود حضرت فاطمہ خاتون محشر اگر سچ پوچھو تو ان سازشی جلسوں سے گھبرا گئی تھیں اپنے شوہر علی کیوجہ سے وہ خون کے سے گھونٹ پی پی کے چپکی ہو رہی تھیں۔ مگر اپنے شوہر کیان کاروائیوں سے انھیں رنج بہت ہوتا تھا۔ وہ بعض باتیں مجبور ہو کے کرتی تھیں۔ مگر انکے دل پر صدمہ بہت ہوتا تھا مثلاً حضور انور رسول کے بعد خچر پر سوار کر کے اور حسنین کو ساتھ دیکے سرداران انصار اور ان مہاجرین کے گھروں پر بھیجا اور کئی روز تک پھرانا کس قدر معیوب بات تھی۔ مگر خاتون محشر نے مجبور ہو کے اسے بھی برداشت کیا اسی طرح ابوبکر خلیفہ بن گے ہیں۔ تو حضرت علی کا مکان سازشوں کا مرکز بن گیا تھا۔ آپ نے چند آدمی ایسے بہم پہنچا لئے جو آپکے ساتھ سازش میں شریک تھے۔ اور جو مدینے میں خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی تدبیریں کر رہے تھے اب یہاں سے شیخین کی بزرگی وفضیلت ومحبت علی وفاطمہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ ادب یا پاس محبت سے نہ حضرت علی سے اس کا معارضہ کیا کہ انہوں نے خلیفہ وقت کی بیت سے منہ موڑھا نہ اس کی سزادی کہ وہ حالت بغاوت میں کئی مہینے تک مدینہ میں رہے یہاں تک کہ جب اس سازش کا راز افشا ہوا ہے اس وقت بھی علی یا فاطمہ سے ہُوں تک نہ کی بلکہ دوسرے آنے والوں اور سازش کرنے والوں کو دھمکایا کہ ایسا مت کرو۔ ورنہ جس مکان میں تم اس قسم کی بغاوت کے مشورے کرتے ہو وہ مکان تم ہی پر پھوک دیا جائیگا۔ اب اس بحث اور جواب کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیے کہ جب عثمان غنی مدینہ میں شہید ہوئے اور حضرت علیؓ خواہ کسی صورت سے خلیفہ نامزد ہوئے تو چند آدمی جو خون عثمان غنی کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ یعنی قاتلوں کی تلاش میں تھے۔ حضرت علی کے خوف سے مکے معظمہ میں چلے آئے۔ اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر میں پناہ لی جو نہ صرف اُم للمومنین اور اس لحاظ سے حضرت علی کی ماں بلکہ رسول اللہ چاہتی بیوی تھیں حضرت علی نے ان قصاص چاہنے والوں کو قتل کر دیا اور ذرا بھی پاس نہ انکی بے گناہی کا کیا اور نہ اپنی ماں اور ام المومنین کا ادب کیا اگر کوئی عذر یا جواب حضرت علی کی طرف سے دیا جائے گا تو وہی عذر اور جواب فاروق اعظم کی طرف سے ہو سکتا ہے اسکے علاوہ دونوں معاملات میں بعد المشر قین ہے ایک جگہ فقط ڈرانا اور دھمکانا ہی ہے او ر دوسری جگہ خون اور قتل وغارت ہے۔ (معاذ اللہ)

اسی واقعہ میں زبیر بن عوام حضور انور کے پھوپھی زاد بھائی کا بھی ذکر کیا گی ہی کہ منجملہ

سازش کرنے والوں کے ایک وہ بھی تھے اور انہیں بھی عمر فاروق نے دھمکایا اور ڈرایا تھا۔ جب حضرت فاطمہ یہ سنا تو انھیں یعنی زبیر بن عوام کو صاف طور پر کہدیا کہ آیندہ ہمارے گھر میں آ کے ایسا مشورہ دکیا کرو۔ مگر شیعی احباب اسے بھی عمر فاروق کی بہت ہی گستاخی اور سوء ادبی جانتے ہیں کہ انھوں نے حضور انور کے پھوپھی زاد بھائی کو اس طرح کیوں کہا مگر تماشا دیکھے کہ جب یہی زبیر بن عوام عثمان کے قاتلوں سے قصاص چاہتے ہیں۔ تو شیعی احباب انہیں واجب القتل جانتے ہیں۔ اور تمام دنیا کی زبان دارزیاں ان پر ختم کردیتے ہیں۔ ''ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا''۔

افسوس ہے شیعی مصنفین کی اس ناانصافی اور دیدہ الیری پر کہ جب یہی زبیر بن عوام خلافت کے الٹنے او ر مدینے میں غدر برپا کرنے کے مشورے کریں تو واجب التعظیم ہوں انا اللہ وانا الیہ راجعون یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ جن پر لمحہ بھر بھی توجہ کی ضرورر۔ ہوتی مگر چونکہ شیعی احباب نے بات کا بتنگڑ بنالیا ہے اور اسی واقعہ پر کتابیں کی کتابیں لکھ ڈالی ہیں اسلئے اتنا عرض کیا گیا۔ ورنہ یہ ایسی معمولی باتیں ہیں جو تاریخوں میں کسی طرح بھی انکے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ایسے قصوں میں رنگا آمیزی ہوتی چلی گئی۔ اور اخیر اصل واقعہ اڑاڑ کے شعرا کی خیال آفرینیاں رہ گئیں۔ یہ صحیح ہی کہ گذشتہ شیعی مصنفین نے حضرت فاطمہ کا گھر جلنے اور معاذ اللہ آپ کا حمل ساقط ہونے کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے کیا مگر جب تعصب اندھا کردیتا ہے تو مخالفوں پر الزام دینے کے لئے نئی نئی اور خلاف واقعہ باتیں تراش لیجاتی ہیں پھر کسی کا ذرا بھی پاس وادب نہیں کیا جاتا۔ انصاف سے غور فرمایئے۔ کہ اس سے زیادہ حضرت خاتون محشر کی اور کیا توہین ہوسکتی ہے کہ انکا گھر فرضی طور پر جلایا جائے اسی قناعت نہ کی جائے بلکہ انکے شوہر حضرت علی کے گلے میں رسی ڈلوا کے گھسٹوایا جایے اور اس پر بھی بس نہ ہو بلکہ انکا حمل بھی ساقط کرایا جائے اور پیٹ کے بچے کا خود ہی نام رکھ کے اس کا ماتم کیا جائے اور بہت شدومد سے عام مجلسوں میں بیٹھ کے یہ تبرے بازی حضرت خاتون محشر پر اڑائی جائے اور حضور انور کی صاحب زادی کا ذرا پاس ولحاظ نہ کیا جائے آپ کسی شیعی صاحب سے دریافت کریں کہ کیا انہیں گوار ہوسکتا ہی کہ کوئی دوسرا شخص انکی بیوی، بہن او ر بیٹی کا ایسا ہی قصہ بنا کے جابجا عام آدمیوں کے سامنے کہتا پھرے اور وہ اسے اعلی درجے کی محبت

سمجھ کر خوش ہوں نہیں ایسا کبھی نہیں ہوتے کا وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور اپنے مقدور بھر کو شش کرینگے کہ کسی طرح اس شخص کی زبان بند ہو تو پھر کتنے شرم کا مقام ہے کہ حضرت فاطمہ کے معاملہ میں وہ یہ فیصلہ نہیں کرتے اور انکے دلوں میں فاطمہ اور انکے شوہر اور انکے بچوں کی دشمنی کچھ ایسی پیدا ہوگئی ہے۔ کہ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوائے ان دل آزاد اور توہین آمیز باتوں کے انکے منہ سے کچھ نہیں نکلتا۔ لاکھوں کروڑوں عورتوں کی سرتاج اور عصمت وعفت پناہ خواتین کی ملکہ کے ساتھ اس سے زیادہ دشمنی کیا ہو سکتی ہے کہ اسے بر سر بازار ذلیل کیا جاتا ہے۔ اور محض فرضی قصوں کی بنا پر اسے وہ وہ گالیاں دی جاتی ہیں کہ العظمۃ اللہ اور پھر نہایت خیرہ چشمی سے اس کا نام محبت اہلبیت رکھا جاتا ہے اور دعوی کیا جاتا ہے کہ ہم سے زیادہ کوئی محب اہلبیت رسول نہیں ہے۔

کچھ مسلمانوں ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ شیعوں کے اس نا قابل معافی طرز عمل کی بابت اگر آپ کسی ہندو عیسائی اور آریا سے بھی دریافت کرینگے تو وہ بھی بول اٹھے گا کہ واقعی ایک دیوی کی اس لیں زیادہ توہین نہیں ہو سکتی۔ یہ سب باتیں بدیہی اور مبرہن ہیں جن کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ادنی سے ادنی قوم کا شخص بھی اسے گوارا نہیں کر سکتا بلکہ لوگ تو مستورات کا ذکر مردوں میں بیٹھ کے کرنے سے عموما احتراز کیا کرتے ہیں۔ حضرت علی کی بیعت کا قصہ آپ ملاحظہ فرما چکے کہ آپ نے بالکل مایوس اور نا امید ہونے کے بعد بیعت کی تھی۔ جب تک خاتون محشر زندہ رہیں آپ کو اُمید بندھی رہی مگر جب آپکا انتقال ہو گیا تو آپ کی اُمید منقطع ہوگئی اور آپ نے ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ صدیق اکبر کی خلافت کا ایسا کوئی مشہور واقعہ نہیں ملتا جس میں حضرت علی کی شرکت ہو اور اُس کا بیان کیا جائے صرف آپکی زندگی کچھ تو فدک کا انتظام کرنے اور اسکی کھجوریں بیچنے میں صرف ہوتی تھی اور کچھ خاندان کے جھگڑوں اور ٹنٹوں میں کیونکہ آپ اپنے چچا عباس سے اکثر برسر پرخاش رہا کرتے تھے اور بر سر دربار ایک دفعہ تو اسقدر سخت کلامی کی نوبت پہنچ ہوگئی تھی کہ بخاری نے لفظ سب سے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایسی جھڑپ چچا بھتیجوں میں کبھی تو کھجوروں کی تقسیم پر اور کبھی جو، وغیرہ کے حصہ ہو جایا کرتی تھی اور یہ کچھ ایسی بڑی بات نہ تھی۔ ابو بکر صدیق اور حضرت علی میں ایک بیعت کا واقعہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اور دوسرا فدک کا بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی نے خاتون محشر کو ابو بکر صدیق کے

پاس بھیجا کہ فدک ہمارے قبضہ میں دیدو چنانچہ خاتون محشر گئیں اور ابو بکر سے یہ سوال کیا یہ سنتے ہیں ابو بکر حیران رہ گے کہ رسول کریم کی صاجزادی خلاف قاعدہ یہ کیا فرماتی ہیں آپ نے جواب دیا کہ اس میں رسول اللہ کے اور رشتہ دار بھی حقدار ہیں جنہیں سرور عالم اپنی زندگی میں برابر دیتے رہے لہٰذا میں علی اور عباسؓ کے سپرد کر دیتا ہوں۔ اسکی آمدنی کی تقسیم اسی طرح ہونے چاہیئے جیسا رسول کریم فرماتے تھے اور بس چنانچہ خاتون محشر خاموش ہو گئیں اور سیدھی اٹھ کے چلی آئیں حضرت علی کو ابو بکر کا یہ فیصلہ اچھا نہ معلوم ہوا۔ اور انھوں نے دوبارہ فاطمہ کو بھیجا بلکہ بطور گواہ خود بھی ساتھ گئے مگر یہ ساری چھچھوری باتیں تھیں کچھ بھی نہیں ہوا دربار خلافت سے جو حکم ہوا وہ بحال رہا اور اخیر عباس علی کے چچا اور خود حضرت علی اسکے منتظم بنے اور عمر بھر روٹیاں کھاتے رہے قصہ مختصر یہ ہے کہ اگر خیبر کی آبادی میں کوئی باغ فدک کے نام کا تھا اور اس پر یہ ردو بدل ہوا تو بس اس قدر صحیح ہے جو ہم نے لکھا ہے باقی ہمارے شیعی احباب نے اپنی حسب عادت جو اس واقعہ میں شاعرانہ رنگ میری کی ہے یہ ان ہی کا حصہ ہے۔ اس پر ہمیں تو زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہیں۔ کیونکہ جس شخص نے کتاب شہادت کو غور سے پڑھا ہے وہ اس بات کو جانتا ہے کہ شیعوں نے ہر فرضی معاملہ میں کتنی کہانیاں تصنیف کر لی ہیں اور یہ خلاف بیانی انکا روز مرہ ہے لہٰذا کسی مسلمان کو اس پر توجہ کرنی نہ چاہیے جو قوم فرضی واقعات کی بنا پر ہزاروں قصے کہانیاں بنالے اسکے آگے فدک کے معاملہ کی ہستی کیا ہے اس موہوم اور بے بنیاد مسئلہ پر کتابیں کی کتابیں تالیف کر ڈالیں گئیں جن کا مقصود معاملہ فدک کو صاف کرنا نہیں ہے۔ بلکہ صدیق اکبر اور عمر فاروق کو بدنام کرنا ہے اور بس۔ ابو بکر صدیق کی خلافت میں تو جیسا کہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کوئی ایسا واقعہ جس سے حضرت علی کو تعلق ہو نہیں ہوا۔ ہاں عمر فاروق کے زمانہ میں دو نامور، واقعے ضرور ہوئے جن کا تعلق حضرت علی کی ذات سے ہے۔ پہلا کام تو اُم کلثوم حضرت علی کی صاجزادی کا نکاح حضرت عمر فاروق سے دوسرے امام حسین کی شادی شہر بانو یزد جرد کی لڑکی سے یہ دونوں واقعے ایسے ہیں جو زیادہ نامور اور مشہور حضرت علی ہیں اُم کلثوم کے نکاح کے متعلق تو مولانا محمد حسین موسی جو شیعوں کی نظروں میں فاروق اعظم سے بھی افضل ہیں جب ذیل عبارت تحریر فرماتے ہیں عن عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ قال خطب عمر الی علی ابنة من فاطمة و اکثر دہ الیہ فقال

یا امیر المو منین ما عندی الا صغیرہ فقال عمر ما یحملنی علی اکثر فتردی
الیک الا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل حسب ونسب وصھم
منقطع یوم القیمۃ الا حسبی ونسبی وَسببی وصھری فقام علی رضی اللہ عنہ فامر با
بنتہٖ من فاطمۃ فزینت و بعث بھلا لی عمر رضی اللہُ عنہ فلمار اھا قال الیھا فا
جلسھا فی حجرہٖ و قبلھا ودعالھا فلما قامت اخذ بسا قھا وقال لھا قولی لا بیک
قد رضیت قد رضیت فلما جآء ت الجا ریۃ الی ابیھا قال لک امیر المو منین منین
قالت لما رانی قام الی فاجلسی فی حجرہ و قبلتی دعا لی فلما ثمت اخذ بساقی
وقال لی لا بیک قد رضیت فانکحما ایاہ فولدت زید بن عمر فعاش حتی کان رجلا
وروایت دیگر آنکہ خطب عمر الی علی رضی اللہ عنھما بنتہٗ بن کلثوم وامھا فاطمۃُ
ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ علی ان علی فیہ ای نی ھذ الکتاب امر
حتیٰ إستاذ نھم فانی ولد فاطمۃ فذکر ذلک لھم فقال زوّجۃُ قد دعاامُ کثوم وھی
یومیذٍ صبیہ فمال انطلقنی الی امیر الموعمنین فقولی لہ ان ابی یقرئک السلام و
یقول لک انا قضینا ماجتک ا لتی طلبت فا خد ھا وصمھا الیہ وقال انی خطبتُھا
الی ابیھافز وجیھا فقیل یا امیرالمومنین یرید الیھا صبیۃ صغیرۃ فقال انی سمعت
رسول اللہ صلی علیہ وسلم وذکر الحدیث بمثل ماتقد م روایت ابن سمان
آنکہ ان عمر قال لعلی انی احب ان یکون عندی عضو من اعضاء رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہٗ علی ما عندی الا ام کلثوم وھی صغیرۃ فقال إن تمش
فقال ان لھا امیر ین معی قال نعم فر جع الی اھلہٖ وقعد عمر ینتظرُ ما ر دُ علیہٖ فقال
علی ادعوا الحسن والحسین فجا ءَ الد خلا وقعذ ابین یدیہٖ محمد اللہ واثنی علیہ
ثُمّ قال لھماان عمر خطب الی اُختِکما فقلت لہٗ ان لھا معی امیرین وانی کرھت ان
اُزو جھا انا حتیٰ اومر کما فتکت الحسین وتکلمہ الحسن فحمّد اللہُ واثنی علھیہ
ثم قال یا ابتاہ من بعد عمر صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولن نی عنہ وھو

CamScanner

ارض لنمه و لی الخلافته فعدل قال صدقت ولکنی کرهت ان اقطع امر دو نکما بلفظه

اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی نے اپنی اس صاحبزادی کا جس کا نام کلثوم تھا اور جو خاتون محشر حضرت فاطمہ کے بطن سے تھیں عمر فاروق کے ساتھ بخوشی وخرمی نکاح کر دیا اگر چہ موجودہ زمانے کے شیعہ اسی نکاح سے انکار کرتے ہیں مگر ان کے بزرگ اس سے منکر نہ تھے انہوں نے ہمیشہ اور ہر زمانے میں اس کی تصدیق کی ہے۔ دوسرا واقعہ حضرت امام حسین کی شادی کا ہے جب ایران فتح ہوا ہے اور شاہی خاندان کی مستورات اور جنگی قیدیوں کے ساتھ مدینہ میں آئی ہیں تو شہر بانو اور دوسری شاہی خاندان کی لڑکیوں کو آزادی دے دی گئی اور انہیں یہ بھی اختیار دے دیا گیا کہ اگر ان کی مرضی شادی کرنے کی ہے تو وہ اپنے شوہروں کا انتخاب خود کر لیں مختلف عورتوں نے مختلف اشخاص سے نکاح کر لیا مگر شہر بانو نے امام حسین کا انتخاب کیا اور پھر انکے ساتھ شادی کر دی گئی شیعی روایتوں کے بموجب نشانی کے رسم مدینہ میں بڑی تزک واحتشام سے ادا کی گئی سارا مدینہ چراغان کیا گیا۔ امام حسین گھوڑے پر سوار کئے گئے۔ خلیفہ وقت یعنی فاروق اعظم پا کھر پکڑ کے پیادہ وہ گھوڑے کے ساتھ ساتھ تمام شہر میں پھرے اور اس طرح نہایت خوش اسلوبی سے اس شادی کا خاتمہ ہوا۔ اگر چہ حال کے بعض مصنفین اس سے بھی انکار کرتے ہیں کہ شہر بانو سے امام حسین کی شادی ہرگز نہیں ہوئی کیونکہ ایران کے فتح ہونے کے زمانے میں امام حسین بالکل نابالغ تھے وغیرہ وغیرہ مگر ہمارا منشاء فی الحال اس بحث میں پڑنے کا نہیں ہے ہمیں تو فقط دکھانا یہ ہے کہ شیعی روایتوں کے بموجب عمر فاروق کی محبت علی اور اولاد علی کی کیسی بین شہادت ملتی ہے اور آپ کے علاوہ محبت کے کس بلا کا احترام تھا کہ گھوڑے کی پا کھر پکڑے سارے شہر مدینہ میں پا پیادہ پھرے ہیں جل جلالہ عم نوالہ باہمی بغض وعداوت کی ساری کہانیاں منہ کے بل گر پڑتی ہیں ان روایتوں کو دیکھنے کے بعد کوئی وہم بھی نہیں کر سکتا کہ ان کے باہم کچھ شکر رنجی تھی۔ اب رہا بعض معاملات میں اختلاف حضرت علی کی طبیعت اور اس کے خاصہ سے بعض امور کا پیدا ہونا جانا بنا دشمنی ہرگز نہیں ہو سکتا مثلاً حضرت علی کے دل میں یہ خواہش موجزن ہوئی کہ تمام سلطنت کا میں ہی مالک بن بیٹھوں اور یہ خواہش خلاف اصول ہونے سے پوری نہ ہوئی تو اس مخالفت کی

کوئی بات نہ تھی۔ حضرت علی اپنی غلطی کو بعدازاں تسلیم کر لیتے تھے اور ان میں یہی بڑی خوبی تھی کہ وہ اپنی غلطی کی پچ نہیں کیا کرتے تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ مثل سگے بھائیوں کے تھے اور اسلام نے انہیں متحد بنا دیا تھا ان کے اختلاف خیال سے اسلام یا مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اتحاد یہاں تک زبردست تھا کہ حضرت عثمان غنی یا حضرت علی کے شہید ہونے پر بھی نظام سلطنت بالکل نہیں بگڑا اور انتظام کی ایک لڑی بھی ڈھیلی نہیں ہوئی۔ اگرچہ حضرت علی اچھے منتظم اچھے سپاہ سالار اچھے مقنن نہیں تھے پھر بھی نیک نیت ضرور تھے۔ اور جو کچھ کرتے تھے اپنے خیال میں حق سمجھ کر کرتے تھے خواہ دراصل وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ جو غلطیاں ان سے سرزد ہوئیں وہ محض انسانیت کا تقاضا تھا وہ معصوم نہیں تھے نہ انہوں نے کبھی اپنے معصوم ہونے کا دعویٰ کیا۔

حضرت علی کی خلافت (ایرانیوں کی طباعی اور مذاق کہانیاں عقائد بن گئیں):۔

عربوں کا لٹریچر اور ایرانی خیال آفرینیاں:۔ اسلامی تاریخ میں حضرت علی کی خلافت کا زمانہ کیا بلحاظ خونریزی و کمزوری، کیا بلحاظ عداوت و دشمنی، وآپادہاپی، بہت ہی افسوس ناک گزرا ہے، ہمیں واقعات خلافت ابن ابی طالب کے لکھتے وقت اُن رازہائے سربستہ میں سے ہو کے گزرنا پڑا ہے جو سچ مچ ایک عالم کو ششدر کرنے کا مادہ رکھتے ہیں، اور ایسی باتیں بھی اس زمانے کی دو چار ہوں گی جو ننگ ناموس اکبر اور منشاء رسول مقبول کے بالکل خلاف تھیں، ایک وقائع نگار اخیر کیا کرے، کیا تو وہ کسی واقعہ پر قلم اٹھانے کا نام نہ لے اور اگر واقعات قلم بند کرنے کے لئے تیار ہو تو حق کو کبھی نہ چھپائے، اور جس شے کا اظہار کرے اُس کے تاریک اور روشن دونوں پہلو دکھا دے۔ قدیم مُسلمانوں کی وقائع نگاری میں بھی یہی بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ مطالب کے اظہار میں نہ مبالغہ سے کام لیتے ہیں، نہ طرف داری سے گو تواریخی انضباط سے وہ زیادہ تعلق نہیں رکھتے اور نہ ان کی کتابوں میں تاریخی ترتیب پائی جاتی ہے، مگر انکا وقائع نگاری کا طریقہ بہت سادہ ٹھیک ٹھیک اور بلا مبالغہ ضرور ہے۔ جب تک ایران کا مبالغہ اور کھینچ تان کی چاشنی وقائع نگاری میں نہ ملی۔ تاریخی علم ادب گو بے ترتیب ہی سہی مگر سچائی سے بھرا ہوا ہے۔ آللہ ایرانیوں کا بھلا کرے کہ جب ان کا ہاتھ اسلامی تاریخ پر پڑا ہے اس میں لفاظی کی دھوم دہام۔ مطالب کی کمی، مبالغہ کی چاشنی، سادگی کی جگہ علم ادب میں صنائع

،اور استعارے پیدا ہونے لگے اور اخیر یہ رنگ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ واقعات کی کتابیں قصے اور کہانیوں کی کتابیں بن کے رہ گئیں اور آج جو شخص ان کتابوں کو پڑھتا ہے اُسے بالکل مشرقی فسانہ معلوم ہوتا ہے اور ایسا مشرقی فسانہ کہ جو کتابیں قصے کہانیوں کی بھی لکھی گئی ہیں وہ ان کے مبالغہ، کذب محض ،اور تخیل کے آگے پانی بھرتی ہیں۔

مثلاً کتاب بحارالانوار جس شخص نے ترتیب دی ہے اُس میں فسانہ کی پوری قوت اور پورے قواعد کا اس بے باکی اور زور کے ساتھ اظہار کیا ہے کہ وقائع نگاری کا خفیف سا رنگ بھی اتنی لمبی چوڑی کتاب میں کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ یہ نہ صرف واقعات ائمہ کی ایک کتاب ہے بلکہ شیعی دنیا میں اس فسانہ کی وقعت میں ایسا مبالغہ کیا گیا ہے کہ اُسے معاذ اللہ قرآن مجید سے بھی زیادہ عظمت دیدی گئی ہے۔ حالانکہ ایک صاف اور نتھرا ہوا افسانہ ہے، اور ایسا فسانہ ہے جس میں نہ صرف مبالغہ سے ہر واقعہ کو بیان کیا ہے بلکہ کذب محض کی انتہا سے گذر کے ایک وہ شاہراہ کھولی گئی ہے جہاں اتہامات کا ساز و سامان ،طوفانوں کے جھکڑ تخیل کی آندھیاں، انسانی خیال آفرینوں کی بادتند کے سوا اور کچھ بھی نظر نہیں آتا اس کے مقابلہ میں مشرقی یعنی ایرانی قصوں کی ہاں بوستان خیال کو رکھا جائے تو اس کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔

بوستان خیال میں تو بعض باتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کے صحیح ہونے کا احتمال ہوسکتا ہے یعنی یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ایسے واقعات دنیا میں اس نیلی چھت ستاروں اور سیاروں کی روشنی اور چاند سورج کے دور میں ہونے ممکن ہیں، مگر بحارالانوار میں افسوس ہے کہ ایسی ایک بات بھی نظر نہیں آتی کہ جس کا امکان میں ہونا مانا جائے۔ ہاں چند باتیں بیشک مستثنیٰ ابھی ہیں مثلاً قصہ کے ہیرو کا نام پیدائش اور موت ،صرف ان تین باتوں میں بحارالانوار صحیح ہونے کے لحاظ سے بوستان خیال سے ممتاز ضرور ہے۔

اب رہا شاعرانہ مبالغہ اور فسانہ نویسی کا زور شور اس میں تو جیسا ابھی لکھا جا چکا ہے بحاالانوار؛ ایک ایسا امتیازی درجہ رکھتی ہے کہ بوستان خیال اس کی گرد بھی نہیں پہنچ سکتی۔ مثلاً بحارالانوار میں حضرت علی کے حمل اور پیدائش کا ذکر ہے۔ اگر آپ ایسا کوئی فسانہ جو کذب محض اور خلاف فطرت باتوں سے پُر ہے بوستان خیال میں نکال دیں تو ہم قائل ہو جائیں۔ حمل کا زمانہ تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب

حضرت علی اپنی ماں فاطمہ کے پیٹ میں تھے تو ایک دن رسول اللہ گھر میں چلے آئے کہ یکا یک آپ کو آواز آئی کہ السلام علیکم یا رسول اللہ، (حالانکہ ابھی تک آپ رسول نہیں بنے تھے) بی بی فاطمہ یعنی حضرت علی کی والدہ ماجدہ سخت پریشان اور متحیر ہوئیں کہ یہ آواز کہاں آئی. رسول اللہ نے فرمایا تم ڈرو نہیں اور حیران نہ ہو میرا بھائی پیٹ میں مجھے سلام کر رہا ہے. پھر جب حضرت علی پیدا ہوئے تو آپ نے پیٹ میں سے نکلتے ہی اسی طرح رسول اللہ کو عربی صاف زبان میں سلام کیا اور کہا کہ گزشتہ انبیاء کے کل صحف مجھے زبانی یاد ہیں. چنانچہ نمبردار ہر صحیفہ سنانا شروع کیا جب زبور، توریت، انجیل، وغیرہ سنا چکے تو پھر قرآن مجید سنانا شروع کیا اور ابھی آنول نال کٹنے نہ پائی تھی کہ سارا قرآن مجید از بر سنا دیا. رسول اللہ کل صحفِ انبیاء اور قرآن مجید سن کے بہت خوش ہوئے اور کہا دیکھو یہ ہے میرا وصی اور یہ ہے میرا بھائی. آپ نے ملاحظہ فرمایا. ایسا قصہ اگر آپ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار بوستان خیال کی ورق گردانی کرینگے جب بھی اُس میں نہیں ملنے کا اب اس سے بھی زیادہ اور کہانی سنئے یہ کمال تو حضرت علی نے اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی دکھایا مگر جب کہ سارا عالم پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو حضرت علی موجود تھے اس کے بعد آپ نے کل انبیاء کو اُن کی مصیبت میں مدد دی. نوح کی کشتی کو ڈوبنے سے بچایا. اور ایک جن جو نوح کی کشتی کو ڈبوتا تھا آپ نے ذوالفقار کے ایک ہاتھ سے اُس کا بازو قلم کر دیا.

روایت یوں بیان کی گئی ہے کہ ایک دن حضور انور ﷺ کے دربار میں ایک جن حاضر ہوا اور اُس نے ملجاحت عرض کیا کہ میں آپ کے وصی. آپ کے بھائی اور آپ کے جانشین سے قصور معاف کرانے آیا ہوں. رسول اللہ نے ارشاد کیا تو نے اُس کا کیا قصور کیا ہے اُس نے نوح کی کشتی ڈبو نے کا سارا واقعہ بیان کر دیا اور اپنا کٹا ہوا بازو دکھایا اتنے میں حضرت علی بھی آ موجود ہوئے. وہ حضرت علی کی صورت دیکھتے ہی تھر تھر کانپنے لگا. حضور انور نے کل حالات دریافت کئے. حضرت علی نے سارا قصہ الف سے لیکے ی تک سنایا. کہ جب پانی کا طوفان زیادہ ہوا اور نوح کی کشتی پانی میں ڈانوا ڈول ہونے لگی تو یہ جن جو سامنے کھڑا ہوا آیا ہے اور چاہا کہ کشتی ڈبو دے میں نے فوراً ذوالفقار نکو ارکا ایک ہاتھ اسے مارا کہ اس کا بازو کٹ گیا اور نوح کی کشتی ڈوبنے سے بچ گئی. ساری کیفیت سن کے رسول اللہ نے فرمایا کہ اپنے اس فعل کی اُسے پوری سزا مل گئی اب یہ تمھارے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے

اس کا قصور معاف کردو۔ چنانچہ حضور انور کی سفارش سے آپ نے اُس کا قصور معاف کردیا اور وہ اُسی وقت مسلمان ہوگیا۔

یہ کہانیاں کم وبیش گزشتہ صفحات میں وضاحت سے درج ہوچکی ہیں۔ جو ناظرہ کتاب شہادۃ نے پڑھی ہوگی۔ زیادہ لکھنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ اُن کہانیوں نے اسلامی دنیا پر بڑا غضب ڈھایا۔ چونکہ مشرقی طبائع میں مافوق العادت باتیں سننے اور ان پر یقین کرنے کا مادہ مشرقی آب وہوا کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے لہذا یہ کہانیاں بغیر نکتہ چینی کے تسلیم کرلی گئیں۔ انھیں نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اپنے عقائد میں بھی ان کہانیوں کو جگہ دیدی اور شدہ شدہ ان کہانیوں کے کذب کا زہر نسلا بعد نسل مسلمانوں میں سرایت کرتا گیا اور ہوتے ہوتے وہ شیعی عالم سے گزر کے سُنی دنیا میں بھی آگیا اور اب عقائد اور روایتوں کی کچھ ایسی گڈمڈ ہوئی کہ یہ شناخت مشکل ہوگئی کہ یہ کہانیاں جزو اسلام ہوسکتی ہیں یا نہیں ان کہانیوں کے مصنف ایران کے قصہ نویس تھے اور یہ کہانیاں محض حضرت علی کی اُلوہیت اور اپنی مبالغہ آمیز فطرت کی بنا پر تصنیف کی گئی تھیں یا بچ بچ اظہار عقائد باطلہ ان کہانیوں سے مقصود تھا۔

کہانیوں کے سننے کا مذاق نہ صرف ایرانیوں میں بلکہ عربوں میں بھی پایا جاتا ہے مگر دونوں قوموں کی کہانیوں میں بعد المشرقین ہے۔ عربوں کی کہانیوں میں شجاعت جذبات فطری، گھوڑوں کی تعریف، میدان کارزار کے صحیح نقشے، مہمان نوازی، اور رواداری قومی کا پورا رنگ معلوم ہوتا ہے۔ برخلاف ایرانیوں کے ان کہانیوں میں کل خلاف فطرت باتیں کی تخیل کی تیز روی، خیالات آفرینی اور کذب محض کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہاں لفاظی اس بلا کی ہوتی ہے کہ العظمۃ اللہ۔

عرب بالطبع شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا علم ادب تمام دنیا سے زیادہ لطیف ہے، بادشاہ سے لے کے سپاہی سے لے اور فقیر تک اور فلسفی سے لگا کے ایک جاہل تک سب کے سب شاعر ہوتے ہیں لہذا کہہ سکتے ہیں اگر عربوں اور کل قوموں کے مسلمانوں کے اشعار جمع کئے جائیں تو تمام دنیا کی نظموں سے بڑھ جائیں۔

عجیب تماشہ ہے کہ ترک ومغل جب تک مُسلمان نہ ہوئے۔ ان میں خال ہی خال کوئی شاعر دکھائی دیتا ہے، مگر جب مسلمان ہوئے تو قوم کی قوم شاعر بن گئی۔ مثلاً قسطنطنیہ کے کل سلاطین شا

عر ہوئے ہیں ۔ یہاں تک کہ معزول سلطان عبدالحمید خان ،اور موجودہ سلطان بھی خاصے اچھے شاعر ہیں ،ان کی شاعرایرانی گل وبلبل اور استعارات وغیرہ سے بری ہے ۔فطری مضامین جن میں انسانی جذبات کا اظہار ہوتا ہے ان کی شاعری میں پائے جاتے ہیں ۔مثلاً سلیمان اعظم سلطان ترکی کے چند اشعار کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے ۔جس سے ترکی سلاطین کی حق پسندی کا پورا اظہار ہو جائیگا سلیمان کہتا ہے ۔

جانتا ہوں میں بیشک زندۂ جاوید ہوں	میری شہرت ثبت انجم ہے نہیں جس کو فنا
فتح کر لیتا ہوں میں آسانی سے ہفت اقلیم کو	گر زمانے میں نہ ہوتا کوئی مجھ سا دوسرا
کیا کہوں پر تھی میری تقدیر میں تختی نیست	اور صدی مملو تھی اُن لوگوں جن میں زور تھا
یوں تو حاصل کرنے کو حاصل کیا میں نے بھی	پر نہ سمجھوں گا کہ قسمت کا تھا میں کچھ لاڈلا
میری ہمت میں تھی وہ جرات کہ جس کے زور سے	میں نے قسمت کو بھی استقلال سے پسپا کیا
اس سے لی وہ چیز جس سے صاف انکار اُس کو تھا	خوشامد میں دقیقہ کوئی بھی چھوڑا نہ تھا

مطلب یہ ہے کہ عرب ہوں یا ترک یا شامی کسی کا لٹریچر ایسا مبالغہ آمیز اور مظاہر فطرت سے خالی نہیں ہے جیسا کہ ایرانیوں اور بالخصوص ان ایرانیوں کا جن میں عربی خون کا میل یا تو کم ہوا یا بالکل ہوا ہی نہیں ۔ایرنیوں سے غرض خاص وہ حصہ ہے ۔جو شاہان کیانی کے پائے تخت کے اردگرد تھا او رجہاں دنیا بھر کے تکلفات اور تعیش کا خاتمہ ہو گیا تھا :" کریلا اور نیم چڑھا" ۔یہ ضرب المثل ایرانی لٹریچر پر صادق آتی ہے کہ ایک تو پہلے ہی سے انہیں بلا کا مبالغہ تھا ،مگر جب شیعی رنگ ان پر چڑھ گیا اور یہ کوشش ہونے لگی کہ کسی طرح ابن ابی طالب کی اُلوہیت کو چمکا کے خلفاء راشدین پر قدح کی جائے ۔پھر کیا ٹھکانا تھا ۔وہ وہ کذب محض کے تودے طوفان برپا کئے کہ العظمۃ للہ ۔آدمی ان قصے کہانیوں کو دیکھ کے اپنا تو سر پیٹ لے اور کہنے والے کا منہ نوچ لے ۔ان تخیلات کا اثر بڑھتے بڑھتے مسلمانوں پر بھی پڑا ،اور ایک فرضی واقعہ شہادت نے اس اثر میں اور بھی تو قیت دیدی سنی مولوی علی الاعلان وہ روایتیں اپنے معتقدوں میں بیان کرنے لگے جو بحارالانوار کی ہیں بعض جلد باز مصنفوں نے بغیر انتقاد کے انھیں اپنی تصنیفات میں درج کر دیا ۔نیم تعلیم یافتہ یا بالکل نہ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے بڑے جوش

سے ان کتابوں کا خیر مقدم کیا اور انہیں اپنے ہاں اس قدر رواج دیا کہ آج سچ پوچھو تو ساری اسلامی دنیا سوائے چند پاک نفوس کے اور پکی چھپی شیعہ ہے۔ یہ بدنصیب اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر تعزیہ داری کی خوش اعتقادی ان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ عشرہ محرم میں ان بدنصیبوں کے شور بخت علماء بڑے اعتقاد اور جوش کے ساتھ فرضی شہادت کے قصوں کا وعظ کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے بہت بڑا فرض اسلام کا ادا کیا۔ مگر سچ پوچھو تو یہ نام نہاد علماء اپنے سے زیادہ اپنے معتقدوں کو یہ غلط اور دور از کار باتیں سنا کے جہنم کا سچا وارث بنا دیتے ہیں۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ عربی ادب کی بابت جو کچھ ڈاکٹر موسیو لیبان ایک فرانسیسی محقق نے لکھا ہے یہاں نقل کر دیں تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ عربوں کی جس سادگی اور سچائی نے ایک عالم تسخیر کر لیا تھا آج وہ صحرا کے کسی گوشہ میں مدفون ہے اور جو کچھ ہماری حالت ہے وہ ایرانی پرتو ہے جس میں صداقت مفقود ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ نے لاکھوں میں سے اپنے ایک بندے کو چن لیا تا کہ وہ ایرانی خیالات کو سچائی سے شکست دے اور حقیقت حال کھول دے اور ابن ابی طالب کی الوہیت ولایت اور مافوق ہونے کا جو پردہ لوگوں کی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے اُس کا تار تار الگ کر دے۔ ایسا ہو گا اور ہو کے رہے گا۔ انشاء اللہ

ڈاکٹر موسیو لیبان لکھتے ہیں .... یمن اور عربستان کے مختلف حصوں کا پرانا ادب مطلق ہم تک نہیں پہنچا۔ جو کلام ہمیں ملا ہے وہ سنہ عیسوی کے مابعد اور آنحضرت کے زمانے سے تھوڑے ہی دنوں قبل کا ہے۔ یہ کلام حماسہ شعر ہیں جو جنگ اور عشق کی تعریف میں ہیں از منہ جاہلیہ کے یونانیوں کی طرح عربوں کو بھی اپنی بہادریوں کی نظم سننے کا شوق تھا۔ یہ پرانی نظمیں استعاروں اور کنایوں سے بھری ہوئی ہیں کیونکہ ان قدیم لوگوں میں بمقابل خیالات کے محسوسات کا زیادہ ادارک تھا۔ ان کی شاعری توریت کی شاعری سے بالکل علیحدہ ہے اور ان میں وعیدی پیشین گوئیاں اور خونی لہریں نہیں ہیں۔ ان کی لڑائیوں کی تصویروں میں وہ وحشیانہ خون ریزیاں گلے کا تنا سر کچلنا اور ☆ یہود کی

☆ یہود وضاء ایک بیہودہ کام ہے جس میں [illegible]

بدعائیں جس سے توریت بھری ہوئی نہیں پائی جاتیں عربوں میں شاعری اس درجہ مرغوب، خاص و عام تھی کہ اس زمانہ میں شاعروں کا بڑا زور تھا وہ اپنی نظم کے ذریعے سے جب چاہتے جوش مخالف

پیدا کردیتے اور جس قبیلہ کی چاہتے مدح کرتے اور جس کی چاہتے ہجو کرتے۔ان کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ قریش نے اعشیٰ شاعر کو سو اونٹ محض اس لئے دیئے کہ آنحضرت کی مدح میں جو اشعار اس نے لکھے تھے ان کی اشاعت نہ کرے۔ فن شاعری نے عربوں میں ایسی ترقی کی تھی کہ آنحضرت کے وقت سے کئی صدی پہلے انھوں نے ایک سالانہ مشاعرہ قرار دو یا تھا۔جہاں عربستان کے کل اطراف و جوانب سے شاعر جمع ہوتے تھے۔یہ جلسہ عکاظ میں جو طائف کے قریب اور مکہ سے تین دن کی راہ پر ایک قصبہ ہے منعقد ہو کرتا تھا۔اس مشاعرہ میں جو کلام سب میں عمدہ ہوتا وہ بیش بہا چیزوں پر سونے کے حرفوں سے لکھ کر خانہ کعبہ میں آیندہ پشتوں کے لئے لٹکا دیا جاتا تھا۔ آنحضرت کی بعثت سے ماقبل کی صدی میں عربستان کی شاعری کا اعلیٰ عروج ہوا۔اس عروج کا نتیجہ یہ تھا کہ شاعروں کی صاف اور خالص زبان تمام ملک میں پھیل گئی اور عربستان کے مختلف محاورات آپس میں ملکر ایک مستقل زبان بن گئی۔

خانہ کعبہ میں عمدہ کلام عرب لٹکانے کی رسم کے بدولت ہم تک وہ سات مشہور قصائد پہنچے ہیں جن کو سبعہ معلقہ۔کہتے ہیں۔ان میں شعرائے عربستان کے بہادروں اور ریگستان کی سختیوں اور بدویوں کی معاشرت وغیرہ کا بیان کیا ہے۔طرفہ کے کلام میں جو یہاں نقل کیا جاتا ہے انسانی زندگی کی وہ تصویر ہے جس کو فلاں سفہا اور دو ہریئے بھی قبول کرلیں گے۔وہ انسان جو اپنی شجاعت اور سخاوت سے خاندان کی نام آوری کرے اسے حق ہے کہ جب تک زندہ رہے دنیاوی نعمتوں سے پورا تمتع حاصل کرے اور اگر موت کل آدبوچے تو تجھے معلوم ہوگا کہ ہم دونوں میں کون ہوا اور ہوس کی پیاس نہ بجھانے پر افسوس کرے گا۔میری نظروں میں کسی بخیل کی قبر میں۔جس نے اپنا مال و دولت جمع کیا ہو اور ایک خراج کی قبر میں۔جس نے اپنی دولت اڑادی ہو کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔دونوں ایک تو وہ خاک سے ڈھکے ہوئے ہیں اور دونوں کے اندر بڑی پتھروں کی سلیں رکھی ہوئی ہیں۔

میری نظروں میں زندگی ایک ذخیرہ ہے۔جس میں سے ہر شب کو کچھ کچھ کم ہوتا جاتا ہے پس وہ ذخیرہ جو ہر روز گھٹتا جاتا ہے۔ایک دن بالکل تلف ہو جانے والا ہے۔موت انسان کو اُسی طرح چھوڑ دیتی ہے جیسے اُونٹ کے پیر رسی باندھ کر اُسے چرنے چھوڑتے ہیں۔اگر تھوڑی دیر کے لئے اُس نے آزادی بھی دے دی تو یاد رکھنا چاہئے کہ رسی کا سرا اُسی کے ہاتھ میں ہے۔میں ان عجیب خیالات کے

بعد حماسہ کی نظم نقل کرتا ہوں جس کو پیل گریونچد سے لایا اس کی تصنیف کا زمانہ معلوم نہیں لیکن مثل اُس نظم کے جواو پر لکھی گئی اس سے بھی ایک عرب جواں مرد کے خیالات معلوم ہوتے ہیں۔

میں اپنے نفس سے اُس وقت کہتا ہوں جب اُس پر جنگ کی کیفیت چھا گئی ہے تف تجھ پر بہادروں سے نہ ڈر اگر تو اپنے معیّن سے ایک دن بھی زیادہ چاہے تو ہرگز نہ ملے گا پس صبر کر صبر کر اس موت کے بازار میں دنیا میں ہمیشہ رہنا محال ہے۔ مدت تک جینا بہادروں کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ یہ وہ جامہ ہے جو بزدلوں اور کمزوروں ہی کو زیبا ہے۔ اور ہر ایک ذی روح کا انجام موت ہے۔ اور ایک دن موت مخلوقات کے لئے ہے جو لڑائی میں نہ مرا وہ بڈھا اور کمزور ہو جاتا ہے اور موت اس کا یوں ہی کام تمام کر دیتی ہے زندگی انسان کے لئے بے فائدہ ہے۔ جب کہ وہ سب نظروں سے گر جائے اور کسی مصرف کا نہ رہے۔

کل تمدّن عرب کے زمانہ میں شاعری کا چرچا رہا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی اُس عروج پر نہ پہنچی جو اس نے جاہلیت میں حاصل کیا تھا۔ تمام تعلیم یافتہ لوگ خواہ مدبرین ملک ہوں یا ریاضی داں یا طبیب سب میں شاعری کا جز شامل تھا اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اکیلے عربوں کا منظوم کلام تمام دنیا کے منثور کلام کے برابر ہے۔ اُنھیں نظم کا اس قدر شوق تھا کہ وہ بعض اوقات فقہ اور فلسفہ۔ اور جبر و مقابلہ کو بھی نظم ☆ میں لکھتے تھے

☆ قطری بن الفجاۃ کے اشعار بالحماسہ میں۔ ان کا پہلا شعر یہ ہے۔ "اقول لہا وقد طارت شعاعا. من الا بطال ویحک لا تراعی "

اور ان کے اکثر قصص و حکایت میں نظم و نثر ملی ہوئی ہے اس وقت کی تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ردیف و قافیہ یورپ میں عربوں ہی سے آیا۔ اس خیال کی جسے پہلے رئیس الاساقفہ ہوالے نے بیان کیا موسیو دیاردا اور دوسرے مصنفین کی تحقیقات سے تصدیق ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اندلس اور، پرووانس کی شاعری کا ماخذ عربوں کی شاعری ہے یہ رائے مجھے اس قدر درست معلوم ہوتی ہے جیسی مسبوق الذکر رائے۔ لیکن اس کا فی ثبوت میں ایسی طویل بحث کرنی پڑیگی جس کا یہاں موقع نہیں ہے قصص و حکایات علاوہ نظم کے ہر قسم کے ادب یعنی سرگزشتوں کے فسانے عشق کی حکایات بہادری کی داستانوں وغیرہ اعربوں کو بہت شوق تھا۔ ان کہانیوں میں اشخاص کی ذاتی خصوصیات بہت کم

CamScanner

دکھائی گئی ہیں۔ لیکن اُن عجیب و غریب واقعات کی وجہ سے جو ان میں بیان ہوئے ہیں یہ قصے نہایت دل چسپ ہیں۔ عربوں کا تخیلہ اس قدر قوی تھا کہ انہوں نے جس چیز کو ہاتھ لگایا اسے جلا دے دی۔ بہادری کی داستانوں کے فی الواقع عرب ہی موجد ہیں۔ موسیو سدیوں لکھتے ہیں کہ وہ اندلس میں شاعر اپنی شاعری کو قصص و حکایت میں ختم کرتے تھے۔ مسلمان ہمیشہ بڑے داستان گو ہوا کرتے تھے شام کو یہ اپنے خیموں میں عجیب حکایات سننے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور بعض وقت جیسا غرناطہ میں دیکھا گیا داستان کے ساتھ ہی گانا بجانا بھی ہوتا ہے اُس زمانہ کی کہانیاں جو عربی سے ترجمہ ہوئی ہیں یا عربی کی طرز پر لکھی گئی ہیں اُس زمانہ کی تقریبات کی سچی تصویر کھینچتی ہیں۔ نیزہ سے چھلے کا اٹھانا۔ سانڈوں کا لڑانا۔ مسلمان اور عیسائیوں کی مصنوعی جنگ۔ سرداروں کے ناچ اور تماشے اور عورتوں کے ساتھ وہ سپاہیانہ اخلاق جس نے اُندلس کے مسلمانوں کو تمام یورپ میں مشہور کر دیا تھا ان سب کا بیان ان نظموں میں ہوتا ہے۔

منجملہ عربی قصص و حکایت کے مقامات حریری۔ اور مقامات بدیع ہمدانی۔ اور الف لیلہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ حریری کے مقامات تمام مشرق میں مشہور ہیں۔ حریری ۱۰۵۴ عیسوی میں بصرہ میں پیدا ہوا۔ اور ۱۱۲۱ء میں وہیں اُس نے وفات پائی۔ یہ اپنی صدی کے علماء میں بڑی شہرت رکھتا تھا پیرس کے دولتی کتب خانہ میں اور موسیو شیفر کے پاس مقامات حریری کے باتصویر عمدہ نسخے موجود ہیں۔ ہمدانی بھی جس کی وفات کا زمانہ ۱۰۰۷ء عیسوی ہے مقامات کے لکھنے میں بڑی شہرت حاصل کی ہے اُس کا حافظہ ایسا قوی تھا کہ وہ ایک پورے قصیدے سے کو ایک بار سننے کے بعد حفظ سنا سکتا تھا۔ ہمدانی کی زبان بھی نہایت پاکیزہ اور محاوروں کے لحاظ سے اُس کا کلام عمدہ ہے قصص و حکایت کی کتابوں میں سب سے زیادہ عجیب و مشہور الف لیلہ ہے۔ اس کتاب کی اصلیت کی بابت بہت کچھ گفتگو ہوئی ہے اور اس وقت یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مختلف زمانوں کے لکھے ہوئے قصوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے بعض حصہ دسویں صدی کے ماقبل کے ہیں جیسا کہ مسعودی کی مروج الذہب سے جو اُسی زمانہ کی تصنیف ہے معلوم ہوتا ہے، اس میں ہندی اور ایرانی الاصل کہانیاں بھی ہیں۔ لیکن اس کا بڑا حصہ تیرھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں مصر کے عربوں نے لکھا۔ وسووائل جو ہائی ڈل برگ میں مشرقی

السنہ کے اُستاد ہیں اپنے جرمن ترجمہ الف لیلہ کے مقدمہ میں جو انھوں نے اصل عربی سے کیا ہے لکھتے ہیں کہ بلاشک وشبہ الف لیلہ کی زیادہ تر حکایت عربی ہیں. اور یہ حکایت بالکل اُن سے علیحدہ ہیں جو وائل سنین اسلام ہیں ایران و ہندوستان کی کہانیوں سے جمع کی گئی تھیں۔

یہ مجموعہ باوجودیکہ عیوب کے دنیا کی بہت ہی دلچسپ کہانیوں میں ہے اور میں اس قدر کہوں گا کہ یہ جتنا دلچسپ ہے اُسی قدر معلومات کا ذخیرہ بھی ہے اور اس سے عربوں کے عادات اور اوضاع اور خاص زبانوں میں اُن کے محسوسات وخیالات کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے. وہ کہانی جو بطور مقدمہ کے لکھی گئی ہے اوضاع راطوا کے لحاظ سے بہت ہی عجیب ہے. اُس سے مشرقیوں کی طرز خیال اور اُن کا جلد متاثر ہوجانا اور اُن کی رائے عورتوں وغیرہ کی نسبت صاف طور پر معلوم ہوتی ہے. کسی قوم کی حکایت وروایت اُس قوم کی اسناد میں ہیں جن سے تاریخ نے آج تک پورکام نہیں لیا اور پورا کام نہیں لیا اور تھوڑے ہی دنوں سے ہم انکی عظمت ووقعت سمجھنے لگے ہیں۔ ہماری اُس کتاب میں جس میں ترا کے پہاڑوں کے عجیب باشندوں کے حالات جمع کئے گئے ہیں ہم کو اُن کے قومی گیتوں اور کہانیوں سے قوم کے آباواجداد کے طرز خیال کا بہت پتا لگا. کیونکہ اُنکی واقعی تاریخ اب تک نہیں لکھی گئی.

حکایت وامثال:۔ حکایات اور چند امثال مشرقیوں کو نہایت مرغوب ہیں. یہ اُس قسم کا کلام ہے جو انسان کی فہم سے خطاب کرتا اور آسانی سے یاد رہتا ہے برخلاف اس کے منطقی استدلال سے طبیعت اُکتا جاتی ہے اور وہ جلد بھول بھی جاتے ہیں سب سے مشہور حکایت لکھنے والے وہ خیالی شخص لقمان ہے قرآن میں اس کی عقلمندی کی مثال دی گئی ہے بعض مصنف اس کو حضرت داؤد کا اور بعض حضرت ابراہیم کا ہمعصر ٹھیراتے ہیں اور بعض کا یہ بیان ہے کہ جس لقمان نے حکایت لکھی ہیں اُس کا زمانہ آنحضرت کے بعد تھا. لقمان کی حکایتیں ایساپ☆ سے قدر مشابہ ہیں کہ ممکن ہے کہ اُسی سے لی گئی ہوں، یا یہ ان دونوں کا ماخذ ایک ہی ہو۔

☆ ایساپ یہ شخص ان مشہور حکایت لکھنے والا ہے جو اس کے نام سے آج تک معروف ہیں کہتے ہیں کہ یہ غلام تھا اور آزاد ہونے کے بعد کریش لائی ڈیا کے بادشاہ نے انکی بڑی قدر کی سال پیدائش ۶۲۰ قبل مسیح سال وفات ۵۶۴ قبل مسیح ہے۔

عربوں میں امثال بکثرت ہیں اور اُندس اور یورپ نے ان میں سے بہت سی امثال کو اخذ

کیا ہے، ایک بہت بڑا حصہ اُن حکیمانہ اقوال کا جو سینکو چین ☆ زا کی زبان سے بیان کیا گیا ہے مسلمانوں سے ماخوذ ہے۔

☆ اسپینی زبان میں ایک نہایت مشہور قصہ ان کوئگ ذوت کا ہے جو زمانہ جو سانڈا کا ایک سردار ہے اور جس کی بہادریوں کے بیان میں کتاب لکھی گئی ہے سینکو چین زا اس سردار کا نوکر ہے اور گدھے پر سوار ہوتا ہے اور ہر وقت اس کی زبان پر مثلیں اور حکیمانہ اقوال رہتے ہیں۔

موسیو لی اس کی کتاب سے چند امثال کو نقل کرتے ہیں جن سے اِن اقوال کا اندازہ ہو سکے گا۔

ا۔ ''مکھی کے پر کے نیچے زندہ رہنا قبر کے سونے سے بہتر ہے'' ۲۔ ''جو کچھ کرنا ہے جوانی میں کر لے. زندگی بس ایک پل کی ہے'' ۳۔ ''اپنے رنج کو آج دور کر نے نہیں معلوم کل کیا ہوگا'' ۴۔ ''اگر تو لوہار کے پاس کھڑا ہوگا تو تیرے کپڑوں کو کالک لگے گی'' ۵۔ ''اور اگر عطار کی دکان پر کھڑا ہوگا تو کپڑے معطر ہو جائیں گے'' ۶۔ ''عشق وہ چیز ہے جو ایک سوکھی ہوئی لکڑی کے ٹکڑے پر بھی سلگ اُٹھتا ہے'' ۷۔ ''جو کسی عورت کے حسن پر شادی کرے وہ بیوقوف ہے اور جو زر کے لیے شادی کرے وہ لالچی ہے مگر جو کوئی اس کی عقل وفہم پر شادی کرے وہی اصل شوہر ہے'' ۸۔ ''اگر عورت تجھے چاہے تو بند دروازے کو تیرے لیے کھول دے اور اگر نہ چاہے تو مکڑی کے جالے سے لوہے کی دیوار کھڑی کر دے'' ۹۔ ''ایک متوسط حالت خاطر جمعی کے ساتھ اُس دولت سے بہتر ہے جو رنج کے ساتھ ہو'' ۱۰۔ ''جس منہ سے بات ظاہر نہ ہو اُس میں بھنگا بھی نہیں جا سکتا'' ۱۱۔ ''خوش تدبیری نصف زندگی ہی بلکہ کہتے ہیں پوری زندگی بھی ہے'' ۱۲۔ ''متبسم ہی سے تبسم پیدا ہوتا ہے'' ۱۳۔ ''جس درخت میں گلاب ہوتا ہے اُسی میں کانٹے بھی ہوتے ہیں'' ۱۴۔ ''مشورہ اُس سے کر جو تجھے رلائے اور اُس سے نہ کر جو تجھے ہنسائے'' ۱۵۔ ''موقع پر کام کرنا ہی کامیابی ہے'' ۱۶۔ ''تین صفتیں ہیں جو تیس صفتوں کے برابر ہیں، حسن تقوی اور عفت'' ۱۷۔ ''وہ شخص ہیں جو کبھی زیر نہیں ہوتے، وہ شخص جس کو علم ہو اور وہ شخص جس کے پاس مال ہو'' ڈاکٹر'' موسیو لیبان'' کا بیان ختم ہو گیا. اسے پڑھ کے آپ نے یہ نتیجہ ضرور نتیجہ ضرور نکالا ہوگا کہ عربی علم ادب اور ٹھیٹ ایرانی علم ادب میں بعد میں بعد المشر قین ہے. افسوس تو اس بات کا ہے کہ اگر ایرانی خیال آفرینی کی تگ و دو محض قصوں اور فسانوں تک ہی محدود رہتی تو چنداں شکایت نہ تھی۔ مگر اس فسانہ نویسی کے مذاق اور آسمان وزمین کے قلابے ملانے کے اندھے

CamScanner

شوق نے عقائد شوق نے عقائد اور پاک مذہب پر بھی دست درازی کی اور قریب قریب بتدریج سارے مذہب کو فسانہ اور دیو پری کے قصوں کا مذہب بنا دیا. ائمہ کی کسی انسانی صفت کا تذکرہ کرنا گناہ کبیرہ خیال کیا گیا، ہر ایک فرضی یا اصلی امام کو مافوق الفطرت کا ایسا لباس پہنایا جس سے اُس کے انسانی خال وخط پنہاں ہو گئے. ایک بیچارے ملا باقر مجلسی پر کیا موقوف ہے وہ مجتہد اور ائمہ جن کا ایک ایک لفظ قرآن کریم کے الفاظ سے زیادہ وقیع سمجھا جاتا ہے. اور جن کی کتابوں پر مذہب شیعہ کا بالکل دارومدار ہے اُنہوں نے بے پر کی اُڑانے میں ملا باقر مجلسی کے بھی کان کترے ہیں. مثلاً ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الرازی الکلینی جو شیعی دنیا کے اماموں مجتہدوں اور فضلا میں سب سے زیادہ نامور ہے اور جس کے نام پر کل شیعہ عالم گردنیں جھکاتے ہیں. اپنی کتاب کافی میں جو اُصول الکافی کے نام نام سے پکاری جاتی ہے حسب ذیل کہانیاں تحریر کرتا ہے فی الواقع جن کہانیوں نے ملا باقر مجلسی کو بھی شرما دیا ہو گا چنانچہ ملاحظہ ہو.

یعقوب کلینی کی کہانیاں:۔(ا۔حضور انور ایک مردے کی قبر میں) یعقوب کلینی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی روتے ہوئے رسول اللہ کے پاس آئے آپ نے رونے کا سبب دریافت کیا وہ کہنے لگے کہ میری ماں فاطمہ کا انتقال ہو گیا ہے، یہ سنتے ہی رسول اللہ حضرت علیؓ کے ساتھ اُنکے مکان میں آئے اور غسل دینے والی عورتوں کو حکم دیا کہ جس وقت تم نہلا چکو مجھ سے کہہ دینا۔ چنانچہ انہوں نے فارغ ہو کے اطلاع دی کہ ہم اپنا کام کر چکے رسول ﷺ نے کفن کے لیے اپنا پیراہن عنایت کیا اور کہا کہ اس سے کفناؤ. یہ حکم دے کے رسول اللہ نے موجودین سے ارشاد کیا کہ آج میں وہ کام کروں گا. جو پہلے کبھی نہیں کیا تھا. جب میں وہ کام کر چکوں پھر تم مجھ سے دریافت کرنا کہ یہ کام کیوں کیا اُس وقت میں تمہیں اِس کا جواب دے دوں گا. قصہ مختصر یہ کہ جب فاطمہ کفنا بھی چکیں تو حضور انور کو خبر کی گئی. آپ نے کُل عورت ومرد کو وہاں سے ہٹا دیا اور تن تنہا فاطمہ والدہ حضرت علی کا تابوت اپنے کندھوں پر اُٹھا کے گورستان کی طرف چلے اور قبر پر پہنچ کے اُس تابوت کو قبر کے کنارے پر رکھ دیا. اور پھر قبر میں پہلے آپ اُتر کے لیٹ رہے. تھوڑی دیر تک آپ قبر ہی میں سو یا کیے. پھر بیدار ہوئے قبر سے نکلے اور تابوت قبر میں اُتارا. اور پھر دوبارہ خود بھی قبر میں اُتر گئے اور اب

مردے سے چپکے چپکے آپ کی باتیں ہونے لگیں۔ پاس کھڑے ہونے والے کو صرف اتنا سنائی دیا: "تمہارا بیٹا تمہارا بیٹا" بس سوا اس کے اور کوئی آواز نہیں آئی۔ باتیں کرکرا کے باہر نکل آئے اور قبر پاٹی گئی۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو آپ نے قبر کی طرف رُخ کر کے کہا یا اللہ میں اسے تیرے سپرد کرتا ہوں اتنا کہنے اور کرنے کے بعد آپ واپس چلے آئے۔

حسب الحکم لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ بتایئے کہ یہ کام جو کبھی آپ نے نہ کیئے تھے ان کے کرنے کا کیا سبب تھا۔ آپ نے اوّل تو فاطمہ بنت اسد یعنی حضرت علی کی والدہ کے احسان بیان کیئے کہ اس نے اپنی زندگی میں میرے ساتھ یہ یہ کیا اور پھر کہا فاطمہ ڈررہی تھی۔ کہ قیامت میں عام مخلوق کے ساتھ کہیں میں بھی برہنہ نہ اُٹھوں کیونکہ قیامت میں سب ننگے مادرزاد اُٹھیں گے جیسا اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ تو یہ خوف فاطمہ نے ظاہر کیا میں نے اُسے تسکین دے دی کہ اللہ اس سے تیری حفاظت کرے گا تو رنجیدہ خاطر نہ ہو۔ فقط (از الصافی شرح اُصول الکافی کتاب الحجہ جزء سوم حصہ ۲ صفحات ۸۷ اور ۹۷ مطبوعہ نولکشور)

۲۔ حضور انور کی پیدائش:۔ امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آمنہ کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے گئے اور انہوں نے اسی وقت فارس وشام کے محلات دیکھ لئے کہ اتنے میں فاطمہ بنت اسد آئیں۔ آمنہ نے سارا ماجرا بیان کیا وہ یہ سن کے خوشی خوشی اپنے شوہر ابو طالب کے پاس آئیں اور ساری کیفیت بیان کی۔ ابو طالب نے کہا تعجب کی کیا بات ہے تم خوش ہو کہ تم بھی ایک بچہ جنو گی جو اس بچہ کا وصی بھی ہوگا اور مددگار بھی ہوگا (از کتاب مذکورہ صفحات ۱۸۵ اور ۱۸۶)

۳۔ علی کا مردے سے سوال و جواب:۔ جعفر صادق فرماتے ہیں بنی مخزوم کا ایک جوان حضرت علی کے پاس آیا اور کہا میرے جوان بھائی کا انتقال ہو گیا ہے۔ جس سے میں بہت رنجیدہ ہوں علاوہ اس کے وہ کافر کی موت مرا ہے حضرت علی نے فرمایا کیا تو اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتا ہے اُس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ چل اور اس کی قبر کا پتا بتا۔ چنانچہ وہ ساتھ ہو لیا اور حضرت علی کو اپنے بھائی کی قبر پر جا کر کھڑا کر دیا حضرت علی رسول اللہ کی چادر اوڑھے ہوئے تھے قبر کے پاس کھڑے ہو کے کچھ پڑھنے لگے پھر قبر پر لات ماری کہ قبر شق ہو گئی اور مردہ زندہ ہو کے باہر نکل آیا اور

زبان مجوسی میں باتیں کرنے لگا۔امیر المومنین نے کہا تو تو عربی النسل تھا۔اُس نے کہا ہاں مگر میرا ساتھ ایسی جماعت کے ساتھ ہو گیا تھا جو ابو بکر و عمر پر ایمان رکھتی تھی فقط (کتاب مذکورہ صفحہ ۱۸۶)

۴۔حضرت علی نے اپنی بیوی کو غسل دیا:۔ ایک شخص نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ فاطمہ کو کس نے غسل دیا۔انہوں نے بیان کیا کہ خود حضرت علی اُن کے شوہر نے کیونکہ علی بھی معصوم تھے اور فاطمہ بھی معصوم تھیں۔کوئی غیر معصوم کو کیونکر غسل دے سکتا ہے۔ (کتاب مذکورہ صفحہ ۱۹۱)

۵۔چوبیس منہ والا فرشتہ:۔ امام موسیٰ کاظم کہتے ہیں کہ ایک دن جب رسول اللہ بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک ایک فرشتہ آیا۔جس کے چوبیس منہ تھے رسول اللہ نے فرمایا اے میرے دوست جبرئیل میں نے تجھے کبھی اس صورت میں نہیں دیکھا۔اس نے کہا میں جبرئیل نہیں ہوں بلکہ ایک دوسرا فرشتہ ہوں میں نور کو نور کے ساتھ جفتی لڑانے آیا ہوں، رسول اللہ نے پوچھا کس کے نور کی کس کے نور کے ساتھ جفتی لڑائے گا۔فرشتہ بولا، فاطمہؓ کے نور کی علی کے ساتھ، چنانچہ فرشتہ نے اپنا کام کر لیا پھر وہ فرشتہ رسول اللہ کے دونوں شانوں کے بیچ میں کچھ لکھنے لگا۔ دریافت کیا گیا کہ کیا لکھتا ہے اس نے کہا یہ عبارت علی آپ کے وصی ہیں رسول اللہ نے فرمایا کئی مرتبہ پہلے یہ عبارت لکھی جا چکی ہے۔ فرشتہ بولا آدم کی پیدائش ۲۲ ہزار سال پہلے بھی آپ کے دونوں شانوں کے بیچ میں یہ عبارت لکھی جا چکی ہے۔ (از کتاب مذکور صفحہ ۱۹۳)۔

۶۔حارث نامی شیر ببر:۔ جب امام حسین میدان کربلا میں قتل ہوئے تو فضہ نامی لونڈی نے امام حسین کی بہن زینب کہا بیگم صاحبہ میں ایک کشتی میں بیٹھی ہوئی آ رہی تھی کہ وہ کشتی ٹوٹ گئی۔اور میں کشتی کے ایک تختہ پر بہہ کے کسی جزیرہ پر نکل گئی، وہاں مجھے ایک شیر ببر ملا۔وہ مجھے دیکھ کے ڈکارنے لگا، اور میرے آگے آگے ہو گیا۔میں سمجھی کو وہ کہتا ہے میرے پیچھے پیچھے آ، چنانچہ میں پیچھے ہو لی ایک مقام پر دیکھا کہ ایک اور شیر سوتا ہے، میں نے کہا کہ اے ابو الحارث تجھے معلوم ہے کہ میں حسین کی لونڈی ہوں حسین کی لاش میدان جنگ میں بے گور و کفن پڑی ہے۔شامیوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ کل اس لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندیں۔شیر اُٹھا اور میرے ساتھ ساتھ ہو لیا۔اس وقت اُس کی گرج اور دہاڑنا بھی کم ہو گیا تھا۔وہ میرے ساتھ میدان جنگ میں آیا، اور امام حسین کی لاش پر اپنے دونوں پنجے جما کے بیٹھ گیا کہ دوسرے روز حسب قرارداد شامی سوار آئے کہ لاش کو روند ڈالیں مگر جوں ہی

CamScanner

اُنھوں نے شیر کی صورت دیکھی حواس باختہ ہو کے بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح امام حسین کی لاش روندنے اور پامال ہونے سے بچ گئی۔ فقط　　　(از کتاب مذکور صفحہ ۲۰۲)

(یہ عجیب و غریب کہانی ہے اور اس کہانی کا ہیرو فضہ نامی چھوکری کو بنایا گیا ہے جو شیر کو جنگل سے بلا لائی۔ کہانی اپنی کذب بیانی کی چونکہ خود شہادت دیتی ہے اس لیے اس پر رائے زنی کرنی فضول ہے، صرف میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ امام حسین یا بی بی زینب یا خود حضرت علی کوئی لونڈی فضہ نامی نہ تھی، نہ اوّل نہ بعد یہاں تک میں دعوے سے کہتا ہوں کہ خاندانِ ابن ابی طالب کو تو ذکر نہیں مدینہ بھر میں اس نام کی کوئی لونڈی کس کے گھر میں نہ تھی، ایک دِل جلا اور مرخرافات سے بولایا ہوا ادبدا کے یہ سوال کرسکتا ہے کمبخت ابوالحارث اُس وقت کہاں مر گیا تھا کہ جب شامیوں نے بقول شیعی ائمہ حضرت امام حسین کو قتل کیا ہے، بدنصیب شیر آیا تو لاش ہی بچانے آیا)۔

۷۔ جبریلی بشارت:۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے ذریعے سے یہ بشارت دی کہ فاطمہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا مگر تمہاری اُمت اُسے قتل کردے گی۔ بی بی فاطمہ نے سخت دلگیری سے کے ساتھ اس پیغام کو سنا۔ پھر رسول اللہ نے یہ سن کے اپنی دل گیر بیٹی کو کہلا بھیجا کہ قتل ہونے کا مضائقہ نہیں ہے جبکہ اُس کی اولاد میں امامت، ولایت اور وصیت رہے گی۔ لہٰذا اس بناء پر میں اس لڑکے (یعنی حسین) کے قتل پر راضی ہوں، چنانچہ آپ حاملہ ہوئیں اور نو مہینے کے بعد حسین پیدا ہوئے، ایک سال اور آٹھ مہینے تک آپ دودھ پلاتی رہیں۔ مگر اس دوران میں آپ دلگیر رہیں اور غم سے ایک لحہ آپ کو چھٹکارا نہ ہوا۔　از کتاب مذکور یعنی الصافی شرح اُصول الکافی، کتاب الحجہ جز سوم حصہ ۲ صفحہ ۲۰۰)

اِس بشارت کی خبر غالباً امام حسین اور ان کے بال بچوں اور ساتھیوں کو نہ تھی کہ وہ کربلا نہ جاتے یا شامی سپاہ سے یہ نہ کہتے کہ ہمیں مدینہ، روم، یا ہندوستان واپس چلا جانے دو اور جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ نہ گزرتے، کیونکہ امام حسین جب مدینہ سے مکہ آئے ہیں اور اپنے بھائی کو ہنگامہ برپا کرنے کے لیے کوفہ بھیجا ہے، اور جب آپ میدانِ کربلا میں آئے بقول شیعی علماء قتل ہوگئے۔ اتنے کثیر واقعات سے یہ مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ امام حسین کو اس جبریلی بشارت کی خبر تھی۔ ممکن ہے کہ حضرت کو بھی اس کی خبر نہ ہو، نہیں تو وہی اپنے ناواقف بچے کو آگاہ کردیتے کہ یقیناً تو کربلا میں مارا جائے گا۔

لہذا اپنے بال بچوں کو ایسے موقع پر نہ لے جائے. ہائے کچھ بھی نہ ہوا نہ نبی نے اپنے نواسہ کو اس کی خبر کی اور نہ بی بی فاطمہ نے اپنے چاہیتے بیٹے کو اس کی خبر دی ورنہ کم سے کم یہ ضرور ہوتا کہ شیعی کتب میں جو نبی زادیوں کی ذلت اور توہین بیان کی ہے یہ نہ ہوتی. یہ خاص ایک راز ہے جسے شیعی علماء ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں.

۸۔ حسن بن علی کا مبلغ علم:۔ امام حسنؓ نے کہا اللہ تعالی کے دو شہر ہیں، اور ہر شہر کے دو حصار ہیں، ہر حصار بجائے اینٹوں کے لوہے کے ٹکڑوں کا بنا ہوا ہے. اور ہر حصار کے ہزار ہزار دروازے ہیں، اور ہر شہر میں ستر ستر ہزار آدمی آباد ہیں ، اور سب کی زبانیں الگ الگ ہیں. میں اُن کل مختلف زبانوں کو جانتا اور سمجھتا ہوں، اور ان دو شہروں کا جو مشرق سے مغرب تک ہیں اُن کی کیفیت اور اُن کا مفصل حال قرآن مجید میں موجود ہے میں ہی اک ایسا شخص ہوں جو پورے قرآن کو جانتا ہوں یا میرا بھائی حسین جانتا ہے. (از کتاب مذکور صفحہ ۱۹۸)

۹۔ فاطمہ کی امام حسین سے کراہیت:۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب فاطمہؓ کو حسین کا حمل ہوا تو جبرئیل رسول اللہ کے پاس آئے اور خبر دی کہ آپ کی بیٹی حاملہ ہو گئی ہیں. وہ ایک لڑکا جنیں گی اور آپ کی اُمت اُس لڑکے کو قتل کر ڈالے گی. رسول اللہ نے اِس کا ذکر اپنی بیٹی سے کیا تو اُنہیں حسین کے حمل سے کراہیت آنے لگی یہاں تک کہ جب وہ پیدا ہوئے اور بی بی فاطمہؓ نے انہیں نہ دودھ پلایا اور انکی کراہیت بیٹے کی طرف سے نہ گئی. (از کتاب مذکو صفحہ ۱۹۹)

۱۰۔ امام حسین اور جہاں شاہ کی شادی:۔ امام محمد باقر کہتے ہیں کہ جب یزید جرد کی بیٹی مدینہ میں آئی تو اُس کے حسن و جمال کا اس قدر شہرہ ہوا کہ مدینہ کی عورتیں بکثرت اُس کے دیکھنے کے لیے آئیں. اُس کے حسن کا شعلہ اس قدر بلند ہوا کہ رسول اللہ کی مسجد جگ جگ کرنے لگی کہ اُتنے میں عمر (فاروق) سامنے آئے اِن کی صورت دیکھتے ہی اُس نے منہ چھپا لیا اور کہا آہ اللہ غارت کرے ہرمز کو کہ اُس کی کاروائی سے میری یہ نوبت پہنچی کہ مجھے اس قیافہ کے مرد کی صورت دیکھنی پڑی. اس پر عمر کو غصہ آیا اور کہا کہ یہ عورت مجھے گالیاں دے رہی ہے. میں اسے اس کی سزا دوں گا. حضرت علی نے کہا عمر یہ گالیاں نہیں دیتی تم اتنے ناراض نہ ہو. پھر امیر المومنین علی نے اُس عورت سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے اُس نے کہا جان شاہ علی بولے نہیں تیرا نام شہر بانو ہونا چاہیے. کیونکہ جہاں شاہ نام کچھ

اللہ ہی کے لیے زیبا ہے۔ اُس روز سے اس کا نام شہربانو ہو گیا۔(از کتاب مذکور صفحہ ۲۰۵)

۱۱۔امام محمد بارق اور قمری کا جوڑا:۔ محمد بن مسلم امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا، کہ ناگاہ قمری کا ایک جوڑا اُڑتا ہوا امام موصوف کے پاس آ بیٹھا اور امام و قمری میں باتیں ہونے لگیں، پھر دونوں قمریاں اُڑ کے چلی گئیں میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں قمریوں سے یہ کیا باتیں ہو رہی تھیں محمد باقر بولے بات اصل یہ ہے کہ نر نے مادہ پر یہ الزام لگایا تھا، کہ اس نے دوسرے نر کے ساتھ جفتی کھائی مادہ اس سے انکاری تھی کہ جھوٹا ہے جب دونوں میں خوب رد بدل ہوئی تو آخر یہ فیصلہ ٹھیرا کہ محمد باقر کے پاس چلو جو کچھ وہ فیصلہ کر دے وہی منظور ہے۔ لہذا دونوں نر و مادہ میرے پاس آئے میں نے معلوم کر لیا کہ الزام غلط ہے اور نر کو دھتکار دیا، اخیر دونوں یہ فیصلہ سُن کے راضی ہو گئے اور اُڑ کے چلے گئے۔(از کتاب مذکورہ صفحہ ۲۱) فقط

کہانیاں تو سینکڑوں ہیں مگر محض اِس خیال سے کہ اس خرافات سے دیکھنے والوں کے جی اُکتا جائیں گے میں اور کہانیاں نقل نہیں کرتا اور اپنے اصل مطلب کی طرف رجوع ہوتا ہوں، مجھے دکھانا یہ ہے کہ اوّل روز سے ان فسانہ نویسوں پر شیعی مذہب کا دارومدار رہا ہے پھر فرمایئے کسی خلیفہ امام کے صحیح حالات کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں مگر افسوس ہے کہ ان کہانیوں نے چونکہ مشرقی طبائع کے موافق تھیں، جاہل مسلمانوں پر ایسا اثر کیا کہ انہوں اِن قصوں کو اپنا مذہبی اُصول بنا لیا اور آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی۔ یہ کہانیاں فی الواقع ارادتاً لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے بنائی گئی تھیں اور منشاء یہ تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت کو اِس سے صدمہ پہنچے چنانچہ ایسا ہی ہوا قرآن مجید مطلقاً پس پشت ڈال دیا گیا اور یار لوگوں نے اپنی مجالس سے اسے نکال دیا، اور نہایت دیدہ دلیری اور بے باکی سے قرآن مجید سے زیادہ نفرت پیدا کرنے کے لیے اِس کا نام بیاض عثمانی رکھا اور اخیر ان کہانیوں کی کتاب کو بیاض عثمانی سے بہتر قرار دیا جس قوم و فرقہ کے جذبات، خیالات محسوسات اور عقائد کی یہ کیفیت ہو اُس کے مذہب کا آپ اندازہ کر لیجئے۔ فقط۔

دوسرا باب

حضرت عثمان کی شہادت اور حضرت علی کا رویہ:۔ خیر القرون میں سب سے دردناک واقعہ بوڑھے اور بے گناہ خلیفہ کا بے رحمانہ قتل ہے اس میں شک نہیں بے بس خلیفہ کی ضعیف

العمری اور بے محابا گردن زدنی ایک ایسا دل ہلا دینے والا نظارہ تھا جس نے سنگ دل سے سنگ دل کے آنسو نکلوا دیئے اور آل اللہ نا ترس دلوں میں بھی رقت سی پیدا ہو گئی مگر جو لوگ خلیفہ کی اس ضعیف العمری سے نہیں بلکہ جانشین رسول اور مقدس بزرگ کی حیثیت سے عزت کرتے تھے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے خونِ عثمان بغیر کسی ذاتی غرض کے طلب کیا اس میں شک نہیں کہ بوڑھے خلیفہ پر ظلم بیشک بہت ہوا یہ خونی منظر شاید کسی اسلامی صدی میں مشکل سے نظر پڑا ہو گا جس نے مسلمانوں کے پاس لاکھوں روپیہ مقاصد اسلام میں صرف کر دیا، جو مرتے دم تک رسول مقبول کا فدائی اور عاشق زار رہا جسے فخر دو جہاں رسول عربی کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے بیاہی گویں. جسے خلیفہ بننے کی کبھی خواہش نہیں ہوئی، جو جمہور کے اتفاق سے خلیفہ بنا، وہ خاص مدینہ ہی میں اُس وقت کہ جب اس کی عمر اسی برس سے تجاوز کر چکی ہو قرآن مجید کی تلاوت کے وقت قتل کر ڈالا گیا. اور اس وقت جبکہ اُس کے غلام حملہ آوروں سے شمسیر بازی پر تلے ہوئے تھے یہ کہہ کے اُنہیں روک دیا کہ اگر یہ لوگ مجھے قتل کرتے ہیں کرنے دو، تم اپنی تلواریں میان میں دے لو میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ کی نظر میں قیامت کے دن میری سبکی ہو کہ میری وجہ سے مسلمانوں میں تلوار چلنے میں وہ پہلا شخص اسلام میں نہیں بننا چاہتا جس کی نسبت یہ کہا جائے کہ اس کیوجہ سے مسلمانوں میں خون ریزی ہوئی عام تاریخوں میں مورخوں نے واقعات کچھ ایسے چپا چبا کے بیان کئے ہیں کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نہیں معلوم ہوتا. یہ صحیح ہے کہ ایک تو ہمارے ہاں کی کتابوں میں تاریخی ترتیب کا نقص ہے دوسرے بعض حالات میں عقائد کا بھوت بھی ضرور سدراہ ہوا ہے اسی لیے آج تک نہ حضرت عمر فاروق اعظم کے اصلی قاتل کا پتا لگا اور نہ عثمان غنی کے قاتل کا عام طور پر مورخوں نے ابولولو مجوسی کو فاروق اعظم کا قاتل قرار دیا ہے اور ہمارے شیعی احباب نے تو مجوسی کی اس قدر تعریف کی ہے اور اسے اسقدر بانس پر چڑھایا ہے کہ اسے، بابا شجاع، کے نام سے پکارتے ہیں اور اُسکی یادگار بنا رکھی ہے جو شیعی گھروں میں بڑے دھوم دھام سے ہوتی ہے یہ تو صحیح ہے کہ عمر فاروق کو مارا، ابولولو مجوسی نے مگر اصلی قاتل جس نے ابولولو سے یہ فعل کرایا اب تک پردے میں ہے. اسی طرح عثمان کے قاتل چند مصری باغی قرار دیئے گئے ہیں مگر یہاں بھی ابھی قاتل پر پردہ پڑا ہوا ہے، عقل باور نہیں کرتی کہ چند سو باغی پایے تخت

اسلام میں اس طرح بغیر کسی بڑی سازش کے درانہ چلے آئیں اور خلیفہ وقت کو خاص اُسی کے محل میں تین دن محاصرہ کے بعد قتل کر دیں۔ یہ مانا کہ اسلامی فوجیں پائے تخت کے باہر گئی ہوئی تھیں تو بھی چند غیر ملکی اشخاص کو یہ جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ اتنا بڑا فعل کریں۔ اور صحیح وسلامت مدینہ سے بچ کے نکل جائیں جو الزام اس بیچارے بوڑھے خلیفہ پر لگائے گئے ہیں اگر اُنہیں صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی وہ ایسے سنگین نہیں ہیں کہ خلیفہ اُن کی پاداش میں قتل کر دیا جاتا، ان کل الزاموں کا جواب خلیفہ کے پاس موجود تھا، اُس سے پوچھا جاتا اور اُسے اپنے ڈیفنس کا پورا موقع دیا جاتا۔ تو آسانی سے کل مطالب حل ہو جاتے اور سارے الزام رفع ہو جاتے، مگر ایسا نہیں کیا گیا اور زبردستی بلا جواب لیے محل میں گھس کے باغیوں سے قتل کرا ڈالا گیا۔

اِس طرح حضرت علی بھی بعد ازاں کوفہ کی مسجد میں قتل ہوئے تو کیا ان کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم بھی اسی سرزنش کا مستحق ہے جیسا عمر فاروق اور عثمان غنی کا اصلی قاتل۔ اس کا جواب تاریخ بالکل نفی میں دیتی ہے۔ حضرت علی پر مسلمانوں نے جو الزام قائم کئے تھے وہ آفتاب سے زیادہ روشن اور مبرہن تھے اور وہ ایسے الزام تھے جن کے صحیح ہونے کو کوئی نہ جھٹلا سکا اور نہ جھٹلا سکتا ہے اور ان کی ناقابلیت اُصول جہانداری سے خیر القرون کے زمانے میں وہ خونریزی ہوئی کہ الحفظہ للہ وہ تلوار جو اب تک نامسلموں پر اُٹھ رہی تھی بے دریغ مسلمانوں پر اُٹھنے لگی اور رسول اللہ کے صحابہ کو قتل کرنے لگی حضرت علی نے مانا کسی بدنیتی سے نہ سہی، کسی دشمنی اسلام سے نہ سہی بلکہ اپنی ناقابل معافی بے لیاقتی سے مسلمانوں میں خون کے دریا بہا دئے اور اسلامی دنیا میں ایسی خونریزی کا بیج بویا کہ آج تک اس کا سلسلہ برابر چلا جا رہا ہے۔ حضرت علی نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا قتل کرنا سکھایا اور تعلیم دی کہ محض خود سری سلطنت حاصل کرنے کے لئے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خون مباح ہے۔ کسی قسم کے زبردست سے زبردست منطقی دلائل اس خونریزی کے الزام کو حضرت علی پر سے ہلکا نہیں کر سکتے۔ نہ ان کے دامن سے مسلمانوں کے خون کے دھبے دھو سکتے ہیں جنہوں نے اس دامن کو ایسا سرخ بنا دیا کہ اس کی سرخی سو پردوں میں سے آج بھی ہمیں نظر آ رہی ہے، اس بناء پر اگر چند مسلمانوں نے سازش کی ہو اور اس قہرناک آفت کو مٹانے کے لئے عبدالرحمٰن کو تجویز کیا ہو تو تاریخ

اس کی معذرت قبول کرنے کے لئے تیار ہے شیعی دنیا نے تو اُلٹی گنگا نہ بہائی ہے، فاروق اعظم کے قاتل کا لقب بابا شجاع رکھا مگر تاریخ یہ لقب عبدالرحمٰن کے لیے تجویز کرتی ہے. جس نے ایسے شخص کو قتل کیا جسکی وجہ سے تمام اسلامی دنیا خون میں نہا گئی تھی اور پیراہن اسلام نہ صرف چاک چاک ہوا تھا، بلکہ اسلامی خون میں اس قدر تربتر ہو گیا تھا جس کے داغ باوجود تیرہ سو برس گزرنے کے بھی ابھی تک نمایاں ہیں مولویانِ زمانہ نے صدیوں سے یہ بڑا غضب ڈھایا کہ تاکہ تاریخی واقعات کو بالکل چھپا ڈالا، اور اگر کہیں کسی کی زبان پر کوئی واقعہ آجاتا تو اسے دھمکا دیا جاتا کہ مشاجرات صحابہ میں دخل کسی مسلمان کا کام نہیں ہے، ملایانِ زمانہ کی یہ شرارت اور اُن کا یہ افسوں پورا کارگر ہو گیا. وہ لوگ اصل میں شیعی عقائد پر تلے ہوئے تھے، مگر ظاہرداری کے مسلمان بنے ہوئے تھے. ان کی اس شرارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل اسلامی دُنیا قریب قریب صحابہ کے حالات سے جاہل رہ گئی. چونکہ یہ رنگ پڑھے لکھوں پر بھی گہرا گہرا چڑھ گیا تھا، اس لیے متاخرین کی جس قدر تصانیف ہیں وہ سب اِسی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں اور انہوں نے ہر مقام میں عمداً حق پر پردہ ڈالا ہے. ان کی کتابوں میں ان کہانیوں کے ہموزن جو آپ نے اُوپر ملاحظہ کی ہیں صدہا کہانیاں جن کا سر نہ پیر ملتی ہیں. غرض یہ کہ احوال صحابہ سے، لاعلمی بڑھتی رہی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ صحابہ کی غلط تعریف اور فرضی کرامتوں کا بیان اُصول دین میں داخل ہو گیا، ایسی کرامتوں کا منکر کافر بنایا گیا، اور ابنائے زمانہ نے اسے خارجی، ناصبی اور ملحد کے خطاب دینے میں کوتاہی نہیں کی. یہ کوئی نئی بات نہیں ہے. کئی صدی پہلے بھی بڑے بڑے جید علماء کی یہ درگت ملایانِ زمانہ اور جاہل مسلمانوں کے ہاتھ سے ہو چکی ہے. مثلاً ابن تیمیہ جس سے زیادہ محقق اسلامی دنیا نے پیدا نہیں کیا. اس پر تمام علمی اسلامی عالم قیامت تک فخر کرے گا، اس نے پردہ کا تارتار الگ کر دیا، جو ملایانِ زمانہ نے احوال صحابہ پر ڈالا تھا، اور اسلامی واقعات کی اس قدر چھان بین کی کہ زمین و آسمان سے مرحبا و صد مرحبا کی صدائیں نکلنے لگیں اس نے ان ناپاک عقائد کو کامل شکست دی جو زبردستی داخل اُصول دین آلہی کر دیئے گئے تھے اس نے احوال صحابہ کو اس طرح صاف کر کے مسلمانوں کے آگے پیش کر دیا، گویا ہر مسلمان اپنی آنکھ سے اُن واقعات کو دیکھ رہا ہے. جس طرح دُنیا کی تمام قوموں کو اپنے اپنے علماء اور فضلا پر فخر ہے اسی

طرح ہم ابن تیمیہ کی ذات پر فخر کرتے ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی قوم پورے سہر اعلماء پیش کرے تو ہم ان کے مقابلہ میں صرف ایک ابن تیمیہ کو پیش کر سکتے ہیں. اخیر جب زمانہ گزر گیا اور صدی کا بیچ میں وقفہ ہو گیا تو ملایان زمانہ کی بن آئی. اور اُنہوں نے پھر ایک حد تک احوال صحابہ پر پردہ ڈالنے میں کامیابی حاصل کر لی، اور جو فرضی کراتیں یا اُلٹے سیدھے حالات انہوں نے مسلمانوں کے آگے پیش کیے اُنہیں اصول دین قرار دیا اور بیچارے جاہل پھر اُسی طرح جہالت کے تاریک گڑھے میں ٹپے تو ئیاں مارتے رہ گئے غیرت حق کہاں تک اِن ملایان زمانہ کی سفا کی اور بے رحمانہ افعال کو دیکھتی اور برداشت کرتی، اخیر اُسے حرکت ہوئی اور اُس نے ابن تیمیہ کو وہ قلم جو ابھی تک قضاو قدر کے پاس محفوظ تھا میرزا حیرت کو دے دیا، غیرت حق کا یہ انتخاب ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ چند سال کی لگاتار روانی قلم نے تمام پردے جو احوال صحابہ پر پڑے ہوئے تھے الگ الگ کر دیئے اور اُنہیں پارہ پارہ کر کے پھینک دیا. آپ بلا شک وشبہ کیسے خوش قسمت ہیں جو اِس زمانہ محمود و مسعود میں پیدا ہوئے وہ زمانہ جس میں ہر صحابی اپنے اصلی لباس میں دکھائی دیتا ہے، گویا خیر القرون کے کل معاملات حالت اور واقعات کا ایسا نقش آپ کی آنکھوں کے آگے کھینچ گیا ہے گویا آپ اپنی آنکھوں سے یہ کل باتیں نظر کر رہے ہیں. یہی وجہ ہے کہ جو کچھ کتاب شہادت میں لکھ گیا ہے آج تک کسی فاضل سے فاضل شیعی عالم کو یا ان کے برادران خورد ملایان زمانہ کو جرات نہ ہوئی کہ ایک واقعہ کا غلط ثابت کرتا تو کیا مشتبہ ہی بتاتا، لاحول ولا قوۃ، یہ محض ناممکن ہے نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے. یہ بچی بچی بات ہے، جس میں نہ مبالغہ ہے نہ تصنع ہے، نہ شیخی ہے نہ اظہار فخر ہے، کچھ بھی نہیں، اگر ہے تو صداقت بداہت، راستبازی اور اظہار واقعات ہے. چونکہ ایسے بچے حالات سننے کے آپ عادی نہیں ہیں، اِس لیے ممکن ہے کہ آپ چونکیں اور ان کے قبول کرنے میں آپ چون و چرا کرنے لگیں، مگر بات اصل یہ ہے کہ صداقت صداقت ہی ہے کب تک غلط اور فسانہ انگیز عقائد کا بھوت تمہیں ڈراتا رہے گا اور کب تک صحیح واقعات پردے میں رہیں گے اِن غلط حالات نے جیسا کہ آپ اُوپر پڑھ چکے ہیں، اللہ تعالیٰ کے کلام اُس کی تلقیں، کو اس قدر نقصان پہنچایا کہ اُس کا اندازہ آج کوئی نہیں کر سکتا. بہر حال جو کچھ ہو چکا اُس کا خیال نہ کیجے اور اب کھری کھری اور سچ سچ باتیں سُنئے جن کا سلسلہ کئی سال سے کتاب شہادت میں

جاری ہے اور الحمدللہ وہ اس قدر مقبول ہوا ہے اور ان صحیح واقعات نے مسلمانوں کے دلوں میں ایسا گھر کر لیا ہے کہ اب افسانہ انگیز عقائد ان کے پاس ہو کے بھی نہیں پھٹک سکتے۔ اس تمام جملہ معترضہ کے بعد آپ عثمان غنی کے بے رحمانہ قتل کا حال صاف صاف سنیئے اور دیکھئے کہ اس قتل کی تہ میں کون چھپا ہوا ہے اور کس نے ابتدا اسے اس میں سازش کر رکھی تھی، اگر بے رو رعایت غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس سازش کا سلسلہ ابوبکر صدیق کی خلافت ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ جس کا ذکر آپ گزشتہ صفحات کتاب میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ عمر فاروق نے سازش کرنے والوں کو دھمکی دی تھی کہ اگر یہی کیفیت رہی تو میں اس گھر کو جہاں خلافت کے خلاف سازش کی جاتی ہے تم پر جلا دوں گا یہ گھر رسول اللہ کی صاحبزادی فاطمہ کا تھا یا بالفاظ دیگر علی بن ابی طالب کا تھا۔ جن سازشی جلسوں سے حضرت خاتون محشر سخت ناراض تھیں، مگر اپنے شوہر کے آگے جیسا کہ قاعدہ ہے ان کی ایک نہ چلتی تھی، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ میں اس کا بصراحت تذکرہ کیا ہے، غرض جب سازش کرنے والے پراگندہ کر دیئے گئے، اور حضرت علی تنہا رہ گئے اور ادھر چند مہینے میں خاتون محشر کا انتقال ہوگا، جس انتقال کی خبر حضرت علی نے نہ صرف ابوبکر و عمر فاروق کو بلکہ اپنے احباب کو بھی نہ کی اور اسی مکان میں جہاں وہ رہتے تھے خاتون محشر کو دفن کر دیا، پھر آپ نے ابوبکر صدیق کو پیغام بھیجا کہ تم میرے پاس تنہا آؤ اور ساری شکایتیں میری سنو، اور میرا اطمینان کر دو تو میں تمہاری بیعت کر لوں، مگر فاروق کو یا اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لانا۔ جب اس پیغام کی خبر عمر فاروق کو ہوئی تو انہیں خوف ہوا کہ ابوبکر صدیق کا اخیر تنہا بلانے کا کیا منشا ہے کہیں کوئی دوسری صورت پیدا نہ ہو، چنانچہ اسی بناء پر فاروق نے تنہا علی کے پاس جانے سے ابوبکر کو منع کیا مگر صدیق نہ مانے اور کہا کچھ خوف کی بات نہیں ہے اللہ میرا نگہبان اور محافظ ہے۔ بہر حال صدیق تشریف لے گئے۔ اور علی بن ابی طالب نے جتنی اُن کی شکایتیں تھیں سب صدیق کے آگے بیان کیں، صدیق نے ہر شکایت کا جواب ایسا اطمینان بخش دیا کہ حضرت علی خاموش ہو گئے اور بیعت کرنے کے لیے اُن کے ساتھ حضور انور رسول اللہ کی مسجد میں سیدھے چلے آئے، یہاں مہاجرین و انصار کا معقول مجمع تھا، صدیق نے اپنی فطری دیانت اور راست بازی سے سب صحابہ کے آگے حضرت علی کی کل شکایتیں پہلے بیان فرمائیں، اور پھر جو کچھ ان شکایتوں

CamScanner

کا جواب دیا تھا وہ بھی بیان کر دیا۔ جس طرح اُن مسکت جوابات سے حضرت علی کی تسکین ہو گئی تھی اسی طرح کل صحابہ کی تسکین ہو گئی، اور پھر حضرت علی نے بھرے مجمع میں صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس بیعت پر دو فریق ہو گئے ایک فریق مسلمانوں کا اور ایک خارجیوں اور شیعوں کا مسلمانوں یعنی سنیوں کا فریق تو یہ کہتا ہے کہ یہ بیعت حضرت علی نے نہایت ایمانداری اور خلوص سے کی تھی مگر خارجی اور شیعہ اس بیعت کو فریب اور بے ایمانی کی بیعت بتاتے ہیں، مثلاً شیعی علماء فرماتے ہیں کہ یہ بیعت محض مجبور ہو کے دفع الوقتی کے طور پر کی گئی تھی۔ کیونکہ اگر شیعہ اس بیعت کو ایمانداری کی بیعت تسلیم کر لیں تو پھر صدیق پر جو تبرے بازی کی جاتی ہے وہ قائم نہیں رہتی عقل باور نہیں کرتی کہ حضرت علی نے جس شخص کے ہاتھ صدق دلی سے بیعت کی ہو اُسکی نسب علی کی پیروی کے مدعی ایک حرف بھی خلاف تہذیب ہو کہ اس میں سے نکالیں استغفر اللہ۔ ہم فی الحال اس بیعت کی ردو بدل میں نہیں پڑتے، مطلب تو یہ ہے کہ بیعت ہو گئی، خواہ سچائی سے ہوئی ہو یا فریب و مجبوری سے، صدیق کی خلافت میں کوئی نہ نامور واقعہ ایسا نہیں ہوا جس میں حضرت علی نے کوئی حصہ لیا ہو۔ جب صدیق کی وفات ہو گئی تو عمر فاروق جمہور کے انتخاب سے خلیفہ بنائے گئے اور آپ کی خلافت میں اسلام بہت دور دور ممالک تک پھیل گیا، اخیر تک حضرت علی بظاہر خاموش رہے اور سوائے معمولی مشوروں اور مسائل میں رائے دینے کے اور کوئی بات قابل ذکر دورانِ خلافت فاروقی میں پیدا نہیں ہوئی۔ اب اخیر خلافت میں فاروق اعظم کا ابولولو مجوسی کے ہاتھ سے قتل کا واقعہ ہوتا ہے۔ جس نے نہ صرف فاروق کی زندگی کا خاتمہ کر دیا، بلکہ اسلام کی ترقی کے پیراہن کو ایسا چاک کیا کہ اُس کی دھجیاں دھجیاں ہو گئیں، اگر عثمان غنی جیسا ان کا جانشین نہ ہوتا تو مسلمانوں کو وہ روز بد دیکھنا پڑتا جو بجائے خود ان کے لیے مہلک ثابت ہوتا۔ تاریخ صاف الفاظ میں شہادت دیتی ہے کہ فاروق اعظم کا قتل کسی بہت بڑی سازش سے ہوا تھا۔ کعب الاحبار نے تین دن یا اس سے کچھ پہلے آپ کے قتل کی سازش کی آپ کو اطلاع دے دی مگر کسی مصلحت سے یا کسی دلی کمزوری کی وجہ سے وہ اصل سازش کے راز کو افشا کرنے سے احتراز کرتا رہا، اور جب فاروق نے کھود کھود کے اُس سے پوچھا کہ یہ خبر تجھے کہاں سے ملی۔ کعب نے ٹالنے کے طور پر کہہ دیا کہ تورایت میں اس کی پیشن گوئی دیکھی ہے۔ فاروق سمجھ گئے کہ یہ مطلب چھپانے کے لیے تو

رایت کا نام لیتا ہے مگر آپ نے اِس راز کو ٹٹولنے میں مزید اصرار نہیں کیا، اور مولا کی مرضی پر چھوڑ دیا دوسرے دن مغیرہ بن شعبہ کا فیروز نامی غلام آپ کو راستہ میں ملا اور اپنے آقا کی شکایت کی کہ وہ روزانہ مجھ سے اتنے ٹکے لے لیتا ہے اور مجھے مزدوری میں زیادہ نہیں بچتا. فاروق نے پوچھا تجھے کیا کیا ہنر آتے ہیں وہ بولا میں یہ یہ ہنر جانتا ہوں اور پون چکی بھی بنا سکتا ہوں. فاروق نے کہا اتنے ہنروں پر اگر تیرا آقا اتنے ٹکے روز لیتا ہے تو کوئی زیادتی نہیں کرتا. پھر فرمایا ہمیں بھی چکی کی ضرورت ہے. اگر تو بنا دے تجھے منہ مانگی مزدوری دے دی جائے گی سازشی غلام نے کہا" آپ کے لیے ایسی چکی بنا دوں گا کہ اُس کا شہرہ مشرق سے مغرب تک ہو جائے گا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا، فاروق اُس کے لہجہ اور تیور سے سمجھ گئے کہ یہ مجھے دھمکایا گیا ہے مگر آپ نے اس کا کچھ تدارک نہ کیا. عقل باور نہیں کرتی کہ ایک نامرد مجوسی غلام صرف اتنی سی بات پر کہ وہ مثلاً ایک روپیہ کما تا ہے جس میں سے آٹھ آنہ روز اس کا آقا حسب دستور لے لیتا ہے، غلام خلیفہ سے شکایت کرتا ہے کہ آٹھ آنے بہت ہیں، خلیفہ کہتا ہے کہ کچھ ایسے بہت نہیں ہیں. بس اتنی سی بات پر وہ افروختہ ہو جاتا ہے. اور اپنی جان کھونے پر تیار ہو جاتا ہے یہاں تک دلیری کرتا ہے کہ خلیفہ ہی کو نہیں بلکہ کئی اور صحابہ کو قتل و زخمی کر دیتا ہے، فیروز یا ابولولو مجوسی مجنوں نہیں تھا وہ اپنے فعل کے نتیجے کو خوب سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ ایسا بے رحمانہ فعل مجھے جہنم واصل کر دے گا مگر پھر بھی اُس نے کچھ پرواہ نہ کی ورنہ مسجد میں چلا آیا اور خلیفہ کے ساتھ کوئی جلیل القدر صحابہ کو نماز پڑھتے میں مہلک زخمی کر دیا. تاریخ سے اِس سازش کا اچھی طرح پتہ لگتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہرمزان والے ہواز و خورستان کے بعد قید کر کے مدینہ بھیج دیا گیا تھا، یہاں وہ جھینہ نام نصرانی کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتا تھا چونکہ وہ دونوں نہ مسلمان تھے اور فیروز بھی مسلمان نہیں ہوا تھا اِن تینوں کی خوب ہی گٹھوت تھی. جب ابولولو یا فیروز فاروق کو زخمی کر کے مسجد سے بھاگا تو اُس کا تعاقب بنی تمیم کے ایک شخص نے کیا اور راستے میں اُسے جا لیا اور فوراً اُسے قتل کر دیا جو خنجر اُس کے پاس تھا وہ لے کے عبدالرحمٰن ابی بکر کو دے دیا، عبدالرحمٰن نے اس خنجر کو فاروق اعظم کے بیٹے عبداللہ کو دے دیا اور کہا یہ وہی خنجر ہے جو میں نے بچشم خود ہرمزان کے پاس دیکھا ہے، عبداللہ بن عمر نے جب یہ سنا تو فوراً ہرمزان کے مکان پر پہنچ کر اُسے بھی قتل کر دیا اور اُس کے نصرانی جھینہ کو بھی مار ڈالا. یہ بات دیکھنے کی ہے

کہ جب ہرمزان گرفتار ہو کے مدینہ میں آیا ہے تو اس کی نگرانی، اُس کے کھانے پینے کا انتظام فاروق نے بنی ہاشم کے سپرد کر دیا تھا بنی ہاشم کے سرگروہ حضرت علی تھے اور ان سے ہرمزان کی خوب گھٹوت تھی آنا جانا اور ملنا ملانا حد درجہ پر پہنچا ہوا تھا. سمجھ میں نہیں آتا کہ اُس کے ہاں خلیفہ کے قتل کرنے کی سازش کی جائے اور ابو طالب کے بیٹے کو اس کی خبر نہ ہو۔ اور جب عثمان غنی جمہور کی رائے سے خلیفہ بن جائیں تو حضرت علی بیعت میں پس و پیش کریں کیونکہ وہ اپنی آس لگائے بیٹھے تھے اور جب صہیب عبداللہ کو دربار خلافت میں پیش کریں تو خلیفہ اور کل صحابہ کے خلاف علی ہی یہ مشورہ دیں کہ عبد اللہ فاروق کے بیٹے کو قطعی قتل کر دینا چاہیے " خلیفہ وقت عثمان غنی باوجود مطابق قانون اسلام کے دیت دینے پر تیار ہو جائیں، بلکہ اپنے پاس سے دیت دے بھی دیں اور حضرت علی راضی نہ ہوں کل صحابہ عثمان کے اس فعل کو قبول کر لیں اور تحسین کریں مگر حضرت علی ناک بھوں چڑھا کے رہ جائیں اور بلا قانون شریعت دیت کو منظور نہ کریں بلکہ دل میں یہ ٹھان لیں کہ جب کبھی موقع ہو عبداللہ بن عمر کو قتل کر ڈالنا چاہیے۔ غرض کل معاملات کا نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے کھینچ دیا ہے، اب آپ خود ہی نتیجہ نکال لیں کہ عمر فاروق کا اصلی قاتل کون ہے، ہاں جب حضرت علی خلیفہ بنائے جائیں تو سب سے پہلے عبداللہ بن عمر کے لیے گرفتاری کا فرمان جاری کریں. توبہ توبہ. الٰہی توبہ، اب عثمان غنی کے بے رحمانہ قتل کا حال سنیے، پہلے تو کوفہ سے چند بدمعاش مدینہ میں آئے اور جب ان سے دریافت کیا گیا تم کیوں آئے ہو تو انہوں نے اپنے گورنر کی شکایت کی کو وہ ہم پر ظلم بہت کرتا ہے. ہم چاہتے ہیں کہ وہ تبدیل کر دیا جائے، مگر اہل مدینہ نے جب ان کے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو ان سے دریافت کیا کہ تم صاف طور پر کہو آخر تمہارے اصلی منشاء کیا ہے وہ بولے عثمان نے فلاں مقام پر تمام قصر نہیں پڑھی، قرآن مجید کو جلا دیا اور یہ کیا اور وہ کیا جب عثمان نے یہ سنا وہ فوراً مسجد نبوی میں آئے اور جتنے الزام کوفیوں نے ان پر لگائے تھے ان سب کے جواب دیئے وہ جواب جن سے مہاجرین و انصار کو پوری تسکین ہو گئی، آخر اپنا سامنہ لے کے سب کوفی مدینے سے چلے گئے، اس کے کچھ عرصہ بعد مصری لوگ آئے مگر انہوں نے مدینہ میں بڑا ادھم مچایا. عثمان غنی نے علی بن ابی طالب کو بلا کے کہا کہ مصریوں کی باگ تمہارے ہاتھ میں ہے اگر تم چاہو تو فتنہ دب سکتا ہے. حضرت علی سخت گرم ہونے لگے کہ تم نے یہ کیا

اور وہ کیا، اس پر عثمان غنی نے کہا آپ اتنی سخت کلامی نہ کریں، مجھے آپ سے یہ اُمید نہیں ہے، آپ سے تو میرا بہت ہی قریب کا تعلق ہے، سب سے بڑی شکایت آپ کی ہے کہ میں نے بنی اُمیہ کے غربا کو کچھ روپیہ بیت المال سے لے کے تقسیم کر دیا ہے۔ بہت اچھا وہ کل روپیہ میں بیت المال میں داخل کر دیتا ہوں، پھر تو آپ کو وجہ شکایت نہیں رہنے کی. حضرت علی نے کہا" نہیں" چنانچہ عثمان نے اپنی جیب سے وہ روپیہ داخل خزانہ سرکاری کر دیا. اس پر حضرت علی خاموش اُٹھ کے اپنے گھر چلے آئے علی کے سوا جتنے صحابہ تھے وہ مصری باغیوں کے خلاف ہو گئے. اور آمادہ ہوئے کہ ان فتنہ پردارزوں کی گردن ماردی جائے، اس ارادہ سے سب مل کے عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اجازت دیں کہ ہم سب کو گرفتار کر کے اِن کی گردنیں ماردیں کیونکہ رسول مقبول نے ایسے مفسدوں کا خون مباح کیا ہے، عثمان غنی نے کہا اگر معاملہ سہولت سے طے ہو جائے تو پھر مدینہ میں خونریزی کی کیا ضرورت ہے، جب باغیوں نے یہ سُنا وہ فوراً مدینے سے بھاگ کھڑے ہوئے، مگر دانت پیستے ہوئے گئے اور کہا کہ اب کے ہم خوب تیار ہو کے آئیں گے ہم تو عثمان کو خلیفہ رکھنا چاہتے ہی نہیں، لہذا اُس کے جواب اور عذر سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے. چنانچہ ایسے ہی ہوا، اب کے دوبارہ وہ خوب تیار ہو کے مدینے میں آئے، اِن پر سب سے زیادہ مہربانی حضرت علی کی تھی. جب عثمان غنی نے سنا کہ مصری اب کے بڑا ہنگامہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو وہ سیدھے علی بن ابی طالب کے پاس آئے اور بہ منت کہا کہ آپ میری اس میں مدد کریں حضرت علی نے آنکھیں بدل کے کہا تمہاری کیا خاک مدد کروں، جو کچھ میں مشورہ دیتا ہوں اُس وقت تو تم ہاں ہاں کر لیتے ہو لیکن جب اس کے خلاف لوگ آ کے کہہ دیتے ہیں تو تم ان کی مان لیتے ہو عثمان غنی نے کہا جو کچھ ہو چکا، ہو چکا اب ایسا نہیں ہونے کا. اخیر بڑی ضد بحث کے بعد حضرت علی راضی ہوئے اور کہا مصری سرداروں کے پاس جا کے اُن سے گفتگو کرتا ہوں. عثمان یہ سن کے اپنے گھر چلے آئے علی جب حسب وعدہ مناد یدمصرد کے پاس گئے، کل معاملات پر اِن سے گفتگو ہوئی. وہ راضی ہو گئے اور کہا کہ ہم خود عثمان سے اُس کے مکان پر ملنا چاہتے ہیں حضرت علی نے اسے منظور کر لیا، یہ بات بالکل خلاف قاعدہ تھی. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق، اور عمر فاروق کے زمانے سے یہی دستور چلا آتا تھا کہ جب اس قسم کی کوئی اہم بات ہوتی تھی تو رسول اللہ کی مسجد میں

سب جمع ہوتے تھے اور خلیفہ کو جو کچھ کہنا ہوتا تھا کہہ دیا جاتا تھا۔ آج تک امر خلافت یا اُس کے کسی جزو کے لیے خلیفہ کے مکان پر کوئی مجمع نہیں ہوا تھا، حضرت علی اس بات سے خوب واقف تھے مگر اُنہوں نے بھی جبکہ باغی بالکل ان کے ہاتھ میں تھے خانہ خلافت گھیر لینے کو منع نہیں کیا اور اپنے دروازے بند کر کے گھر میں ہو بیٹھے اصل بات اور ہی تھی۔ اور ان واقعات میں غور اور خوض کرنے والا اسے اچھی طرح سے سمجھتا ہے خود عثمان غنی کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب باغیوں کی طغیانی حد سے تجاوز کر گئی تو عثمان غنی نے علی، طلحہ اور زبیر کو خلوت میں اپنے پاس بلا کے کہا کہ خلافت کی بنیادیں ہل چکی ہیں جسے تم بخوبی دیکھ رہے ہو، اگر میری طرف سے تم لوگوں کو کچھ صدمہ پہنچا ہے تو میں اسکی تلافی کرنے کو تیار ہوں اور اگر مجھ سے کچھ شکایتیں ہیں تو میں اُن کے رفع کرنے کی کوشش کروں، اللہ کے لیے ایسا مت کیجئے۔ کہ باغی شہر میں بغاوت پھیلا دیں اور محض اس غرض سے تھلکہ عظیم برپا کر دیں کہ تم میں سے ایک شخص مری بجائے خلیفہ بن جائے، اس خیال سے تم میری مدد سے باز نہ رہو اور خلافت کی تمنا کو جس کا سر دست حاصل ہونا محال ہے دل سے نکال ڈالو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی خلیفہ ہو بھی گیا تو خوب سمجھ لینا کہ اس کی پائداری محال ہے، یعنی وہ زیادہ مدت تک خلیفہ نہیں رہنے کا یہ سُن کے حضرت علی کو غصہ آ گیا اور اُن کے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں اور اُنہوں نے یہ نامناسب الفاظ عثمان غنی کی نسبت منہ سے نکالے "مالک ولذلک لا ام لک" عثمان نے کہا مجھے ماں کی گالی کیوں دیتے ہو، میرا تمہارا تو قریب کا رشتہ ہے (از روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۶۲۶ سطر ۲۱ و ۲۲ و ۲۳) اس کے جواب میں حضرت علی آئیں شائیں کرنے لگے۔ اس واقعہ سے اصلی راز کا پتہ لگا لینا آسان ہے کہ خون عثمان میں علی کا ہاتھ کہاں تک کام کر رہا تھا اور وہ خلافت لینے کے کہاں تک آرزومند تھے، ان کے غصہ کی یہ کیفیت تھی کہ خلیفہ وقت اور جانشین رسول مقبول کو ماں کی گالی دے بیٹھے، سمجھ گئے تھے کہ یہ بوڑھا خلیفہ خود مصائب میں پھنسا ہوا ہے گالی دینے کی سزا مجھے نہیں دے سکتا۔ مگر اس سے حضرت علی کی اعلیٰ درجے کی تہذیب انسانیت اور ادب جانشین رسول مقبول کا پتہ لگتا ہے، اس کا فیصلہ ہم ناظرین کتاب پر چھوڑتے ہیں اور خود اس کی نسبت ایک حرف بھی نہیں لکھتے۔ اب سُنئے مدینے نہ صرف مصر کے باغیوں نے یورش نہ کی تھی بلکہ بصرہ اور کوفہ کے باغی بھی آ گئے تھے۔ شہر میں انکے مختلف جلسے

ہوتے رہے اخیر سب کی یہ رائے ہوئی کہ عثمان کو قطعی معزول کر کے دوسرے کو تخت نیشن کیا جائے.
جب اس قطعی مگر خوفناک فیصلہ کی خبر مدینہ میں آگ کی طرح پھیلی تو اہل مدینہ باستثناء چند باغیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے کیونکہ وہ اپنے خلیفہ عثمان کو محض بے گناہ جانتے تھے، اہل عدوان نے جب اہل مدینہ کی تیاری کا حال سنا تو سخت خائف ہوئے اور اُنہوں نے اپنا ایک وفد (ڈیپوٹیشن ، سردار اِن مدینہ کے پاس بھیجا جس نے یقین دلایا کہ ہم مدینہ میں خونریزی نہیں کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ ہمارا مدعا تو امر معروف ونہی عن المنکر ہے، مگر یہ محض فریب اور دغا بازی تھی، مدینے کے با ایمان مسلمان اِس کہنے میں اِس لیے آگئے وہ مثل اپنے دوسرے مسلمانوں کو بھی سچا جانتے تھے. غرض. اِن پر اِن باغیوں کا افسوں کارگر ہو گیا اور ان سب نے جنگ کا ارادہ فسخ کر دیا. اِس موقع سے فائدہ اٹھا کے باغی جماعت پچاس آدمیوں کا ایک ڈیپوٹیشن بنایا اور اُسے طلحہ کے پاس بھیجا جس نے طلحہ کو بہت کچھ خلافت کا لالچ دیا کہ عثمان کی جگہ ہم تم کو خلیفہ بنا دیتے ہیں. طلحہ نے یہ سن کے انہیں دھتکار دیا اور فوراً اپنے مکان سے چلے جانے کو کہا، پھر وہ زبیر اور علی کے پاس گئے دونوں نے اُس اُن کا یہ سودا لینا بے سُود سمجھا. غرض تینوں جگہ سے یہ لوگ ناکام واپس چلے آئے. اسی اثناء میں عمر بن ابوالعاص غصہ بھرے ہوئے عثمان کے پاس آئے ان کا غصہ بجا و درست تھا کیونکہ عثمان انہیں مصر کی گورنی سے معزول کر چکے تھے، اسی غصہ میں عمرو عاص نے کہا کہ مسلمان بہت سے عیب تجھ پر لگائے رہے ہیں تجھے چاہیے کہ تو اپنے ان عیبوں سے توبہ کرے اور علی الاعلان توبہ کرے تا کہ یہ فتنہ فرو ہو. عثمان نے کہا بندہ آللہ کون سا عیب مجھ میں ہے. جس سے تو توبہ کراتا ہے، عمرو عاص نے کہا ایک. بہت بڑا عیب تو یہ ہے کہ تو نے مجھے گورنری سے معزول کر دیا اور میری جگہ عبداللہ بن ابی سرح مرتد کو گورنر بنا دیا. یہ سُن کے عثمان غنی کبیدہ خاطر ہوئے اور اُنہوں نے عمرو بن عاص کو ٹوکا کہ ادب خلافت بھی کوئی چیز ہے. خلاف واقعہ الفاظ ایک مسلمان کی نسبت زبان سے نکالنے یہ کہاں تک تجھے زیب دیتے ہیں ـ اس پر عمر بن عاص جھک جھک کرنے لگا اور کسی قدر تو تو میں میں تک نوبت پہنچی اور پھر جوش بھرا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا اور سارے مدینے میں یہ ڈونڈی پیٹتا پھرا کہ عثمان کا خون مباح ہے اس نے یہ کیا اور وہ

جب نائرہ فتنہ بلند ہوئی تو عثمان غنی حجت پوری کرنے کے لیے شب کو حضرت علی کے پاس آئے اور کہا آپ آخر کیا انتظار کر رہے ہیں فتنہ کی آگ کو بجھایئے ورنہ خلافت کی ہری بھری کھیتی جل کے خاکستر ہو جائیں گی. حضرت علی نے اقرار کر لیا کہ صبح کو میں اس کی کوشش کروں گا. عثمان غنی وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے، علی الصباح علی اور صحابہ کو ساتھ لے کے باغیوں کے پاس آئے اور بجائے اس کے کہ انہیں دھمکاتے ان سے للو چپو کر کے اور انہیں سر پر چڑھا دیا. یہ خبر جب مروان نے سنی تو اُس نے عثمان سے کہا کہ تم نے ناحق علی کو بھیج کے معاملہ کو بگڑوا دیا. علیؓ نے جو الحاح وزاری کی اس سے باغیوں کی ہمت بندھ گئی اور وہ سمجھ گئے کہ خلیفہ میں مدافعت کا کچھ دم درود باقی نہیں، علی نے باغیوں کی نظروں میں تمہیں بہت ہی ذلیل کیا ہے. ترکیب تو یہ تھی کہ باغیوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ آپ فتنہ کی آگ دبانے کی قوت رکھتے ہیں اور کل اہل مدینہ آپ کے ایک اشارہ سے شمشیر بکف ہونے کے لئے تیار ہیں،، جب وہ سمجھتے ہیں کہ سخت خونریزی ہوگی اور انکا زندہ بچ کے وطن پہنچ جانا محال ہے تو وہ ہرگز فتنہ نہ پھیلاتے مگر کیا کیا جائے علی نے جا کے معاملہ ہی بگاڑ دیا. خیر جو کچھ ہو سکے کرنا چاہیے. باقی نتیجہ کا اللہ مالک ہے.

یہ بات چونکہ بہت معقول تھی عثمان غنی کی سمجھ میں آ گئی. آپ نے مسجد نبوی میں ایک مجلس منعقد کی جس میں عمر بن العاص آپ کے مخالف بھی موجود تھے، علی کی گفتگو سے آپ نے اظہار افسوس کیا، اس پر عمر بن العاص آپ کے مخالف گرم ہو کے بولے کہ بغیر خوشامد کے چارہ نہیں ہے ہیکڑی سے کام نہیں نکل سکتا، اس پر عثمان نے عمر بن العاص کو دھمکایا کہ تم اُلٹی سیدھی باتیں نہ بناؤ، یہاں مجلس میں اہل مدینہ تو خال خال تھے، باقی سب اہل فتنہ جمع تھے. آواز بلند ہوئی کہ عثمان اپنی غلطیوں سے توبہ کرو اور جو کچھ تم کر چکے ہو اس سے افسوس ظاہر کرو اس غل وشور کے ساتھ ہی پتھر باری ہونے لگی. باغی اُٹھ کھڑے ہوئے. عثمان غنی کو ممبر پر سے گھسیٹ لیا اور آپ کا عصا توڑ ڈالا. آپ چونکہ بہت بوڑھے تھے ممبر پر سے گرتے ہی بے ہوش ہو گئے، ان کے بے ہوش ہوتے ہی باغی بھاگ کھڑے ہوئے. آپ کے چند ہوا خواہوں نے بے ہوش عثمان کو کندے پر اُٹھا کے انکے گھر پہنچا دیا کہ اتنے میں علی عثمان کے پاس آئے عثمان ہوش میں آ چکے تھے. علی نے کہا کہ آپ کو مسجد میں جانے اور

خطبہ پڑھنے کی کیا ضرورت داعی ہوئی تھی. ہم نے تو بڑی خوشامد درآمد کر کے انہیں راضی کیا تھا آپ نے ہمارا سارا بنابنایا ہوا کھیل بگاڑ دیا. کیوں اور کس لیے آپ مسجد نبوی میں گئے اور اس وقت خطبہ خوانی کی آپ کو ضرورت ہی کیا تھی. حضرت عثمان نے جواب دیا "الماضی لایذکر" یعنی گزری ہوئی بات نہ دوہراؤ. اب بولو کیا کہتے ہو جو تم کہو وہی کیا جائے حضرت علی نے کہا ایک مجمع کیا جائے اور اُس مجمع کے آگے آپ اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں، بس پھر سب کچھ ہو جائے گا. عثمان یہ آخری حجت پوری کرنے کے لیے کہ ان پر کوئی الزام نہ رہے راضی ہو گئے، آخر مسجد نبوی میں پھر ایک جلسہ ہوا اور اس میں حضرت عثمان نے حضرت علی کے مشورے کے بموجب نہایت ہی دردناک لہجہ میں یہ بیان کیا.

لوگو یہ بات تم پر مخفی نہیں ہے کہ نسیان و خطا روز ازل سے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت ہوئی ہے، میں نہ معصوم ہوں نہ عصمت کا دعوی کرتا ہوں اگر مجھ سے امر خلافت میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو محل تعجب نہیں ہے. رسول مقبول نے فرمایا کہ " التائب من الذنب کمن لاذنب لہ "اب جو کچھ پسندیدۂ اللہ تعالی ہو اور جو کچھ تمہاری مرضی کے خلاف ہوں اُس سے توبہ کرتا ہوں اور اُس سے رُوگردانی کرتا ہوں، میری عمر پوری ہو چکی ہے، میرے اپنے لئے اِس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ جو پسندیدۂ اللہ نہ ہو اُس سے توبہ کروں، تمہیں اجازت دیتا ہو کہ جو کچھ تمہاری شکایتیں ہوں بیان کرو، میں دل سے سنو گا اور ان شکایتوں کے مٹانے کی تدبیر کروں گا. انشاء اللہ فقط.

یہ بیان کر کے آپ ممبر پر سے اُتر آئے اور اپنے گھر چلے آئے. مجمع نے نہایت خاموشی سے آپ کی یہ عذر خواہی سنی، مجمع ابھی منتشر نہیں ہوا. جب عثمان غنی چلے گئے تو حضرت علی نے آپ کے بعد کھڑے ہو کے صرف اتنا کہا کہ جو کچھ مناسب کہنا تھا وہ یہ شخص (یعنی عثمان غنی) کہہ کے چلا گیا اور یہی کافی بھی تھا" بس اس کے بعد مجمع منتشر ہو گیا اور وہ مجمع سیدھا عثمان غنی کے مکان پر آیا ہجوم بہت ہی ہو گیا اور اس ہجوم میں دشمن و دوست کی پہچان محال تھی. کاش حضرت علی اپنے بیان میں اتنا کہہ دیتے کہ ہم عثمان کی عذر خواہی کو قبول کرتے ہیں، اب کسی نے اگر عثمان کی طرف آنکھ بھر کے دیکھا تو ہم اُس کی آنکھیں نکال لیں گے، پس اُسی وقت شور و شر مٹ جاتا اور بے گناہ خلیفہ کے قتل کی نوبت نہ آتی، مگر یہ نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں کی کرہمت مضبوط رہی. اور اُنہوں نے بلاوجہ اور بلا

سبب پھر بیت خلافت کو آ کے گھیر لیا. اور دروازہ بند تھا. مروان نے عثمان کو خبر دی کہ لوگ فوج آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں. حضرت عثمان نے کہا جو کچھ کہنا تھا میں مسجد رسول اللہ میں کہہ آیا. اس کے علاوہ آنکھ چار کر کے ان سے باتیں کرنے میں مجھے شرم آتی ہے. تم ان سے کہہ دو کہ اس وقت وہ مجھے معاف رکھیں پھر کسی وقت دیکھا جائے گا. چنانچہ مروان دروازہ پر آیا اور عثمان غنی کا پیغام اس مجمع کو پہنچا دیا. یہ لوگ سیدھے حضرت علی کے پاس آئے اور کہا ہم تو از راہِ محبت عثمان کے پاس گئے تھے کہ مروان نے ہم سے یہ یہ کہہ کے ہمیں اندر نہ جانے دیا. حضرت علی کو یہ سن کے بہت رنج ہوا، اور آپ سیدھے اُٹھ کے عثمان غنی کے پاس آئے، دونوں کی گفتگو ہونے لگی. حضرت علی نے کہا کہ ہم تو اصلاح امور میں کوشش کرتے ہیں مگر مروان کی مفسدہ پردازی سے ہماری کل کوششیں درہم و برہم ہو جاتی ہیں. آپ کو کیا خبر مروان اپنی ذاتی اغراض میں مبتلا ہے آپ کے کاموں سے اِسے خاک دلچسپی نہیں ہے. وہ عنقریب تمہیں کوئیں میں دھکیل کے آپ الگ ہو جائے گا اور پھر تم اُس کوئیں سے باہر نہ نکل سکو گے. اخیر مجبور ہو کے میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ پھر تمہارے پاس نہ آؤں، کیا کہوں تم میری ایک نہیں سنتے اور جو کچھ مروان کہتا ہے اُسی پر آنکھ بند کر کے عملدرآمد کرتے ہو، اتنا کہے کہ حضرت علی نے جواب کا انتظار بھی نہ کیا اور اُٹھ کے اپنے گھر چلے آئے. علیؓ کے جاتے ہی نائلہ بنت الفرافصہ زوجہ عثمان غنی حضرت خلافت پناہی کے پاس حاضر ہوئیں اور کہا اے عثمان میری تو یہی رائے ہے کہ تو علی کے کہنے پر چل اور مروانؓ کی باتوں میں نہ آ، کیونکہ اس موقعہ پر مروان کی موافقت کام نہ دے گی. نائلہ کی یہ بات زیادہ وزن رکھتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ باغیوں کی باگ حضرت علی کے ہاتھ میں ہے، مروان سے باغی بہت ناراض ہیں اگر عثمان علی کی موافقت میں کام کریں گے تو انکی زندگی بچ جائے گی. اس کا جواب حضرت عثمان نے اپنی بیوی کو کچھ نہ دیا اور بالکل خاموش ہو گئے. اسی اثناء میں حضرت عثمان نے عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا. ابن عمرؓ نے کہا یہ تو بتایئے کہ آپ کے دشمنوں کا کیا مقصد ہے اور وہ آپ سے آخر چاہتے کیا ہیں. عثمانؓ نے کہا ان کا مدعا تو فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں خلافت سے ایسی دست برداری کر لوں کہ پھر ادھر کا خیال بھی مجھے نہ آئے، یعنی خلافت سے علیحدہ ہو کے پھر میں اس سے کچھ سروکار نہ رکھوں. اس پر عبداللہ نے کہا کہ خلافت ترک کرنے کے بعد کیا

آپ کو قیامت تک زندہ رہنے کی اُمید ہے، عثمان نے مسکرا کے کہا نہیں یہ کیونکر کوئی باہوش شخص خیال کر سکتا ہے کہ وہ قیامت تک زندہ رہے گا. ابن عمر نے جواب دیا جب یہ بات ہے تو میری رائے یہ ہے کہ آپ خلعتِ خلافت کو مت اُتاریئے اور اپنے قتل کا خوف نہ کیجئے آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ آپ خلیفہ ہونے کی حالت میں قتل کئے جائیں، کیونکہ اگر آپ نے اپنے قتل کے خوف سے تخت خلافت سے کنارہ کشی کی تو یہ مثال آپ قائم کر دیں گے کہ، جب کسی خلیفہ سے چند آدمی ناراض ہو جائیں تو وہ آسانی سے اسے تختِ خلافت سے اُتار دیں اسلام میں اس سے سخت رخنہ پڑے گا اور پھر خلیفہ کی کوئی وقعت نہیں رہنے کی. آپ کو کیا یاد نہیں کہ رسول اللہ نے میری اور دیگر صحابہ کی موجودگی میں آپ سے یہ کہا تھا فلا تنزع قمیص الی اللہ تعالی، وہ قمیص کس چیز کی ہے، یہ خلافت کی قمیص ہے، جس کی نسبت حضور انور نے ارشاد فرمایا تھا. اب آپ اپنی حجت پوری کرنے کے لیے مخالفوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی دعوت دیں اگر وہ مان لیں تو فبہا نہ مانیں تو آپ معذور ہیں. فقط یہ رائے حقیقت میں بڑی وزنی رائے تھی اور ایسی رائے تھی کہ عبداللہ بن عمرؓ کی روشن ضمیری عالی دماغی اور عقل و فراست کی تعریف نہیں ہو سکتی. حضرت عثمان نے بھی اِس رائے کو بہت پسند کیا. پھر آپ نے مغیرہ بن شعبہ کو اپنا پیامبر بنا کے مفسدوں کے سرگروہ کے پاس روانہ کیا. مغیرہ گئے اور مفسدوں سے صلح و آشتی اور اللہ رسول کی باتیں کرنے لگے. مفسدوں نے ایک نہ سنی اور نہایت درشت لہجہ میں کہا کہ تو فاسق، فاجر، اور زانی ☆ ہو کے اللہ اور رسول کی باتیں ہمارے آگے کرنے آیا ہے، جا چلا جا!

☆ مغیرہ بن شعبہ پر فاروق اعظم خلافت میں زنا کا الزام لگایا تھا، مگر تحقیق سے جرم ثابت نہیں ہوا اور آپ بری کر دیے گئے.

ہم تیری کوئی بات نہیں سننا چاہتے!!! یہ سن کے مغیرہ وہاں سے بے نیل مرام چلے آئے اور سارا قصہ حضرت عثمان سے بیان کر دیا. حضرت عثمان یہ سن کے خاموش ہو گئے. پھر آپ نے عثمان بن عبداللہ بن سلام کو مفسدوں کے پاس بھیجا وہ گئے اور انہوں نے اِن سے گفتگو کرنی شروع کی، وہ دورانِ تقریر میں صاف الفاظ میں یہ کہا کہ " کیا تم خلیفہ کو قتل کرنا چاہتے ہو، کیا تمہیں بت بیت رسول اللہ کا ادب اور پاس نہیں ہے کہ اُس کے ایسے جلیل القدر صحابی اور جانشین کا اُس کی چوکھٹ پر خون بہانے آئے ہو، کیا تمہاری نظروں میں عثمان کا مفروضہ جرم قابل معافی نہیں ہے، تم ایک ایسے حادثہ کے مرتکب

ہونا چاہتے ہو جس سے ایک خونی فساد کی بنیاد و مملکتِ اسلام میں قائم ہو جائے گی، اور نا مسلمانوں کی نظروں میں اسلام اور اسلامیوں کی کوئی وقعت نہیں رہنے کی، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس وقت چند آدمیوں کو ملا کے تم نے مدینہ پر قابو حاصل کر لیا ہے، اور تم سے اس خون ناحق کا عوض نہ لیا جائے گا۔ نہیں ایسا خیال نہ کرنا۔ تم مسلمانوں میں شمشیر زنی کی ایک مثال قائم کرنا چاہتے ہو۔ یاد رکھنا تم اپنے کام کے ذمہ دار ہو یہ بڑا اہم معاملہ اسے سوچ سمجھ کے کرنا چاہیے اس کے علاوہ عثمان کے تم پر بڑے حقوق ہیں اور ان حقوق کی بنا پر تمہارا فرض ہے کہ اگر تم عثمان کے پاس آؤ اور وہ سوتے ہوئے ہوں تو تم انہیں جگانے کی مبادرت نہ کرو، ساتھ ہی یہ بھی تمہیں سمجھنا چاہیے کہ عثمان پیالۂ عمر لبریز ہو چکا ہے اور رسول کریم کی پیشن گوئی کے بموجب یقیناً آپ کی عمر ذی الحجہ کے گزرتے ہی پوری ہو جائے گی جسے بہت زمانہ درکار نہیں ہے پھر اتنی سی قلیل مدت کے لیے ایسا خطرناک فعل کرنا کس قدر عقل سے بعید اور خلاف انصاف ہے فقط اتنا کہنے کے بعد عبداللہ بن سلام خاموش ہو گئے، ان کے خاموش ہوتے ہی مالک ابن اشتر غافقی، حرقوص بن زبیر اور کل معترض یکا یک بھڑک اُٹھے اور عبداللہ سے سخت زبانی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اے جھوٹو کون ہے کہ عظمائے اسلام اور کبرائے انام کے رُو برو ایسی سخت زبان درازیاں کرتا ہے اور ان کے معاملات میں دخل دینے آیا ہے، جا چلا جا۔ ہم تیری ایک نہیں سننے کے، اخیر بچارے عبداللہ بن سلام وہاں سے اُٹھ کے چلے آئے اور ساری کیفیت عثمان غنی سے آ کے عرض کر دی. بوڑھے اور بے گناہ خلیفہ نے محض اس خوف سے کہ حجت تمام کرنے میں کوئی دقیقہ نہ رہ جائے عمر بن العاص کو بطور قاصد ان مفسدوں کے پاس روانہ کیا، مگر یہ بھی اسی طرح بغیر کامیابی کے واپس چلے آئے اب بیت خلافت میں یہ مشورہ ہونے لگا کہ کیا کرنا چاہیے اس پر عبداللہ بن عمر حضرت فاروق کے صاحبزادے نے کہا۔ عثمان اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان مفسدوں کا بست و کشوب و سب علی بن ابی طالب کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہیں تو آناً فاناً میں آپ کے منشاء کے مطابق ان باغیوں کو راضی کر سکتے ہیں. ان کی باگ یقیناً علی ہی کے ہاتھ میں ہے، جس طرح چاہیں انہیں موڑ دیں، آپ ان ہی سے کہیے اگر وہ چاہیں گے تو سب کچھ ہو جائے گا۔ ناچار حضرت عثمان نے علی سے بلا کے کہا کہ آپ ہی سے یہ ممکن ہے کہ اس فتنہ کی آگ کو فرو کر دیں باغی سوائے آپ کے اور کسی

کی بات نہیں سننے کے، اس پر حضرت علی نے کہا اچھا عثمان تم میرے ساتھ یہ عہد و پیمان کرو کہ جو کچھ میں کہوں اس کی تعمیل میں سر مو تفاوت نہ ہو۔ حضرت عثمان نے یہ بات قبول کر لی. یہاں ناظر اس بات کو اچھی طرح خیال کرے کہ علی نے یہ مطلق نہیں کہا کہ باغیوں کی باگ میرے ہاتھ میں نہیں ہی نہ میں کچھ کر سکتا ہوں بلکہ اُنہوں نے اپنے رسوخ کو جو اُنہیں باغیوں میں حاصل تھا قبول کر لیا. بہر حال دونوں کا معاہدہ ہو گیا عثمان راضی ہو گئے کہ جو کچھ آپ کہیں گے میں کروں گا. اس کے بعد حضرت علی باغیوں کی جماعت میں گئے اور اُنہیں کچھ سمجھایا بجھایا. انہوں نے کہا ہم تو آپ کے ساتھ ہیں جو کچھ آپ کہیں گے ہمیں عذر نہ ہوگا، یہ سن کے حضرت علی عثمان کے پاس آئے اور کہا باغی اس بات پر رضامند ہیں کہ آپ مصر کی گورنری سے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو معزول کر کے محمد بن ابا بکر کو اس کی جگہ مصر کا گورنر بنا دیں، ☆

☆ محمد بن ابا بکر چوبیس پچیس برس کا ایک ناتجربہ کار نا تعلیم یافتہ جوان تھا، حضرت ابوبکر صدیق کی وفات پر اس کی عمر صرف تین برس کی تھی. اس کی ماں سے حضرت علی نے نکاح کر لیا تھا. تو گویا یہ علی کا پروردہ ہوا. حضرت نے اسے اپنے بچوں کی طرح پرورش کیا اور ان ہی کی گودیوں میں یہ بڑا ہوا، چونکہ حضرت علی اسے بہت چاہتے تھے اور اس نے آنکھ کھول کے صرف حضرت علی ہی کو دیکھا تھا اس لیے یہ جا و بیجا انکی کی طرف سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتا تھا. مصر کی گورنری تو بہت بڑی چیز تھی اس نے تو کبھی نو عمری میں ایک گاؤں کی پٹیلی بھی نہیں کی تھی، اب رہا باغیان مصر کے خیالات تو وہ حضرت علی کی ہاں کی ہاں ملانے پر تلے ہوئے تھے، وہ محمد بن ابی بکر سے مطلق واقف نہ تھے. حضرت علیؑ نے مصر پر اپنا ذاتی اقتدار قائم کرنے کے لیے محمد بن ابی بکر کا انتخاب کیا. یہ شور و شر اور قتل عثمان محض اسی بناء پر کیا گیا کہ خلیفہ وقت کی سیاست مصر پر سے اُٹھ جائے. محمد بن ابی بکر کو چھوٹا علی سمجھنا چاہیے. اس گستاخ اور ناتجربہ کار نوجوان نے سب سے پہلے بیت الخلافت میں داخل ہو کے خلیفہ وقت کی ڈاڑھی پکڑی تھی اور محض حضرت علی کی وجہ سے اس کی مخالفت اپنی بہن عائشہ صدیقہ سے یہاں تک تھی کہ اخیر صدیقہ نے اسے نامحرم قرار دے کے اس سے اس. پردہ کیا تھا. جو واقعات تھے ان کی ہندی کی چندی کر کے آپ کے آگے دوہرا دیے ہیں اب آپ خود ہی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ خلیفہ وقت کے قتل میں علی کا ہاتھ کہاں تک کام کر رہا تھا، اور اسلام میں سب سے پہلے خون ریزی کا بیج کس نے بویا. یاد رکھیے کہ اگر ذرا بھی خلوص سے کام لیا جاتا تو مصر کی گورنری کا ایسا ذمہ داری کا عہدہ ایسے ناتجربہ کار نوجوان کو کبھی نہ دیا جاتا، اب انصاف سے خیال تو کیجئے کہ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ مصر کا گورنر بعض مصریوں پر ظلم کرتا تھا اور باوجود شکایت کے خلیفہ وقت نے اسے گورنری سے علیحدہ نہیں کیا تو کیا وہ اس جرم میں ایسی سخت سزا کا مستوجب ہو سکتا ہے کہ مدینۃ الرسول میں اُس کا خون بہا کے اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی کو روک دیا جائے؟ نہیں. ہرگز نہیں.

عثمان چونکہ وعدہ کر چکے تھے کہ جو کچھ تم کہو گے وہی کروں گا فوراً دو فرمان لکھ دیئے ایک عبداللہ ابی سرح کی معزولی کا اور دوسرا محمد بن ابی بکر کی تقرری کا، ادھر فرمانوں پر مہر ہوئی اور اُدھر باغی منتشر ہو کے اپنے وطن چلے گئے، چلو فی الحال قصہ تمام ہوا۔

محمد بن ابی بکر مصر کے باغیوں کے ساتھ فرمان خلافت لے کے مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد راستہ میں انہیں ایک شتر سوار ملا جو دو منزلہ کو ایک منزلہ کرتا ہوا مصر کی طرف جا رہا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس اونٹ پر وہ سوار تھا لوگوں نے پہچان لیا کہ وہ اُنٹ خاص حضرت عثمان کا تھا۔ صاحب تحفہ کے قول کے مطابق اس شخص کا نام اعور بن سفیان سلمی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں وہ شتر سوار حضرت عثمان کا غلام تھا۔ بہر حال باغیوں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں عثمان کا قاصد ہوں اور والیے مصر کے پاس ان کا پیغام لے جاتا ہوں باغیوں نے کہا والیے مصر تو ہمارے ساتھ ہے اس نے جواب دیا کہ یہ پیغام عبداللہ بن ابی اسرح کے نام کا ہے اور وہی اس کا مرسل الیہ ہے۔ مصریوں نے پوچھا کہ عثمان کا کوئی خط تیرے پاس ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر باغیوں نے اس کی تلاشی لی تو اُس کے پاس سے خط برآمد ہوا۔ اس خط کو پڑھا گیا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ فلاں فلاں مصری باغیوں کو قتل کر دینا اور فلاں فلاں کی مشکیں بند ہوا درختوں میں لٹکوا دینا۔ ☆ اور فلاں فلاں کو صرف قید کر دینا۔ یہ خط پڑھتے ہی محمد بن ابی بکر اور اس کے رفیق باغیوں کے تن بدن میاں مرچیں لگ گئیں۔ انہوں نے بصرہ اور کوفیوں کے باغیوں کے پاس قاصد دوڑا دیئے کہ معاملہ سارا دگرگوں ہو گیا ہے تم فوراً مسلح ہو کے مدینہ پہنچو اور آپ نہایت تیزی سے واپس مدینہ چلے آئے اور سیدھے حضرت علی کے پاس گئے اور ساری کیفیت بیان کر دی اور وہ خط بھی حضرت علی کو دکھایا، حضرت علی کو خط دیکھ کے بہت غصہ آیا۔ آپ نے طلحہ، زبیر، سعد ابی وقاص اور دیگر صحابہ کو اپنے پاس بلا کے انہیں یہ ساری رام کہانی سمجھائی، اور پھر سب مل کے بیت خلافت میں حضرت عثمان کے پاس آئے، کل صحابہ خاموش بیٹھ گئے۔ چونکہ حضرت علی کو لگی ہوئی تھی اُنہوں نے یہ کہنا شروع کیا دعثمان پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ جو غلام مصر بھیجا گیا تھا وہ کس کا غلام ہے۔ جواب دیا کہ میرا غلام ہے۔ پھر دریافت کیا کہ جس اونٹ پر وہ سوار تھا کس کا ہے جواب ملا کہ اُونٹ ہے۔ پھر

حضرت علی نے خط دکھا کے کہا کہ یہ خط آپ نے لکھوایا یا آپ کے علم میں لکھا گیا۔ اور یہ مہر اس پر آپ ہی نے اپنے ہاتھ سے کی ہے۔ جواب دیا نہیں۔نہ میں نے لکھوایا نہ میرے علم میں لکھا گیا۔نہ میں نے اس پر مہر کی۔ہاں بے شک میری ہے۔مگر نہ میں نے کی نہ مجھے اس کا علم ہے۔

یہ ایسا قطعی جواب تھا کہ حضرت علی کو فوراً قبول کر لینا تھا۔کیونکہ عثمان تو خلیفہ اسلام تھے واللہ ایک معمولی عرب بھی اپنی گردن کٹوا دینا جھوٹ بولنے سے بہتر خیال کرتا تھا،کیونکہ ہر عرب کے کان میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کا یہ سنہری اور حکیمانہ جملہ گونج رہا تھا کہ المومنین لا یکذب محض نا ممکن تھا کہ حضرت عثمان جھوٹ بولتا تو کیا کوئی ذو معنی بات بھی منہ سے نکالتے۔ بہر حال حضرت علی کو یقین نہ آیا اور اُنہوں نے ایک ایسی بات کہی جو اُن کی شان کے لائق نہ تھی۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُونٹ تمہارا غلام تمہارا مہر تمہاری اور پھر تمہیں اس خط کا علم نہ ہو۔

لاحول ولا قوۃ،خلیفہ اونٹوں کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے نہ غلاموں کے پیروں سے رسی باندھ کے اُس رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں پکڑے رہتا ہے،نہ صد ہا فرامین پر خود مہر لگا رسی باندھ کے اُس رسی کا سرا اپنے ہاتھ میں پکڑے رہتا ہے،نہ صد ہا پر خود مہر لگا سکتا ہے۔ نہ مہر کا صندوقچہ اُس کے پاس رہ سکتا ہے۔ یہ کام تو اراکین سلطنت اور سوراہ کا ہوتا ہے۔ایسی صریح بات کو حضرت علی جیسا قابل شخص نہ سمجھے تعجب پر تعجب ہے۔

غرض جب حضرت عثمان نے دیکھا کہ علی میرے اس عذر کو باور کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں تو آپ جذبہ میں بھر آئے اور کہا علی میں وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے نہ اس خط کی تحریر کا کچھ علم ہے نہ اس کے بھیجنے کا پھر نہ یقین کرنے کی کیا وجہ،یہ سنتے ہی رسول کریم کے کل صحابہ جو اس مجلس میں موجود تھے یک زبان ہو کے بول اُٹھے "عثمان تو نے سچی قسم کھائی اور یقیناً اپنے قول میں سچا ہے" اس پر چار و نا چار حضرت علی کو بھی خاموش ہونا پڑا پھر حضرت علی دیر تک اس خط کو دیکھتے رہے اخیر انکی مہر سکوت ٹوٹی۔آپ نے فرمایا مجھے یہ خط مروان آپ کے داماد کے ہاتھ کا معلوم ہوتا ہے،آپ اسے بلا کے ہمارے حوالے کر دیں یہ سوال بڑا خطرناک تھا۔کیوں اور کس لیے مروان کو حوالہ کیا جائے گا؟ جبکہ خلیفہ وقت موجود ہے،وہ ہر مقدمہ کے فیصلہ کرنے اور مجرم کو سزا د

دینے کا اختیار رکھتا ہے، پھر اس کی موجودگی میں رعایا میں سے کسے حق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ خود حاکم بن جائیں اور خلیفہ کا کالعدم کر کے اُس کے کل اختیارات خود لے لے اور ملزم کے مقدمہ کی تحقیقات خود کرنے بیٹھے جائے۔

اسی بناء پر عثمان نے مروان کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ مناسب یہ تھا کہ اگر مروان کو ملزم خیال کیا گیا تھا تو اُس پر باقاعدہ عدالت میں مقدمہ چلایا جاتا۔ اور اُنکی پوری تحقیق ہوتی۔ بر خلاف اُس کے حضرت علی اپنے بعض اصحاب کو ساتھ لے کے واپس چلے آئے اور باغیوں کو آزادی دے دی کہ بوڑھے خلیفہ سے خواہ جس طرح چاہیں سمجھ لیں۔ چنانچہ باغویوں نے حضرت علی کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور سب پہلے پانی بیت خلافت میں جانے سے روک دیا۔ اس سے حضرت عثمان کو سخت تکلیف ہوئی جب بچوں اور عورتوں کی حالت پانی کی جوہ سے ناگفتہ ہوئی تو ناچار عثمان نے علی کے پاس قاصد بھیجا کہ کیا پانی بند کرنا بھی داخل اسلام ہے، اس پر حضرت علی نے پانی کی چند مشکیں بھجوا دیں۔ اس کاروائی سے پتہ چلتا ہے کہ باغی محاصرین کس قدر علی کے مطیع تھے۔ کہ خفیف سی بھی مزاحمت اندر پانی جانے کی نہیں کی۔ اب اس میں ذرا کلام نہیں رہا کہ اگر علی چاہتے تو قتل عثمان رُک سکتا تھا، مگر دنیا میں اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کی مثل بہت مشہور ہے خود بھی اُس سے زیادہ تباہی سے شہید ہوئے یہاں تک کہ رفقا کو مجبوراً لاش گم کر دینی پڑی۔

اس وقت ساری خرابی یہ تھی کہ مدینہ سپاہ سے بالکل خالی ہو گیا تھا، ورنہ کسی کی مجال نہ تھی کہ ادھر کا رخ بھی کرتا۔ باایں ہمہ جب خلیفہ کی اس مصیبت کی خبر ملک شام میں پہنچی۔ تو یہاں سپاہ میں ایک جوش پیدا ہو گیا، چنانچہ فوراً قعقاع بن عمرو، اور حبیب بن فہر ایک جرار لشکر کے ساتھ جو کسری اور قیصر کو شکست دے چکا تھا جانب مدینہ خلیفہ کی مدد کو روانہ ہو گئے ان کی روانگی کی خبر باغیوں کو ہو گئی۔ باغیوں نے ارادہ کر لیا کہ شامی فوجوں کے پہنچنے سے پہلے عثمان کا کام تمام کر دو۔ اب ان لوگوں نے زیادہ سختی کرنی شروع کی، دارالخلافہ میں کھانا پانی بالکل بند کر دیا اور جب معاملہ حد پر پہنچ گیا تو بدگمانی سے بچنے کے لئے حضرت علی نے اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کو اسی طرح زبیر اور طلحہ نے اپنے بیٹوں کو دارالخلافہ کے دروازے پر بطور پہرا پر مقرر کر دیا۔ مگر یہ پہراتی خالی نمایشی تھے جن سے کچھ بھی

مدد خلیفہ کو نہیں مل سکتی تھی. اس اثنا میں حج کے دن بھی آ گئے. چونکہ عثمان محاصرہ میں تھے اور خود حج کو نہیں جا سکتے تھے. آپ نے عبداللہ ابن عباس کو طلب کیا اور مکان کے برآمدہ پر آ کے انہیں حکم دیا کہ وہ مکہ جائیں اور مناسک حج ادا کریں. عبداللہ بن عباس نے کہا امیر المومنین میں اس سال حج کرنے سے اِن باغیوں پر جہاد کرنا بہتر سمجھتا ہوں، آپ مجھے نہ بھیجئے. حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں مدینہ النبی میں خونریزی نہیں چاہتا تم فوراً مکہ روانہ ہو جاؤ چنانچہ عبداللہ بن عباس حسب الحکم خلیفہ روانہ مکہ ہو گئے. باغی برابر اپنی تیز دستی دکھاتی جاتے تھے، انہیں خوف تھا کہ اگر شامی فوجیں آ گئیں تو آناً فاناً میں انکا قلع قمع ہو جائے چنانچہ انہوں نے اخیر بیت الخلافت میں آگ لگا دی اور جب دروازہ جل گیا تو اندر گھس آئے. مگر بیت الخلافت ایسا نہ تھا کہ بغیر نکسیر پوئے قبضہ میں آ سکتا تھا. کیونکہ مروان بن الحکم اور سعد بن ابی وقاص پانسو نبرد آزما نوجوانوں کو لیے ہوئے بیت خلافت کے صحن میں دشمنوں کا تیر و تفنگ اور شمشیر ہائے آبدار سے استقبال کرنے کے لیے تیار تھے. جوں ہی حضرت عثمان کو یہ معلوم ہوا آپ نے اُن جنگ آوروں سے کہا تم سب اپنی تلواریں میانوں میں دے لو میں ہرگز خوں ریزی پسند نہیں کرتا. میں اگر مارا جاؤں تو مجھے کچھ پروا نہیں ہے مگر یہ نہیں چاہتا میری وجہ سے مسلمانوں کا خون بہے. مروان نے اس پر یہ کہا کہ ہم قتال مسلمین کے لئے جمع نہیں ہوئے ہیں بلکہ جب تک ہماری جان میں جان باقی ہے تجھ پر کسی ظالم کا ہاتھ دراز نہیں ہونے دیں گے ایسا ہی ہوا کہ باغی مروان کی صورت دیکھتے ہی اُس پر جھپٹ پڑے. مروان اور سعد بن ابی وقاص سخت زخمی ہوئے. مروان کا غلام اُسے کندھے پر اُٹھا کے باہر لے گیا باغیوں نے یہ سمجھ کے یہ قتل ہو چکا ہے اس سے تعرض نہ کیا. اسی اثناء میں حضرت عثمان کے غلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمیں قتال کی اجازت دیجئے. آپ نے فرمایا نہیں. ہرگز نہیں. بلکہ اگر تم قتال نہ کرو گے تو اس کے معاوضہ میں میں تمہیں آزاد کر دیتا ہوں غلام اپنے آقا کے حکم سے مجبور ہو گئے. اب آپ حضرت عثمان کی استقامت اور شان میں اولوالعزمی کو دیکھئے کہ گھر میں تو یہ رستخیز ہو رہی ہے، مکان جل چکا ہے اور باغی قتل و غارت کے لیے خلیفہ کی طرف متوجہ ہیں اور آپ اپنے خاص حجرہ میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں. یہ مثالیں اسلام کے فدائیوں کی جو دنیا میں دوسری قوموں میں نہیں تھیں غرض آپ قرآن

مجید پڑھ رہے تھے کہ باغیوں کا موجودہ سرگروہ محمد بن ابا بکر اُس حجرہ میں ننگی تلوار لیے ہوئے آیا اور آتے ہی آپ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا "اے عفان کے بیٹے کہاں ہیں تیرے مددگار مروان عبداللہ بن سعد اور معاویہ کیوں نہیں تیری مدد کو آتے؟ ان کی رفاقت اس وقت تیرے لیے بے سود ثابت ہوئی یہ سُن کے حضرت عثمان نے آبدیدہ ہو کے کہا کہ اگر تیرا باپ ابو بکر زندہ ہوتا تو اس وقت تو اس کی مبادرت نہ کرتا بس اور میں تجھ سے کیا کہہ سکتا ہوں۔ اس کا اثر محمد بن ابا بکر پر اس قدر ہوا کہ اُس نے خلیفہ کی ڈاڑھی چھوڑ دی اور سخت منفعل ہو کے باہر چلا آیا۔ جب کنانہ بن بشر نے محمد کی یہ کیفیت دیکھی کہ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے ہوئے عثمان کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا کہ اتنے میں عبدالرحمن بن عدلیس، سودان بن جران اور غافقی نے غل مچا کے کہا ذرا ٹھیر جا۔ عثمان سے دو باتیں کرنے دے وہ ٹھر گیا۔ یہ تینوں آگے بڑھے اور کہا عثمان! اب بھی تو اگر مسندِ خلافت چھوڑ دے تو ہم تیری جان بخشی کرتے ہیں" عثمان نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسندِ خلافت عطا کی ہے پھر دوسرے کی کیا مجال ہے جو مجھ سے میری زندگی میں یہ مسند چھینا چاہتا ہے۔ یہ کتاب اللہ جو میرے پاس موجود ہے میں تمہیں اس کی دعوت کرتا ہوں تم اِس کی کتاب اللہ سے ہرگز روگردانی نہ کرو" اس پر باغیوں کو غصہ آیا۔ غافقی نے سب سے پہلے وار تلوار کا کیا کہ عثمان خون میں نہا گئے۔ خون کی دھار سب سے پہلے قرآن مجید کی اس آیت پر گری جو آپ تلاوت کر رہے تھے فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. جس وقت غافقی نامی باغی نے عثمان غنی پر تلوار چلائی تو معاً اُن کی بیوی نائلہ ان پر گر پڑی اور حملہ آور کی تلوار اس خاتون نے اپنے برہنہ ہاتھ سے پکڑ لی جس سے اِس دلیر خاتون کے ہاتھ کٹ گئے اور بعد ازاں وہ جبراً ہٹا دی گئیں پھر قتیرہ اور سودان نے عثمان غنی کو قتل کیا۔ مگر قاتل بھی نہ بچے انہیں حضرت عثمان کے غلاموں نے فوراً تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ عثمان کے قتل ہوتے ہی غافقی کمرہ سے باہر آیا اور دہلیز پر کھڑے ہو کے اُس نے یہ غل مچا کے کہا قد قتلنا ابن عفان یعنی ہم نے ابن عفان (مراد از حضرت عثمان) کو مار ڈالا۔ جوں ہی حضرت علی کو واقعہ قتل عثمان کی خبر ہوئی وہ اس وقت گھر سے باہر نکل آئے اور دوڑے ہوئے عثمان شہید کے مکان پر پہنچے۔ یہاں دروازہ پر برائے نام اُن کے بچے امام حسن اور حسین پہرے پر کھڑے ہوئے تھے آپ نے حسن کو تو ایک تھپڑ رسید کیا۔ اور حسین

کی چھاتی میں ایک مکا مارا۔ اور کہا جب ہم یہاں پھرے پر کھڑے ہوئے تھے تو تم نے عثمان کو کیوں قتل ہونے دیا اس تھپڑ اور مکے کی نوبت ہی نہ آتی اگر حضرت علی مصری باغیوں کو جو بالکل ان کی مٹھی میں تھے ذرا آنکھیں دکھا دیتے۔ جب یہ حضرت علی سے نہ ہو سکا تو افسوس ہے ہم اُن کے اس غصہ تھپڑ اور مکہ کی داد نہیں دے سکتے۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں ہی پر بس نہیں کیا بلکہ عبداللہ بن زبیر اور محمد طلحہ کو بھی گالیاں دیں کہ تم آنکھیں پھاڑے ہوئے دیکھتے رہے اور عثمان کو قتل ہونے دیا ان لڑکوں نے عذر معذرت کر کے اپنا پیچھا چھوڑا لیا۔ حضرت عثمان کی شہادت جمعہ کے ایام تشریق میں ہوئی آپ کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔ اور آپ کی خلافت کا زمانہ ۱۲ دن کم بارہ برس شمار ہوا ہے۔

حضرت عثمان کی تجہیز و تدفین:۔ جب حضرت عثمان کے قتل کی خبر سعد بن ابی وقاص کو پہنچی تو آپ زار زار رونے لگے اور کہا کہ اوائل ظہور اسلام میں میں اپنی محافظت کے لیے مکہ سے مدینہ چلا آیا تھا اور اب دین کے تحفظ کے لیے مجھے مدینہ کو بھی الوادع کہنا چاہیے۔

بعض مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان کا جنازہ تین روز تک بے گور و کفن پڑا رہا اور کسی نے آپ کی تجہیز و تدفین نہیں کی۔ مگر کوئی معتبر شہادت ہمیں ایسی نہیں ملی جس سے اس واقعہ کی تصدیق ہوتی۔ ہاں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ جس وقت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو مخالفوں نے آپ کے جنازہ پر پتھر برسائے تھے اور ہمراہیوں کو سنگ باری سے ایسا پریشان کر دیا تھا کہ وہ جنازہ کو جنت البقیع کے گورستان تک بھی نہ لیجا سکے بلکہ مجبوراً حضرت عثمان کو اسی جگہ دفن کرنا پڑا جو مسلمانوں اور یہودیوں کے گورستان کے بیچ میں ایک حد فاصل قرار دے دی گئی تھی تاکہ طرفین میں زمین کے متعلق کوئی جھگڑا نہ ہو پھر امیر معاویہ نے یہودیوں کے گورستان کی طرف ایک دیوار بنا دی۔ اور اس طرح حضرت عثمان کی قبر مسلمانوں کے گورستان میں آ گئی۔

حضرت عثمان کے غلاموں کی لاشیں:۔ مصریوں نے حضرت عثمان کو تو بمشکل دفن ہونے دیا مگر ان کے غلاموں کی لاشوں کو دفن نہ ہونے دیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ اخیر بیچاروں کی لاشیں سر راہ یونہی پڑی رہیں۔ جس پر بن مطعم اور حکیم بن حزام یہ دونوں حضرت علی کے پاس گئے اور کہا یہ کیا غضب ہو رہا ہے مسلمانوں کے جنازہ کے ساتھ خود مدینۃ النبی میں یہ خلاف اسلام برتاؤ

ہرگز زیبا نہیں ہے. آپ کے اشارہ میں سب کچھ ہے آپ عبدالرحمٰن بن عدلیس سے کہہ کے اس وحشیانہ فعل کو بس ختم کرادیجئے. یہ سخت ناز یبا حرکت ہے آپ نے وعدہ تو کرلیا کہ میں ابھی عبدالرحمٰن سے کہہ دیتا ہوں مگر کچھ کام نہ بنا اور لاشیں یونہی سوکھتی رہیں.

شہادت عثمان کے زمانہ میں مختلف صوبوں کے گورنر:۔ مکہ میں عبداللہ بن حضرمی، طائف میں قاسم بن ربیعہ ثقفی یمن میں یعلی بن امیہ بصرہ میں عبداللہ بن عامر. کوفہ میں ابوموسی اشعری. شام میں معویہ بن سفیان. حمص میں عبدالرحمٰن بن خالد ولید فلسطین میں علقمہ بن حکیم. آذر بائیجان میں اشعث بن قیس کندی. اصفہان میں صائب بن اقرح. ہمدان میں بشر بن امیہ. رے میں سعید بن قیس خراسان میں احنف بن قیس وغیرہ وغیرہ.

حضرت علی بن ابی طالب کی خلافت:۔ شہادت عثمان سے تین روز کے بعد صرف مصری باغی حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مسند خلافت کو زنیت دیں. حجازیوں میں سے ان کی ہمراہی میں کوئی نہیں تھا نہ انصار نہ مہاجر. حضرت نے ان سے کہا خالی تمھارے کہنے سے خلیفہ بن جا نا کوئی وقعت نہیں رکھنے کا جب تک اہل بدر یعنی حضور انور رسول اللہ کے جلیل القدر صحابہ نہ ہوں اگر تم انھیں بھی اپنے ساتھ شریک کرلو تو پھر خلافت خلافت ہے. اس وقت مدینہ کی حالت سخت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی مصری باغیوں کا خوف سب پر چھایا ہوا تھا. گورنمنٹ کی فوجیں مدینہ میں نہ تھیں مصری اسی وجہ سے پورے چیرہ دست ہو گئے تھے رسول کریم کے صحابہ کی آنکھوں کے سامنے خون عثمان گرایا گیا مگر کسی کو یارا نہ ہوا کہ کم سے کم باغیوں کا سد اراہ ہوتا. پھر بھلا مقابلہ تو کیا کرسکتا تھا عثمان غنی کے ساتھیوں رشتہ داروں اور غلاموں کی لاشیں سرارہ پڑی سڑا کیں مگر کسی میں یہ جرات نہ ہوئی مصری باغیوں کے خلاف انھیں ہاتھ بھی لگا سکتا. ہاں حضرت علی کے یہ کل باغی تابع فرمان تھے. اور آپ کے حکم کی تعمیل میں انھیں ذرا بھی پس و پیش نہ ہوتا تھا چنانچہ وہ اپنا کام کرنے کے بعد اسی غرض سے حضرت علی کے پاس آئے تھے کہ خلافت کی مسند پر آپ کو بٹھادیں مگر یہ بڑی موٹی سی بات تھی معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا تھا کہ چند ہزار باغیوں کی دی ہوئی خلافت کچھ نہیں ہونے کی جب تک انصار و مہاجرین بھی اس تحریک میں شریک نہ ہوں چنانچہ باغی اشارہ پاتے ہی انصار و مہاجرین پر جھپٹ پڑے اور کہا علی

کے پاس چلو اور انھیں خلیفہ نامزد کرو. بھلا ان بیچاروں کی کیا مجال تھی جو یہ ان کے حکم سے سرتابی کرتے وہ باغیوں کی صورت دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے. اور ان کی تلواروں کی چھاؤں میں جبر یہ حضرت علیؓ کے پاس دعوت خلافت دینے چلے آئے۔ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کسی صحابی کی خواہ وہ انصار میں سے ہو یا مہاجرین میں سے ہرگز دلی خواہش اور مرضی حضرت علی کو خلیفہ بنانے کی نہ تھی. کیونکہ اگر ان کی مرضی ہوتی تو تین دن تک وہ کیوں خاموش بیٹھے رہتے اس وقت مصری باغیوں کی جبر سے آنا اور حضرت علی کو خلافت کی دعوت دینا پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جاسکتا. اس قسم خلافت کو کچھ حضرت علی ہی نے پسند فرمایا ہوگا. بہر حال چند مہاجر اور انصار حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا حضرت تین دن سے تخت خلافت خالی ہے. آپ اس پر جلوہ افروز کیوں نہیں ہوتے. حضرت علی نے حکمت عملی کے طور پر جیسا کہ چاہیے تھا پہلے انکار کیا اور کہا اصل یہ ہے کہ پہلے تو میری مرضی تھی کہ میں خلیفہ بن جاؤں مگر اب میں نہیں چاہتا تم اپنے ہی میں سے کسی ایک کو خلیفہ نامزد کرلو میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا. جب عمر فاروق کی شہادت ہوئی ہے تو میری مرضی خلیفہ بننے کی تھی. مگر قرعہ دوسرے کے نام کا نکل آیا. اور میں دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا. اور اب اس وقت میں چاہتا نہیں. آپ اور کسی کو اپنا خلیفہ بنالیں. اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جتنا میں وزارت کے قابل ہوں خلافت کے قابل نہیں ہوں. ان اوپری عذروں کو صحابہ نے نہیں تسلیم کیا. نہ ان میں تسلیم کرنے کی مجال تھی کیونکہ مصری باغی ننگی تلواریں لئے ہوئے ہر ایک کی گلو تراشی کے واسطے تیار تھے. جب حضرت علی کا عذر غرض کسی طرح ہی سے کسی مقبول نہیں ہوا تو حضرت علی نے کہا اچھا طلحہ اور زبیر کو لاؤ تو ہم خلافت قبول کرتے ہیں. وہ بھی ہمارے ہاتھ پر بیعت کرلیں. طلحہ اور زبیر جلیل القدر صحابہ تھے حضرت علی جانتے تھے کہ اگر انھوں نے میری خلافت پر صاد نہیں کی تو دوسرے صحابہ کی بیعت سے خلیفہ بن جانا کچھ وزنی نہیں ہونے کا. چنانچہ اشارہ پاتے ہی مصری باغی طلحہ اور اور زبیر کے پاس دوڑ پڑے. اور کہا چلو خلافت کا مشورہ طے کرنا ہے. انھوں نے کہا ہمیں وہاں لے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے تم جسے خلیفہ بنادو گے ہم اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے چلو چھٹی ہوئی. اور تم چاہتے ہی کیا ہو؟ یہ سن کے وہ چلے آئے اور ساری کتھا کہہ سنائی حضرت علی نے فرمایا کہ جس طرح بھی ہو ان دونوں کو لائے بغیر یہ کام نہیں چلنے کا. چنانچہ مالک اشتر کی

سرکردگی میں مصری باغیوں کی جماعت طلحہ اور زبیر کے پاس پہنچی اور ان دونوں کو گرفتار کر کے حضرت علی کے دربار میں لے آئی. جب یہ دونوں دروازہ پر پہنچے تو حکیم بن جبلہ اشاام ابی ثنا ابی نے بازو پکڑ کے زبیر کو مجلس علی میں پیش کیا پیچھے پیچھے طلحہ بھی تھے. حضرت علی ان سے عزت پیش آئے اور دونو ں سے خطاب کر کے کہا کہ تم میں سے جو صاحب خلافت کے آرزومند ہوں میں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور ان کی متابعت کرنے کو موجود ہوں طلحہ اور زبیر نے متفق اللفظ یہ کہا کہ آپ کی موجو دگی میں بھلا کس شخص کو خلافت کی تمنا ہو سکتی ہے. حضرت علی خاموش ہو رہے. اور آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کے کہا لو تو لو بیعت کرو. سب نے پہلے طلحہ نے آپ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا. مصری باغی تلواریں سونتے ہوئے پیچھے کھڑے تھے کہ اگر طلحہ کے ہاتھ کو آگے بڑھنے میں ذرا بھی لغزش ہوئی تو تلوار اس فروگزاشت کے انتقام لینے کے لئے اپنی تیزی دکھادے گی اس وقت سوائے مصری باغیوں یا چند صحابہ کے جو زبردستی کشاں کشاں یہاں لائے گئے تھے. اور کوئی موجود نہ تھا حبیب بن ذویب اس طرز بیعت کو دیکھ رہا تھا. اس نے بڑا بڑا کے کہا کہ یہ بیعت کبھی بیعت نہیں کہلائی جا سکتی ایک اور روایت میں ہے کہ یہ شگون اچھا نہیں ہوا کہ دست بریدہ نے پہلے بیعت کی. اس سے یہ نتیجہ تو صاف طور پر نکل آیا کہ حضرت علی نے باغیوں کی تلوار کے زور سے جس طرح لوگوں سے بیعت لی وہ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھی گئی. خود حضرت علی کو اس قسم کی بیعتوں پر مطلق اطمینان نہ تھا. کیونکہ آپ نے طلحہ کی بیعت پر جب وہ چلے گئے تو یہ فرمایا مجھے طلحہ کی بیعت پر بھروسہ نہیں ہے وہ ضرور عہد شکنی کریگا. حضرت سے کوئی پوچھتا کہ بھروسہ ہو کیسے سکتا تھا. آپ نے مدینۃ النبی سے مصری باغیوں کو نکلنے دیا ہوتا جب وہ چلے جا تے اور رسول اللہ کے صحابہ ان کی دستبرد سے آزاد ہو جاتے اس وقت آپ دیکھتے کہ مہاجرین وانصار کسے خلافت کیلئے پیش کرتے ہیں پھر اس وقت جمہور کے اتفاق یا کثرت رائے سے جو خلیفہ بنتا اس سے کوئی بھی عہد شکنی نہ کرتا. اور اس سے بیعت بیعت ہوتی علاوہ طلحہ کے مصری باغیوں کی زبردستی سے اور بھی چند اہل مدینہ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی. مگر صحابہ کا جم غفیر اس بیعت سے بالکل کنا رہ کش رہا. ان بیعت نہ کرنے والوں کا بڑا حصہ بھاگ کے عائشہ صدیقہ کے پاس مکہ چلا گیا. تا کہ مصری باغیوں کی دستبرد سے انھیں نجات ملجائے. ایک حصہ عثمان شہید کی بیوی نائلہ کو ساتھ لے کے دمشق امیر

CamScanner

معاویہ کے پاس چلا گیا۔

حضرت علی کی خلافت کا سب سے پہلا کام:۔ آپ ابھی پورے خلیفہ بھی نہیں ہو ئے تھے اور قلمروئے اسلامی میں آپ کی اس اچانک خلافت کی کسی کو خبر نہ ہوئی تھی کہ سب سے پہلا کام آپ نے یہ کیا کہ مختلف صوبوں کے گورنروں کو معزول کرنے کے احکام صادر کردیئے .جب مغیرہ بن شعبہ کو حضرت علی کی یہ نیت اور ارادہ معلوم ہوا تو وہ حضرت علی کے پاس آیا اور کہا میں نے ایسا ایسا سنا ہے اگر یہ صحیح ہے تو آپ سخت غلطی کر رہے ہیں.جن گورنروں کو بلاوجہ اور بلاقصور آپ معزول کر رہے ہیں انھیں آپ کی خلافت کی تو خبر ہی نہیں پہنچی. پہلے آپ ایسا کیجئے کہ قتل عثمان اور اپنی خلافت کا سارا واقعہ لکھ کے بھیج دیجئے گا. اس کے بعد بتدریج آپ گورنروں کو جب وہ آپ کی اطاعت قبول کرلیں معزول کردیجئے گا اور آپ نے نہ مانا تو اس سے اسلام میں سخت فتنہ اور خونریزی ہوگی.اور اس سب کے ذمہ دار آپ ہونگے آپ بجائے سکون کے مسلمانوں میں تشویش پیدا کرنا چاہتے ہیں یہ آپ کو کسی طرح بھی زیبا نہیں ہے یہ سن کے حضرت علی نے ناک بھوں چڑھائی اور مغیرہ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا مغیرہ کو سخت غصہ اور رنج ہوا ہوگا.وہ اٹھ کے واپس چلا آیا.مگر دوسرے روز حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور آج اس کا رنگ بالکل بدلا ہوا تھا.اس نے حضرت علی کی جناب میں عرض کیا کہ کل میں نے سخت غلطی کی جو آپ کی رائے کے خلاف مشورہ دیا حقیقت میں آپ ہی صواب پر ہیں یقیناً کل گورنروں کو یکلخت معزول کردیں.اصل بات یہ ہے کہ جب کسی عاقل کے سمجھانے سے کوئی نہیں سمجھتا اور عاقل زچ ہوتا ہے تو وہ سے اندھے کوئیں میں دھکیل دیتا ہے کہ یہی علاج ہے تو یہیں پڑا رہ چنانچہ اپنی ہم آہنگی پر روغن قاز ملنے اور اسے چکانے کے لئے مغیرہ نے حضرت علی کی جناب میں یہ عرض کیا.حضرت آپ کی یہ کاروائی بڑی عمدہ ہے.کم سے کم اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوگا کہ منافق اور غیر منافق میں بھی شناخت ہوجائے گی اور دودھ کا دودھ پانی پانی الگ ہوجائیگا.اور عاصی و مطیع میں پورا امتیاز قائم ہوجائے گا.بس اس قدر کہہ کے مغیرہ بارگاہ خلافت سے اُٹھ کے چلا آیا.اس کے باہر آتے ہی عبداللہ بن عباس جو مکہ سے آرہے تھے مدینہ میں پہنچتے ہی سیدھے حضرت علی کے پاس حاضر ہوئے دیکھا کہ مغیرہ بیت خلافت سے نکل رہا ہے چنانچہ آپ حضرت سے آ کے ملے اور دریافت کیا کہ مغیرہ

CamScanner

کیوں آیا تھا. اس پر حضرت علی نے مغیرہ کی ساری باتیں دوہرا دیں کہ ایک دن تو وہ یہ کہہ گیا. دوسرے دن آج اس نے یہ کہا. اس پر عبداللہ بن عباس بولے کہ پہلے دن جو کچھ اس نے کہا تھا عین نصیحت تھا اور آج جو کچھ وہ کہہ گیا ہے محض خیانت ہے. جب مغیرہ کو یہ خبر پہنچی کہ عبداللہ ابن عباس نے اس کی نسبت یہ کہا تو اس نے کہنے والوں کو صاف جواب یہ دیا کہ جب ایک شخص کو نیک نیتی سے محض اس کے فائدہ کے لئے نصیحت کی جائے اور وہ نہ مانے تو ضرور اس کے ساتھ خیانت کرنی چاہئے. اس کی یہی سزا ہے. تماشہ یہ ہے کہ نیک نیتی کی نصیحت کو تو علی نے رد کر دیا مگر خیانت کو اپنے دل میں جگہ دے لی اور اسے قبول کر لیا.

عبداللہ ابن عباس اور حضرت علی:۔ گورنروں کو معزول کرنے کے متعلق حضرت علی نے عبداللہ ابن عباس سے بھی مشورہ لیا اور سب سے پہلے عزل معاویہ کا ذکر آیا حضرت علی نے فرمایا کہ معاویہ کو گورنر شام نہیں رکھنا چاہتا. عبداللہ ابن عباس نے حضرت علی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا. اس پر حضرت علی نے یہ فرمایا کیا وجہ ہے جو اس معاملہ میں تم میرے ساتھ اتفاق نہیں کرتے. عبداللہ نے کہا بات یہ ہے کہ معاویہ اور اس کے اصحاب ان معاملات کو دنیا یا امور جہانداری کی باتیں سمجھتے ہیں اور سیاسیات کو مذہب سے انھوں نے بالکل علیحدہ کر رکھا ہے. یاد رکھئے جوں ہی آپ کا موقوفی کا فرمان ان کے نام پہنچے گا وہ فوراً یہ سوال اٹھا دیں گے کہ عثمان کے قاتلوں کو نہ تلاش کیا اور نہ گرفتار کر کے انھیں ان کی کیفر کردار تک پہنچایا ایسی حالت میں علی کو ہمیں معزول کرنے کا کوئی حق نہیں ہے. اس کے علاوہ آپ کا تخت خلافت پر جلوہ افروز ہونا ان کی نظروں میں محض تغلب ہے وہ کہیں گے محض اپنے ناتجربہ کار اور نالائق رشتہ داروں کو بھرتی کرنے اور جلیلہ عہدے دینے کے لئے تجربہ کار منتظم اور ہر دل عزیز گورنروں کو علی موقوف کرتے ہیں. یاد رکھئے کہ اہل شام اور اہل عراق آپ سے بگڑ جائیں گے کیونکہ یہ وجوہات جب ان کے کانوں میں پڑیں گی ان کا عقیدہ آپ سے فاسد ہو جائیگا اور پھر آپ کو بنائے بن نہ پڑے گی. بہر حال میری تو یہ رائے ہے کہ آپ ولایت شام تو معاویہ ہی کے پاس رہنے دیں. اگر ایسا کریں گے تو آپ کو آئندہ بہت فائدہ پہنچے گا. فقط. اس معقول اور دوراندیشانہ مشورہ کا یہ اکھڑ جواب حضرت علی نے دیا لا اعطیہ الا السیف اس معلوم ہوا کہ حضرت علی تمام فیصلے تلوار سے کرنا چا

بچے تھے اور بس حالانکہ انھیں یہ معلوم نہ تھا.

''نہ ہر جائے مرکب تواں تافتن   کہ جاہا سپر باید انداختن''

پھر آپ فرمانے لگے دیکھو عبداللہ عثمان پر جو ہمارا اعتراض تھا وہ کچھ ان کی ذات پر نہ تھا. وہ تو محض اس سبب سے تھا کہ انھوں نے گورنر اور گورنر جنرل ایسے لوگوں کو کر دیا تھا جو ظلم بھی کرتے تھے اور خیانت بھی پھر بھلا مجھے کیونکر زیبا ہو سکتا ہے کہ میں بھی وہی کروں جس سے عثمان موردالزام بنے میں ایسی مداہنت کی زندگی بھی نہیں چاہتا کہ صریحا ایک شخص کو نا قابل دیکھوں اور اُسے عامل رہنے دوں میں تو یہ بھی گوارا نہ کروں گا اگر کوئی یہ کہے کہ نیم ساعت ہی ان کا تسلط مسلمانوں پر رہنے دو میں تو چٹ روٹی پٹ دال چاہتا ہوں. اور میری مرضی ہے کہ ان کا آنا فانا میں قلع قمع کر ڈالوں یہ سن کے عبداللہ ابن عباس بولے آپ کو اپنی تلوار اور قوت پر بہت بڑا اعتماد ہے. مگر مشیت ایزدی کو ذرا تامل اور تدبر سے نظر کرنا چاہئے. خدا معلوم اونٹ کس کل بیٹھے آپ جو کچھ کریں سوچ سمجھ کے کریں. جلدی ہرگز نہ کریں . سچی بات یہ ہے کہ تدبر اور رائے سے تو آپ ایک لشکر کے لشکر کو شکست دے سکتے ہیں اور تلوار سے ایک سے لگا کے دس جوان قتل کر سکتے ہیں اور بس.

''برائے لشکر را بشکنی پشت   بشمیرے یکے تا دہ تواں کشت''

حضرت علی نے جواب دیا عبداللہ کچھ بُرا ماننے کی بات نہیں ہے میں امور سیاسیہ میں تم سے ضرور مشورہ لیا کروں گا. مجھے اُمید ہے تم مجھے اسی سرگرمی اور نیک نیتی سے مشورہ دیتے رہو گے. میں دیکھ لوں گا کہ تمھارا یہ مشورہ ماننے کے قابل ہے اور یہ نہیں ہے. تم اس کا مطلق خیال نہ کرنا اور میری اطاعت کئے جا نا. یہ سن کے عبداللہ خاموش ہو رہے کہ اسی اثناء میں طلحہ اور زبیر بھی آ پہنچے اور انھوں نے بصرہ اور کوفہ کی گورنریاں حضرت علی سے طلب کیں یعنی طلحہ نے بصرہ کی گورنری مانگی اور زبیر نے کوفہ کی مگر حضرت علی نے صاف انکار کر دیا. اور وجہ یہ بیان کی کہ اصل مشیر وزیر اور مصاحب جو کچھ ہو تم ہو اگر میں تمھیں گورنریاں دیدوں تو پھر میرا مشیر کون رہے گا. اس سے طلحہ اور زبیر کو بہت رنج ہوا. انھوں نے کہا علی ہم تمھیں اور تمھاری حقیقت کو جانتے ہیں مصری باغیوں کی تلوار نے ہمیں تمھاری بیعت پر مجبور کر دیا ورنہ یقیناً تم اس قابل نہیں ہو کہ تم ہم پر والی اور فرمانروا ہوتے خیر دیدہ خواہد شد.

قدیم گورنروں کی موقوفی اور جدید گورنروں کی بھرتی: حضرت علی یوں تو ہر صحابی سے ضابطہ پری کرنے کے لئے امور سیاسیہ میں مشورہ لیتے تھے مگر اپنی ضد کے اتنے پورے تھے کہ زمین آسمان ٹل جائے وہ اپنی قائم کردہ رائے سے نہ پھرتے تھے انھوں نے تمام صائب الرائے جلیل القدر صحابہ کے مشورہ کے خلاف خلیفہ بنتے ہی یکلخت معزولی کے فرامین تمام اسلامی صوبوں میں دوڑا دیئے اور ساری اسلامی دنیا یعنی ممالک محروسہ میں ہلچل پیدا کر دی. بلا وجہ اور بلا سبب قابل گورنروں کو برطرف کر دیا اور ان کی جگہ اپنے نالائق رشتہ داروں دوستوں کو بھر دیا چنانچہ عثمان بن حنیفہ کو بصرہ کا گورنر نامزد کیا اور عبداللہ بن عامر سابق گورنر کو بغیر کوئی وجہ بیان کئے معزول کر دیا پھر عمارہ بن حسان مہاجر کو کوفہ کا گورنر بنا کے بھیجدیا اور یمن کی حکومت کا فرمان عبداللہ بن عباس بن ربیعہ کو لکھدیا. قیس بن عبادہ مصر کا گورنر جنرل بنا دیا گیا. اس کے بعد عبداللہ بن عباس سے کہا گیا کہ تمھیں شام کی گورنری جنرلی سونپتا ہوں تم رعایا کو خوش رکھنا اور ملک کا ٹھیک انتظام کرنا. یہ سن کے عبداللہ کو سناٹا آ گیا کہا اے امیر المومنین یہ آپ کیا کرتے ہیں. آپ کیا نہیں جانتے کہ معاویہ عثمان کا ابن عم ہے اور ان ہی کا مقرر کیا ہوا ہے اور سالہا سال سے حکومت کر رہا ہے. وہاں اس کی حکومت کا سکہ ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ مجال نہیں کوئی آنکھ بھر کے دیکھ سکے جب میں ان کی موقوفی کا فرمان لے کے پہنچوں گا تعجب نہیں کہ کیا تو وہ مجھے قتل کر ڈالے یا قید کر لے تو اب میری یہ بے عزتی تمھاری بے عزتی تصور ہوگی. اس لیے ایک تو میں آپ سے قرابت قریبہ رکھتا ہوں دوسرے آپ کا بھیجا ہوا وہاں جاؤں گا. اس صورت میں جو کچھ میرے ساتھ بے عنوانی ہوگی اس کا اثر آپ پر پڑے گا. اور آپ کی عزت ریزی تصور ہوگی. لہذا بہتر ہے کہ آپ مجھے ایسی مہم سے جس میں فلاح کی کوئی امید نہیں ہے اور سوائے ذلت و پشیمانی کے اور کوئی نتیجہ نہیں معلوم ہوتا معاف و معذور رکھیں گے. حضرت علی نے فرمایا اچھا! تم نہ جاؤ تمھارا عذر معقول ہے میں کسی اور شخص کو بھیجتا ہوں. چنانچہ آپ نے سہیل بن حنیف کو شام کی گورنر جنرلی سے نامزد فرمایا اور دمشق روانہ ہونے کا حکم دیا. اب ملاحظہ فرمائے کہ حضرت علی کے فرستادہ جدید گورنروں سے کیا گیا پہلے عثمان بن حنیف بصرہ پہنچے. عبداللہ عامر سابق گورنر فورا گورنری کا چارج دے کے آپ مکہ چلا آیا کچھ لوگوں نے مخالفت ضرور کی مگر اس مخالفت کا وزن اتنا نہ تھا جس کا جدید گورنر پر کچھ اثر پڑتا مگر جب عمار

حضرت علی کا فرمان لے کہ کوفہ کی سرحد میں پہنچے تو طلحہ بن خویلد اسدی اور قعقاع بن عمرو وہاں آ کے عمارہ سے ملے اور کہا کہ اگر تم اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو پچھلے قدموں واپس چلے جاؤ۔ کیونکہ اہل کوفہ سوائے ابو موسیٰ اشعری کے اپنا حاکم اور کسی کو نہیں بنانا چاہتے یہ سنتے ہی عمارہ کان دبا کے واپس چلا آیا۔ اسی طرح جب عبداللہ بن عباس بن ربیعہ یمن پہنچے اور لیلی بن مینہ موجودہ گورنر نے ان کے آنے کی خبر سنی تو اس نے فوراً جنگ کی تیاری شروع کر دی اور بیعت المال میں جس قدر روپیہ تھا وہ تیاری حرب میں صرف کر دیا غرض یہاں بھی حضرت علی کے فرستادہ کو کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر قیس بن سعد جب نواح مصر میں پہنچے تو ایک گروہ مصریوں کا ان کے استقبال کے لئے آیا اور انھیں بعزت شہر میں لے آیا یہاں دو گروہ ہو گئے ایک تو حضرت علی کے اس اس گورنر سے موافق تھا اور دوسرا مخالف مخالف گروہ یہ کہتا تھا کہ ہم میں نہیں آتا کہ جب تک خون عثمان کا انتقام نہ لیا جائے۔ یہ عزل ونصب کیسا۔ قیس چونکہ ہوشیار اور سمجھدار تھا اس نے ان سے ایسی ملائمت کی باتیں کیں کہ اس گروہ کا جوش مخالفت زیادہ نہ بڑھا اور قیس نے آرام سے گورنری کے عہدہ کا چارج لے لیا مگر جب سہیل بن حنیف موضع تبوک میں پہنچے اور وہاں قدرے آرام لینے کے لئے اپنا ڈنڈا ڈیرا ڈالا تو سپاہیوں کی ایک کمپنی ایک افسر کی سرکردگی میں فوراً ان کے پاس آئی اور دریافت کیا کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانے کا قصد ہے۔ سہیل نے جواب دیا کہ مجھے امیر المومنین علی نے شام کا گورنر جنرل بنا کے بھیجا ہے شامی سپاہیو کے افسر نے کہا کہ ہم تجھے نہ اپنا گورنر جنرل بنانا پسند کرتے ہیں اور نہ علی کو خلیفہ علی پر قصاص عثمان واجب ہے جب تک وہ قصاص نہ لے لے کبھی خلیفہ نہیں بن سکتا سہیل نے کہا یہ خاص تمہارا ہی خیال ہے یا اور لوگ بھی اس معاملہ میں تمھارے ساتھ متفق ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سارا شام کا شام اس معاملہ میں ہمارا ہمزبان ہے۔ علی سے اس بارے میں سب مخالف ہیں۔ اور اگر اس نے عثمان کا قصاص نہ لیا تو اس سے اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ جب سہیل نے یہ رنگ دیکھا تو وہ بیچارہ سیدھا وہاں سے مدینہ چلا آیا اور من وعن ساری کیفیت حضرت علی کی خدمت میں عرض کر دی۔ یہ حال سن کے حضرت علی بہت دل تنگ ہوئے اور انھیں سخت رنج پہنچا اور پھر آپ نے اپنی دردناک کہانی طلحہ اور زبیر سے دوہرائی۔ دونوں نے متفق اللفظ یہ جواب دیا کہ ہم نے جب آپ سے کہا کہ بصرہ اور کوفہ گورنریاں آپ اپنے مخلصوں کو دیدیں تو آپ

نے منظور نہ کیا اب ہم کیا کریں ہماری بڑی مشکل ہوئی آپ کے ساتھ رہتے ہیں تو معاویہ سے ہماری جنگ ہوگی چونکہ ہم اسکا مقابلہ نہیں کر سکیں گے لہذا آپ کی اطاعت اور موافقت سے ہمیں رو گردانی کرنی پڑے گی بہر حال اس وقت تو ہم اپنے لئے یہ بہتر جانتے ہیں کہ آپ ہمیں اجازت دیدیں کہ ہم مکہ چلے جائیں اور معالات دنیاوی سے کچھ سروکار نہ رکھیں جب معاویہ کو یہ معلوم ہو جائے گا تو ممکن ہے آپ کا اس کے ساتھ کچھ سمجھوتہ ہو جائے. اس کے علاوہ ہماری یہ رائے ہے کہ جہاں تک ہو سکے جنگ وجدل کی نوبت نہ آئے دینا. اور اگر مجبوری ہوئی تو پھر تیغ آبدار نیام سے باہر نکالنے میں پس وپیش نہ کرنا. حضرت علی نے فرمایا کہ اگر فی الواقع تم دنیا کے معاملات سے پہلوتہی کر کے عبادت الہی میں مشغول ہونا چاہتے ہو تو میں تمہیں جانے کی اجازت دیتا ہوں باقی تمھاری یہ رائے بہت ٹھیک میں پہلے اہل شام کے ساتھ ہمدردانہ پیش آؤنگا. اور اگر انھوں نے نہ مانا تو میں ان کے معا رضہ نان جاں ستاں اور شمشیر آبدار صاعقہ کردار سے اچھی طرح روک دوں گا قصہ مختصر یہ کہ طلحہ اور زبیر اس گفت وشنید کے بعد مکہ روانہ ہو گئے.

عائشہ صدیقہ اور حضرت علی: مدینہ میں جو کچھ ہوا عایشہ صدیقہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا انھیں حضرت علی کی اس کاروائی پر کہ انھوں نے عایشہ صدیقہ کے سوتیلے بھائی محمد کو قتل عثمان کے لئے بیت خلافت میں بھیجا سخت ناگوار گزرا یہ مانا کہ محمد بن ابی بکر حضرت علی کا پروردہ تھا. اور جب علی نے اس کی ماں سے نکاح کیا ہے تو محمد کی عمر تین سال کی تھیں مگر اس قسم کی سبک حرکت کو نہ صرف صدیقہ بلکہ کل اہل مدینہ نے حقارت اور افسوس سے دیکھا. صدیقہ کا چونکہ وہ سوتیلا بھائی تھا اس لے انھیں جتنا صدمہ ہوتا کم تھا. اب ایک بات دیکھنے کی یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد صدیقہ کا پوزیشن خلافت صدیق اکبر. فاروق اعظم اور عثمان غنی کے زمانہ میں کیا رہا ہمعصر شہادتوں سے صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ ملکی یا سیاسی معاملات میں آپ نے کبھی دخل نہیں دیا ہاں عورتوں کے متعلق جس قدر مسائل تھے ان میں بعض اوقات آپ ضرور دخل دیتیں اور خلفاء کی بعض لغزشوں کی اصلاح فرمادیتی تھیں. اس کے علاوہ آپ بہت سی احادیث کی راوی بھی ہیں اسی طرح ازواج سے بھی حدیثیں منقول ہے مگر حضرت صدیقہ سے جتنی حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان کی تعداد اور ازواج

کی روایت کردہ وہ احادیث سے کہیں زیادہ ہے حدیثوں کے اس طرح روایت کرنے اور طبقہ علماء میں ان کی مقبولیت نے یہ ضرور ثابت کردیا کہ صدیقہ دین اللہ کی اشاعت اور اسلام کے درد کی چوٹ اپنے پاک دل پر رکھتی تھیں ،اور انھیں خاص دینی مسائل اور رسول مقبول سے ایک سچا عشق تھا۔احادیث نبی کے بڑے حصہ کی ترویج صرف صدیقہ کے ذریعہ سے ہوئی ۔اس سے ان کی آللہ دادو ذہانت او رروشن ضمیری پر پوری روشنی پڑتی ہے ۔وہ ابتدائے خلافت سے حضرت علی کے ہتکنڈے بغور دیکھ رہی تھیں محض خلافت حاصل کرنے کے لئے جس طرح انہوں نے فاطمہ کو تکلیف دی اور انھیں خفیف کیا آج تک کسی غیور شوہر نے ایسا نہ کیا ہوگا ۔انھیں ووٹ حاصل کرنے کے لئے مدینہ میں مہاجر اور انصار سرداروں کے پاس بھیجا ۔وہ آدھی رات تک ووٹ حاصل کرنے کے لئے پھرتی رہیں مگر انھیں کامیابی نہیں ہوئی ۔خود بی بی فاطمہ کی تو سب عزت کرتے تھے مگر حضرت علی سے کوئی خوش نہ تھا ۔وہ جانتے تھے کہ علی ایک ناتجربہ کار اور امور جہانداری سے محض ناواقف شخص ہیں ۔اگر انھیں خلیفہ بنادیا تو بس اسلام کا اللہ والی ہے ۔اس کے بعد عباس اپنے چچا سے ان کا جھگڑا اور دربار فاروقی میں چچا کے ساتھ بدزبانی سے ہمکلام ہونا ۔اور پھر خلافت حاصل کرنے کے لیے جائز و ناجائز وسائل سے کام لینا اور فاروق اعظم کے آتش پرست قاتل کے ساتھ خلا ملا یہ باتیں ایسی نہ تھیں جن پر پردہ پڑسکتا ۔وہ ایسی اظہر و من الشمس تھیں جنہوں نے کل مسلمانوں کی نظروں میں حضرت علی کو بہت سبک کردیا تھا پھر تمام مہاجر انصار کے خلاف عبداللہ بن عمر کے قتل پر زور دینا اور جب اس پر خلیفہ کاربند نہ ہوئے تو ناراض ہو کے دربار خلافت سے واپس چلا جانا ۔اس کے بعد خلیفہ بنتے ہی عبداللہ بن عمر کے نام گرفتاری کا وارنٹ جاری کردینا غرض آتش پرست کے قصاص کے لئے تو اتنا زور دینا مگر عثمان غنی کے قاتلوں سے قصاص چاہنا تو کیسا؟ اپنے دربار میں انھیں عزت کی جگہ بٹھانا اور شرفائے قریش پر ان ہی سے بیعت پر زور ڈلوانا ۔اس سے پہلے صدیق اکبر کی خلافت میں ایک پوشیدہ اور سازشی انجمن بنانا اور شب کو اپنے گھر میں ان کل سازشیوں کو جمع کر کے خلافت حقہ کے قلع قمع کی تدابیر کرنا ۔القصہ یہ باتیں ایسی نہ تھیں جو کسی سے چھپی رہتیں ۔ہر شخص انھیں اچھی طرح جانتا تھا ۔اور صدیقہ تو ان واقعات سے خوب واقف بھی تھیں اور متاثر بھی ہوتی تھیں ۔اخیر جب پانی سر سے گزر گیا اور صدیقہ یہ ناگوار واقعات نہ دیکھ سکیں تو وہ مکہ چلی

CamScanner

گئیں کہ زیارت بھی ہو جائے گی. اور چند ان نا گوار واقعات کے سننے سے نجات بھی ملے گی. وہ جس زمانہ میں زیارت بیت اللہ کے لیے مکہ گئی تھیں اس وقت عثمان غنی خلیفہ تھے۔ اگر چہ حضرت علی کی وجہ سے ان کی خلافت میں خلفشار ہونا شروع ہو گیا مگر جب وہ زیارت بیت اللہ سے فارغ ہو کے مدینہ واپس آ رہی تھیں تو راستہ میں انھیں ایک شخص ملا. اس سے عثمان کے حادثہ اور علی کے خلیفہ بننے کی خبر جب سنی تو صدیقہ نے مدینہ جانا مناسب نہ سمجھا وہ واپس مکہ ہی چلی گئیں کہتے ہیں. جس وقت صدیقہ نے قتل عثمان اور خلافت علی کی خبر سنی تو بیساختہ یہ کہا انا لله و انا اله راجعو ن یہ کچھ اچنبھے کی بات نہیں ہے جیسا کہ بعض شیعوں نے اس فقرہ پر رنگا میزی کی ہے. یہ قرآن مجید کا جملہ ہے اور قریب قریب کل مسلمانوں کے محاورہ میں داخل ہو گیا ہے. وہ ہر حادثہ یا ہر چیز کے ساقط ہونے پر معاً انا لله و انا الیہ راجعون پڑھ دیتے ہیں۔ اسی طرح جب صدیقہ نے اتنے بڑے حادثہ اور تغیر عظیم کا حال سنا تو فوراً ہی انا اللہ و انا الیہ راجعون پڑھ دیا آپ نے مکہ واپس ہوتے وقت یہ بھی کہا کہ اب میرا مدینہ میں رہنا ٹھیک نہیں ہے. اور اسی پر جذبہ دل سے یہ بھی کہا واللہ عثمان مظلوم مارا گیا. یا بالفاظ دیگر اسے ظلم سے قتل کیا گیا مخالفوں نے ایک شخص عبید بن سلمان کی گفتگو نقل کی ہے جسے اخوان صدیقہ بیان کیا ہے اور وہ گفتگو یہ ہے کہ جب صدیقہ نے کہا کہ عثمان ظلم سے قتل کیا گیا. اور اس کے خون کا قصاص ضرور لینا چاہئے تو عبید بن سلمان بولا صدیقہ آپ بھی عجیب ہیں عثمان کی زندگی میں تو آپ اسے کافر اور ریشا ئیل کہتی تھیں. اور ہمیشہ اس ریشا ئیل سے جو عثمان کا ہمشکل تھا بطور تضحیک نسبت دیتی تھیں اور اب اس کو مظلوم قرار دیتی ہیں او. اس کے خون کا قصاص چاہتی ہو اس کا جواب صدیقہ سے یہ دلوایا گیا ہے کہ عثمان نے اپنے ان افعال سے جنھیں قوم پسند نہ کرتی تھی توبہ کر لی تھی توبہ کرنے کے بعد باغیوں نے عثمان کو قتل کر ڈالا. بس یہ سوال و جواب ہے. جو عبید بن سلمان اور صدیقہ کا نقل کیا گیا ہے. اگر ہم اس خبر احاد کو صحیح بھی مان لیں تب بھی صدیقہ پر طعن نہیں ہو سکتا اور نہ طلب خون عثمان میں ان کی کچھ کمزوری پائی جاتی ہے. جواب بہت معقول ہے کہ عثمان توبہ کرنے کے بعد شہید کئے گئے اس لحاظ سے بھی ان کے جانشین کا فرض ہے کہ باغیوں سے لڑے اور جب تک باغیوں کو نیست و نابود نہ کر دے دوسرا کام کرنا اسے جائز نہیں ہے. وہاں تو یہ کیفیت ہوئی اور حجاز عرب شام اور ممالک محروسہ

CamScanner

میں آگ سی لگ گئی اور لوگ غصہ اور غضب سے حضرت علی کی ان حرکات کو دیکھنے لگے اور انھیں ایسی حالت میں حضرت علی کی اطاعت کرنی کسی طرح گوارہ نہ ہوئی انھیں فی الحال اور کوئی شخص نہ معلوم ہوا کہ جس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کے وہ حضرت علی پر زور دیں کہ آپ باغیوں کو اپنے دربار سے نکال دیں اور ان کے ساتھ اللہ تعالٰی کے فرمان کے بموجب قتال کریں. چنانچہ عبداللہ بن عامر بصرہ سے اور یعلی بن امیہ یمن سے کثرت مال اور سامان کے ساتھ مکہ میں صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے. پھر مدینہ سے طلحہ اور زبیر بھی صدیقہ سے مکہ آ کے مل گئے. باہم مشورہ کے بعد طے پایا کہ یہاں سے بصرہ چلنا چاہئے اس پر سب کا اتفاق ہو گیا. اور روانہ ہونے سے پہلے مکہ میں منادی کرائی گئی کہ خون عثمان طلب کرنے اور حضرت علی کو باغیوں سے لڑنے پر مجبور کرنے کے لئے یہ سامان کیا گیا ہے جس کی خوشی ہو ہمارے ساتھ اس کام شریک ہو جائے. چنانچہ اس منادی سے تین ہزار جنگ آزما جن میں دو ہزار مدینہ کے رہنے والے تھے اور ایک ہزار مکہ کے صدیقہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے. یہ سارا مجمع بصرہ کی طرف روانہ ہوا. صدیقہ اور طلحہ و زبیر کے مخالفوں نے عجیب و غریب روایتیں بنائی ہیں جن کا سرنہ پیر ایک روایت تو یہ ہے کہ جب صدیقہ بصرہ روانہ ہونے لگیں تو ام المومنین ام سلمہ کے پاس جا کے ساری کیفیت بیان کی کہ خون عثمان کس بے رحمی سے مدینہ کی شاہراہوں میں بہایا گیا ہے. جس سے نفس اسلام کی سخت توہین ہے کہ دارالخلافہ میں خلیفہ قتل کر ڈالا جائے. اسی بنا پر طلحہ اور زبیر خون عثمان لینے اور اسلام کی عزت برقرار رکھنے کے لئے تیار ہوئے ہیں اگر تم بھی ہمارے ساتھ موافقت کرو تو ہمیں اور بھی قوت حاصل ہو جائے گی. ام سلمہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ عائشہ صدیقہ تم کیا غضب کرتی ہے کہ علی بن ابی طالب داماد رسول سے مقابلہ کرنا چاہتی ہو. بھلا کس طرح سرسبز ہو سکتی ہو تمھیں معلوم ہے کہ ایک دن ہم سب بیٹھے ہوئے تھے تو رسول اللہ نے فرمایا تھا میری بیویوں میں سے ایک بیوی اونٹ پر سوار ہو کے سفر کو نکلی گی اور راستہ میں ایک چشمہ آب جواب کے نام سے آئے گا وہاں اس کے اونٹ پر کتے بھونکیں گے. یہ سن کے صدیقہ چپکی ہو رہیں اور ہوں ہاں کچھ نہ کی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب صدیقہ کا اونٹ آب جواب پہنچا ہے تو کتے بھونکنے لگے. اس پر صدیقہ چونکیں اور طلحہ و زبیر سے اس چشمہ کا نام دریافت کیا انھوں نے جھوٹ بول دیا کہ یہ نام ہی اس چشمہ کا نہیں ہے

اور شہادت میں پچاس ساٹھ آدمیوں کو پیش کر دیا صدیقہ خاموش ہو رہیں. پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ عایشہ اور طلحہ وزبیر کی خوب تو تو میں میں ہوئی. صدیقہ کہتی تھیں کہ میں علی بن ابی طالب کا مقابلہ نہیں کر سکتی تم لوگ مجھے مدینہ پہنچا دو. وہ دونوں دنیا بھر کے حیلے کرتے تھے اور صدیقہ کو اپنے دام میں پھنساتے تھے. اخیر اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے اور صدیقہ کو مدینہ نہ جانے دیا۔ یہ کہانیاں مثل ان کہانیوں کے ہیں جو آپ آغاز کتاب میں پڑھ آئے ہیں ان پر رد وقدح کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ یہ خود اپنی آپ تردید کر رہی ہیں۔

عائشہ صدیقہ بصرہ میں : اخیر صدیقہ معہ طلحہ وزبیر اور چند ہزار دولنٹرز کے بصرہ کی حدود میں پہنچ گئیں عثمان بن حنیف گورنر بصرہ کو جب صدیقہ کے سرحد پر پہنچے کی خبر ہو تو اس نے عمران الحصین ....وابوالاسود دیلمی کو صدیقہ کے اس دریافت حال کے لئے روانہ کیا کہ جناب کا ادھر تشریف لانا کیسے ہوا انھوں نے صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہو کے گورنر کا پیغام عرض کر دیا. صدیقہ یہ فرمایا کہ باغیوں نے دار ہجرت رسول میں امام المسلمین کو ناحق قتل کر ڈالا ہے. اور شر وفساد اس مقدس شہر میں بہت پھیلا دیا ہے. اس واقعہ سے میں سخت پریشان ہو کے یہاں آئی ہوں تا کہ اہل بصرہ کی مدد سے مدینہ پر فوج کشی کر کے باغیوں سے اس مقدس سرزمین کو پاک کر دوں اور بے گناہ مظلوم خلیفہ کا قصاص بھی پورا لے لوں. یہ سن کے دونوں قاصد پھر طلحہ وزبیر کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی سوال کیا .انھوں نے بھی سن وعن یہی جواب دیا جو صدیقہ نے دیا تھا پھر قاصدوں نے مذکور بالا صحابہ سے دریافت کیا کہ تم دونوں نے تو علی بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی تم ان کے مقابلہ میں کیوں کر شمشیر بدست ہو سکتے ہو. دونوں نے جواب دیا کہ مالک اشتر کی تلوار کے خوف سے ہم نے باکراہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی ایسی زبردستی کی بیعت بیعت نہیں کہلائی جا سکتی. بایں ہمہ ہماری بیعت مشروط تھی ہم نے کہہ دیا تھا کہ اگر آپ قاتلان عثمان کا کورٹ مارشل کریں گے تو ہم آپ کی اطاعت سے انحراف نہیں کرنے کے اور اگر آپ نے اس سے پہلوتہی کی تو ہماری بیعت کو فسخ سمجھئے گا علی نے ایفاے وعدہ نہیں کیا اس بنا پر اس کا حق بیعت ہمارے ذمہ سے ساقط ہو گیا. یہ جواب سن کے قاصد واپس چلے آئے اور عثمان بن حنیف گورنر کو فہ سے سارے جواب وسوال مفصل بیان کر دیئے. عثمان بن حنیف

نے انھیں الٹی میٹم دینے کی ٹھان لی لیکن اس سے پہلے اس نے قیس بن مغیرہ کو بلا کے کہا کہ تو جامع مسجد میں جا کے عامہ مسلمین کو جمع کر اور ان سے یہ یہ باتیں کہہ. چنانچہ ابن مغیرہ بصرہ کی جامع مسجد میں پہنچا اور اس نے مسلمانوں کو جمع کر کے یہ خطبہ پڑھا ایہا الناس یہ جماعت جو تمھاری سرحد پر پڑی ہوئی ہے مکہ سے آئی اور کہتی ہے. کہ قصاص خون عثمان بن عفان مطلوب ہے. ان سے یہ کہنا چاہئے کہ جہاں وحوش و یہاں یم اور طیور سے بھی تعرض نہیں کیا جاتا ایسی پر امن جگہ کو چھوڑ کے آپ لوگ یہاں کیسے آگئے. آپ کو تو وہاں پورا امن مل سکتا تھا. اور اگر آپ لوگ یہ جواب دیں کہ یہاں آنے کی غرض محض خون عثمان ہے. تو حضرات یہاں قاتلان عثمان میں سے کوئی شخص بھی نہیں ہے. کہ آپ اُسے گرفتار کریں اور قتل کریں. لہذا ہم لوگوں کو چاہئے کہ سب متفق ہو کے ایسی کارروائی کریں کہ یہ لوگ اپنے وطن واپس چلے جائیں جب مغیرہ گورنر بصرہ کا یہ پیغام مسلمانوں کو پہنچا چکا تو اس کا جواب دینے کے لئے اسود بن سرح السعدی کھڑا ہوا اور بولا. کہ ان لوگوں کے آنے کی غرض صرف یہ ہے کہ طلب خون عثمان میں ہم ان کی مدد کریں یاد رکھو جس شخص کا یہ خیال ہو کہ خون عثمان مباح ہے یقیناً اس کا خون حلال ہے. اس اشتعالی جواب کو سب نے پذیرائی کر لیا. مغیرہ کے خلاف ان میں جوش پھیل گیا وہ اپنے جوش کو قابو میں نہ رکھ سکے اور مظلوم عثمان کی ہمدردی سے بے قابو ہو کے مغیرہ پر پتھر برسانے شروع کئے مغیرہ لہولہان ہو گیا جب عثمان بن حنیف کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے فوجی افسروں کو طلب کر کے لشکر کی آراستگی کا حکم دیا. ادھر صدیقہ مع اپنی فوج کے شہر کے اندر چلی آئیں. اور ایک وسیع میدان میں فوج کو لا جمایا. دونوں لشکر صف بستہ کھڑے ہو گئے. ہزاروں مسلمان بھی یہاں موجود تھے پہلے طلحہ اور پھر زبیر نے حضرت عثمان بن عفان کے فضائل اور ان کے دردناک قتل کے واقعات بیان کئے اور اپنا مافی الضمیر سارا کہہ دیا اس بیان کے سننے کے بعد اکثر نے تو ان کی تائید کی اور بعض نے یہ کہا کہ ان دونوں نے بیعت کرنے کے بعد انحراف کیا ہے ان کی غرض محض سلطنت حاصل کرنے کی ہے اور کچھ نہیں اس ردو کد کا یہ نتیجہ ہوا کہ کسی قدر فساد ہو گیا. مگر صدیقہ نے یہ حکم دیا کہ با آواز بلند کہہ دو کہ میری غرض ہرگز خونریزی نہیں ہے. میں چاہتی ہوں کہ ہم باہم سمجھوتہ کر لیں اور مشورہ کر کے اس بات کا فیصلہ کریں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے. چنانچہ عثمان بن حنیف گورنر بصرہ نے اس درخواست کو منظور کر لیا. فوراً طرفین کے

بااثر لوگ گھوڑوں اور اونٹوں سے اتر کے ایک جگہ جمع ہو گئے۔ بہت سی قیل وقال کے بعد یہ فیصلہ طے پایا کہ قرعہ اندازی ہو اور جس شخص کے نام قرعہ نکلے وہی مدینہ روانہ کیا جائے تا کہ اس کی پوری تحقیق کر کے لائے کہ آیا حضرت علی نے طلحہ اور زبیر سے تلوار کے زور سے بیعت کی ہے یا انھوں نے اپنی خوشی سے بیعت کی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بیعت اکراہ سے ہوئی ہے تو بصرہ صدیقہ کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اگر یہ ثابت ہوا تو صدیقہ معہ طلحہ وزبیر یہاں سے چلی جائیں گی۔ طرفین کے اس معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔ اس کے بعد قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ کعب بن اسود بصرہ کے قاضی کے نام کا نکلا قاضی صاحب مدینہ روانہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کے مسجد نبوی میں آئے اور اعیان مدینہ سے اس امر کا استفسار کیا سب یہ سن کے خاموش ہو گئے اور کسی نے ہاں نا کا جواب نہ دیا کیونکہ ابھی تک باغیوں کا تسلط وہاں موجود تھا اور سب ان سے خوف کھاتے تھے۔ کعب بہت بڑے عالم اور تجربہ کار تھے سمجھ گئے کہ معاملہ کی اصل یہ ہے۔ کعب نے حجت پوری کرنے کے لیے پھر غل مچایا آخر اسامہ بن زید سے کہا اس نے کہا ہاں ہم کہتے ہیں کہ بیعت اکراہ سے ہوئی ہے۔ اس پر سہیل بن حنیف گورنر مدینہ جو حضرت علی کے خاص دوستوں میں تھا بہت جھنجلایا اور سخت کلامی کرنے لگا۔ جب صہیب بن سنان اور محمد بن مسلمہ نے یہ دیکھا کہ اس تو تو میں میں سے فساد ہو جائے گا تو دونوں اسامہ کا ہاتھ پکڑ کے مسجد کے باہر لے آئے اور کہا اس بدیہیات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ طلحہ اور زبیر نے باکراہ بیعت کی تھی۔ اسامہ تم بالکل سچے ہو کعب نے ساری کیفیت اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کل باتیں اپنے کانوں سے سنیں اور پورا اطمینان کر کے وہ بصرہ واپس آ گئے۔ اور گورنر بصرہ سے صاف صاف کہدیا کہ فی الواقع بیعت اکراہ سے ہوئی جب صدیقہ کو یہ خبر لگی تو انھوں نے عثمان بن حنیف سے ایفائے وعدہ کی درخواست کی اس نے یہ کہلا بھیجا کہ میرے پاس علی بن ابی طالب کا فرمان آیا ہے۔ کہ میں بصرہ کو آپ کے سپرد ہرگز نہ کروں۔ اور تلوار سے اس کی حفاظت کروں۔ بصرہ میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ قریب قریب کل بصرہ صدیقہ اور طلحہ وزبیر کی طرف ہو گیا۔ صدیقہ نے حکم دیا کہ اس عہد شکن کا محل گھیر لیا جائے اور اسے گرفتار کر کے شہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ محل کا محاصرہ ہو گیا۔ فوج نے صدیقہ کے خلاف ہتھیار اٹھانے سے انکار کر دیا صرف چند درجن عثمان کے غلام محل میں موجود تھے جنھوں نے اندر آنے والوں کو روکا مگر جب دو چار

مارے گئے تو پھر کسی نے تعارض نہیں کیا اور اخیر عثمان بن حنیف گرفتار ہو گئے صدیقہ کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ اس عہد شکن کے قتل کی اجازت چاہی گئی۔ صدیقہ نے منع کیا کہ ایسا ہرگز نہ کرنا یہ بوڑھا ہے اور رسول اللہ کی بابرکت صحبت کا شرف اٹھا چکا ہے اسے چھوڑ دو چنانچہ وہ فوراً چھوڑ دیا گیا۔ جب وہ باہر نکل آیا تو بعض نوجوانوں نے اسے پکڑ لیا اور اس کی لمبی اور گھنی داڑھی کا ایک ایک بال جدا جدا کر دیا۔ عثمان جان بچا کے مدینہ آیا اور اسی طرح حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ واللہ باللہ میں نے تجھے نہیں پہچانا تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے۔ عرض کیا میں عثمان بن حنیف ہوں آپ نے متعجب ہو کے فرمایا میرے پاس سے تو بوڑھا ہو کے گیا تھا مگر آیا ہے امرد بن کے۔

بصرہ کا قبضہ: عثمان بن حنیف کے مغلوب و اسیر ہونے پر سارے بصرہ پر صدیقہ اور طلحہ و زبیر کا قبضہ ہو گیا۔ اور کسی قسم کی بدامنی نہیں ہوئی۔ مگر پریشانی یہ باقی رہی کہ خلیفہ کون نامزد ہو اس مسئلہ نے ایک بے چینی سی پیدا کر دی اخیر صدیقہ نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک کسی سردار کا انتخاب ہو عبداللہ بن زبیر نماز پڑھایا کرے چنانچہ اس پر سب راضی ہو گئے۔ اور کام بسہولت چلنے لگا۔ وقتاً فوقتاً طلحہ اور زبیر باری باری سے وعظ کہا کرتے تھے۔ انھوں نے صاف طور پر یہ بیان کیا عثمان بن عفان محض حضرت علی کی رضامندی اور حکم سے قتل کیے گئے ہیں۔ جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو ہزاروں آدمی صدیقہ کے جھنڈے کے نیچے آ گئے اور اب ان کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی۔ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کو شام میں خط بھیجے گئے کہ علی بن ابی طالب کے مقابلہ میں ہماری مدد کرنا اسی طرح اہل کوفہ کو بھی لکھا گیا کہ یا تو تم ہماری مدد پر کمر بستہ ہو جاؤ ورنہ نیوٹرل رہو یعنی نہ ادھر بولو نہ اُدھر۔ وہ لوگ جو باغیوں سے تعلق رکھتے تھے بصرہ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور سیدھے مدینہ پہنچے ہاں جنھیں باغیوں سے تعلق نہ تھا وہ کچھ تو نیوٹرل رہے اور کچھ صدیقہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ قبیلہ عبدالقیس و بنی بکر بن وائل کے بہت سے آدمیوں نے طلحہ و زبیر کا ساتھ دیا۔ صدیقہ نے بیت المال پر قبضہ کر کے بہت سا روپیہ لشکریوں کو تقسیم کر دیا مگر انتظام میں مطلق فرق نہیں آنے دیا کسی نے جانا بھی نہیں کہ بصرہ کی گورنمنٹ بدل گئی ہے۔

حضرت علی کی مشکلات: ۔ ادھر تو شام میں حضرت معاویہ نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور ان کے حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا اور ادھر صدیقہ اور طلحہ و زبیر کے اس غلبہ نے ایک نئی پر

پیشانی کا دروازہ آپ کے آگے کھول دیا۔ آپ نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت معاویہ کو معزولی کا حکم بھیج دیا تھا مگر اس کی تعمیل نہ ہوئی تھی۔ حضرت علی اسی وقت سے سپاہ کے فراہم کرنے کی دھن میں لگے ہوئے تھے کہ یکا یک عثمان بن حنیف نے مدینہ پہنچ کے بصرہ کے نکل جانے کی خبر دی۔ آپ نے معاویہ سے پہلے طلحہ و زبیر سے فیصلہ کر لینا اولیٰ خیال کیا لہٰذا اعنان توجہ اس طرف منعطف کر دی آپ نے بہتیری کوشش کی کہ مدینہ سے جنگ آوردن کی ایک کافی تعداد حاصل ہو جائے۔ مگر یہاں سب حضرت علی سے ناراض تھے اور سب اس بات کو جانتے تھے کہ حضرت علی نے مظلوم عثمان کو قتل کرایا ہے۔ فوج فراہم ہوئی تو ایک طرف رہی ادھر باغیوں کی قوت کم ہو رہی تھی اور ادھر مدینہ انصار و مہاجرین میں حضرت علی کی مخالفت بڑھ رہی تھی کہ وہ قاتلان عثمان سے کیسے خلاملا ہو رہے ہیں۔ جب حضرت علی نے یہ دیکھا کہ مدینۃ النبی میں ٹکنا مشکل ہے۔ تعجب نہیں کہ تخت روز بد دیکھنا پڑے آپ نے اخیر میں یہ تہیہ کر لیا کہ مدینۃ النبی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا چاہیے فوراً اس ارادہ کی تکمیل کی گئی۔ جس وقت آپ مدینہ سے نکلے ہیں آپ کے ساتھ معہ ملازمین و سپاہی و غلام نوکر چاکر صرف نو سو آدمی تھے۔ چنانچہ مدینہ سے روانہ ہو کے آپ موضع ذی قار میں قیام پذیر ہوئے مخالفت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ اگر آپ چندروز مدینہ سے نہ نکل آتے تو آپ کی جان بچنی محال تھی آپ جلدی میں اپنا سامان چھوڑ کے چل نکلے تھے۔ جس سے بچ گئے آپ نے موضع ذی قار سے چند آدمی سامان لینے مدینہ روانہ کئے اور یہ ظاہر کر دیا کہ میں تو اب کبھی مدینہ کا رخ بھی نہیں کرنے کا میرا دور سے مدینہ کو سلام ہے۔ اسی اثنا میں قیام کے بعد حسن آپ کے بڑے صاحب زادے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غصہ اور افسوس کے لہجہ میں اپنے والد ماجد سے یہ خطاب کیا۔ ابا جان آپ کسی کا کہنا نہیں مانتے اور جو کچھ آپ کی بہتری کا مشورہ دیا جاتا ہے اس پر آپ توجہ نہیں کرتے اب فرمائے تو سہی کہ آج آپ ہی کی ضد کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ ہم دارالہجرت سے نکل کے اس بے آب و گیاہ موضع میں پڑے ہوئے ہیں اس پر حضرت علی نے فرمایا بیٹا کونسی نصیحت اور مشورہ تھا جو میں نے تمہارا یا کسی کا نہیں مانا بتاؤ تو سہی۔ حضرت امام حسن نے عرض کیا کہ سنیے۔ اول آپ سے یہ عرض کیا گیا تھا کہ باغیوں نے عثمان کے مکان کا محاصرہ کر لیا ہے آپ فوراً مدینہ سے باہر چلے جائیں اس سے آپ کو یہ فائدہ پہنچے گا کہ اگر عثمان قتل بھی ہو جائیں

گے جب بھی آپ پر ان کے قتل کا الزام لوگ نہیں لگانے کے مگر آپ نے نہیں مانا۔

دوم: پھر آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ جب کوئی مسلمان آپ کی خلافت پر راضی نہیں ہے تو پھر آپ خلیفہ بننے کے دھن میں کیوں لگے ہوئے ہیں۔ آپ نے ایک نہ سُنی۔

سوم: میں نے عرض کیا تھا کہ طلحہ و زبیر صدیقہ کے ساتھ مل کے خون عثمان طلب کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں آپ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ جائیں اور کل معاملات اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں اور انتظار کریں کہ پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ مگر آپ نے نہ سنا۔ اس کا جواب حضرت علی نے اپنے بیٹے کو یہ دیا۔ یہ جو تم نے کہا کہ میں محاصرہ بیعت خلافت کے وقت کیوں مدینہ سے نکل کے چلا گیا وجہ یہ تھی کہ باغیوں نے میرے مکان پر خالد بن مسلم کو پہراتی مقرر دیا تھا کہ وہ مجھے مدینہ سے باہر نہ جانے دے سب بڑے بڑے صحابہ پر باغیوں نے اسی طرح پہرہ بٹھا دیا تھا۔ دوسری بات کا حضرت علی نے یہ جواب دیا کہ خلیفہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام دنیائے اسلام اس کے ہاتھ پر بیعت کرے بلکہ اہل حرمین کی بیعت کفایت کرتی ہے۔ تمہارے مشورہ کے بموجب اگر میں طلحہ و زبیر کے معاملہ میں گوشہ نشین ہو جاتا تو امن میں خلل پڑنے کا پورا اندیشہ تھا۔ پھر آپ نے فرمایا سنو صاحبزادے جب ریاض رضوان میں رسول کریم تشریف لے گئے تو میں نے تمام صحابہ میں اپنے سے بہتر منصب خلافت اور تنظیم مصالح کا کفیل کسی کو نہیں پایا مگر میں کیا کروں مسلمانوں نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی میں نے بھی اُن کے ساتھ اتفاق کر لیا اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا انھیں امور خلافت میں برابر مدد دیتا رہا۔ ابوبکر نے عمر کو اپنا خلیفہ بنا دیا میں اس پر بھی راضی ہو گیا اور مطلق مخالفت نہیں کی۔ مگر جب عمر نے انتخاب خلیفہ کے وقت حدیث شوریٰ پیش کی اور خلایق نے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو میں بھی ان کے ساتھ ہمداستان ہو گیا اور کل کاموں میں انھیں مدد دیتا رہا اور جب وہ قتل ہو گئے تو میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ مگر لوگوں نے مجھے نہ چھوڑا اور میرے آگے خلافت پیش کی۔ میں ایک ہفتہ تک برابر انکار کرتا رہا آخر جب میں نے دیکھا کہ خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ امن میں خلل پڑ جائے ناچار سرداران قوم کی بیعت پر میں نے خلافت منظور کر لی اور بس۔ حضرت علی کو سپاہ کے فراہم کرنے کا فکر تھا۔ آپ جانتے تھے کہ بغیر سپاہ کے کامیابی ممکن نہیں۔ بصرہ ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ آپ کو کوفہ کا بڑا اندیشہ تھا کہ اگر وہاں بھی

دشمنوں کا قبضہ ہو گیا تو پھر بُری بنے گی. آپ نے اسی خیال سے اپنے پروردہ محمد بن ابو بکر اور اپنے بھتیجے محمد بن جعفر کو کوفہ روانہ کیا تا کہ لوگوں کو آپ کی موافقت پر آمادہ کریں اور اگر مخالفین کا کچھ اثر ہوا ہے تو اسے زایل کر دیں. غرض یہ دونوں محمد کوفہ پہنچے اور جو خط کوفیوں کے نام حضرت نے لکھا تھا وہ جامع مسجد میں ہزاروں مسلمانوں کے سامنے پڑھ کے سنا دیا گیا. اس پر کوفیوں نے اپنے گورنر ابو موسی اشعری سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے. علی بن ابی طالب ہم سے مدد چاہتے ہیں ۔ ابو موسی اشعری نے کہا سنو بات ہے کہ علی ہوں یا طلحہ و زبیر یہ لوگ تو حکومت چاہتے ہیں تم ان کا کہاں تک ساتھ دو گے. رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی فتنہ پیدا ہو تو مسلمانوں کو چاہئے اپنے اپنے گھروں میں بند ہو کے بیٹھ جائیں. محمد بن جعفر نے جب یہ سنا کہ ابو موسی یہ کہتا ہے تو وہ مجمع میں ابو موسی پر سخت برہم ہوئے اور کہا کہ تو امیر المومنین علی بن ابی طالب کی متابعت سے لوگوں کو برگشتہ کرتا ہے. ابو موسیٰ نے کہا سنو محمد بن جعفر عثمان کی بیعت کا طوق میری اور تمہارے صاحب (مراد از حضرت علی) کی گردن میں موجود ہے لہذا اگر تلوار اٹھائے بن نہیں آتی تو پہلے قاتلان عثمان سے مقاتلہ کرنا چاہئے اور جب باغیوں سے پورا انتقام لے لیا جائے تو اس وقت دوسرا کام کرنا زیبا ہے. اس پر محمد بن جعفر خاموش ہو رہے. اور یہ دیکھ کے کہ اہل کوفہ سب ابو موسی کے ہتھے چڑھے ہوئے ہیں ہماری نہیں سننے کے موضع ذی قار میں حضرت علی کی خدمت میں واپس چلے آئے. اور ساری کیفیت عرض کر دی حضرت علی کو ابو موسی اشعری کی ان باتوں پر سخت افسوس و تعجب ہوا. آپ نے پھر عبداللہ بن عباس اور مالک اشتر کو کوفہ روانہ کیا تا کہ ابو موسی سے گفتگو کر کے قایل معقول کیا جائے اور کوفیوں کو حضرت علی کی طرف داری پر آمادہ کیا جائے. یہ دونوں قابل رسول کوفہ پہنچے مگر ان کی ابو موسی کے آگے ایک نہ چلی. بیچارے ناکام واپس چلے آئے. اخیر حضرت علی نے اپنے بڑے صاحبزادے امام حسن کو عمار یاسر کے ساتھ کوفہ روانہ کیا تا کہ کوفیوں پر حجت پوری کر دیں. چنانچہ دونوں صاحب کوفہ پہنچے کوفیوں نے امام حسن کی بہت تعظیم کی اور آپ کا بڑی دھوم سے استقبال کیا خود ابو موسی اشعری بھی نہایت ادب اور عزت سے پیش آیا. یہاں پہنچ کے اور قدرے آرام لیکے امام حسن اور عمار یاسر دونوں جامع مسجد میں گئے. یہاں آدمیوں کا ہجوم بہت ہو گیا. حضرت امام حسن بیان کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو مجمع میں آپ کی نظر ابو موسی اشعری پر پڑی آپ نے

CamScanner

فرمایا کہ ابوموسیٰ تم میرے والد میرا المومنین علی بن ابی طالب کی متابعت سے مسلمانوں کیوں روکتے ہو میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ہماری غرض سوائے صلاح امت کے اور کچھ نہیں ابوموسی اشعری نے جواب دیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں یہ کام کیوں کر کرسکتا ہوں یعنی آپ کے والد ماجد کی متابعت کے خلاف مسلمانوں کو کس طرح آمادہ کرسکتا ہوں ہے کہ آپ کے نانا رسول کریم کی یہ پیش گوئی اور ارشاد موجود ہے. آپ نے فرمایا تھا کہ عنقریب ایک فتنہ پیدا ہوگا جس میں قاعدہ قایم سے اچھا رہے گا اور قائم سے ناشی اور ماشی سے راکب اب یہ جماعت جو بصرہ میں ہے ہمارے بھائیوں کی ہے. اللہ تعالی نے ان کے مال اور خون ہم پر حرام کردیے ہیں. یہاں تک ابوموسی کہنے پایا تھا کہ عمار یاسر نے اسے نہایت سخت ست کہنا شروع کیا مورخوں نے تو سب کا لفظ لکھا ہے. جس کے معنی گالی گلوج کے ہیں عمار یاسر کا جواب ایک کوفی نے ترکی بہ ترکی دیا اور کہا اے عمار کل تو ہم تجھے باغیوں کے ساتھ ان کی مصاحبت میں سرگرم دیکھتے تھے اور آج تو ہمارے حاکم کے ساتھ سفاہت کر رہا ہے. اسی اثناء میں زید بن صوحان کھڑا ہوا. اور صدیقہ نے جو خط اہل کوفہ کو لکھا تھا. وہ اس نے پڑھنا شروع کیا اور صدیقہ پر طعن کرنے لگا کہ اہل بغی سے جدال وقتال کرنے کا کام تو مردوں کا ہے. صدیقہ نے کیوں یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے انھیں تو گھر میں بیٹھنے کا حکم ہے وہ تلوار لیکے مسلمانوں کا قتل کرنے گھر سے کیوں نکلیں اس وقت ابوموسی اشعری کھڑے ہوئے اور انھوں نے اہل جلسہ سے مخاطب ہو کے کہا آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ رسول کریم کے جلیل القدر صحابہ عبداللہ عمر وسعد بن ابی وقاص ومحمد بن مسلمہ واسامہ بن زید اس فتنہ سے علیحدہ رہنے کے لئے خانہ نشین ہو گئے ہیں. انھوں نے مسلمانوں پر تلوار اٹھانا حرام خیال کیا ہے لہذا آپ لوگوں کو چاہئے کہ ان صحابہ کی متابعت کر کے اس فتنہ سے پہلو بچائے رکھیں مبادا دین و دنیا دونوں سے ہاتھ دھونے پڑیں. اس کا جواب قعقاع بن عمرو نے یہ دیا. سوچی بات یہ ہے کہ بغیر حاکم کے کسی طرح بھی چارہ نہیں ہے ورنہ انتظام ممالک درہم برہم ہو جائے گا. اس وقت امیر المومنین علی موجود ہیں جو اعلی درجہ کے منتظم اور رعایا پرور ہیں کیوں نہیں ان کے ہاتھ پر بیعت لی جاتی کہ یہ سارے جھگڑے پاک ہو جائیں. اس کی تائید میں عبد خیر کھڑے ہوئے اور ابوموسی اشعری سے یہ دریافت کیا آیا تجھے معلوم ہے کہ طلحہ اور زبیر نے امیر المومنین علی کے

ہاتھ پر بیعت کی تھی یا نہیں، ابوموسی اشعری نے کہا ہاں کی تھی۔ پھر عبد جبیر بولا کہ علی سے کوئی ایسا امر سرزد ہوا جس سے شرعاً نقض بیعت ہو گیا۔ ابوموسی اشعری بولے اس کی مجھے خبر نہیں عبد جبیر نے اس پر یہ اصرار کیا کہ جب تک تم اس امر سے واقف نہ ہو جاؤ گے ہم جلسہ کو برخاست نہیں کرنے کے۔ حضرت امام حسن کو تو تو میں میں پر غصہ آ گیا اور آپ نے تہدید آمیز لہجہ میں ابوموسی سے خطاب کیا کہ اے ابو موسی جب تو امیر المومنین علی کی متابعت سے انحراف کرتا ہے تو تجھے زیبا نہیں ہے کہ تو ممبر پر چڑھا رہے خیر اسی میں ہے کہ تو یہاں سے اتر جا ابوموسی نے رسول اللہ کے نواسہ کے اعزاز کو ہاتھ سے نہیں دیا اور فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی، اگر چہ اسے رنج اور انفعال ضرور ہوا جلسہ میں ادھر یہ واقعات گزر رہے تھے اور ادھر صعصعہ بن صوحان اور عمار یاسر لوگوں کو حضرت علی کی متابعت کے لئے ابھار رہے تھے۔ کہ امام حسن ابوموسی کے ممبر پر سے اترتے ہی آپ چڑھ گئے، اور یہ واعظ شروع کیا ایھا الناس آپ پر روشن ہے کہ قدوہ ملت و امام امت علی بن طالب ہیں، اسوقت وہ ایک باغی قوم کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کی تیاری کر رہے ہیں، اب تم سے وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ میں اس معاملہ میں مظلوم ہوں یا ظالم اگر مظلوم ہوں تو میری مدد کرو اور اگر ظالم ہوں تو مظلوموں کی داد مجھ سے لینی چاہیے اول جن لوگوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی وہ طلحہ و زبیر ہیں مگر بلاوجہ انھوں نے نقض پیمان کیا۔ مناسب ہے کہ وضیع و شریف غنی و فقیر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوں اور اس میں ایک لحہ کا بھی توقف نہ کریں امام حسن کی تائید بلند آواز سے محمد بن عدی الکندی نے کی، اس کا اثر کوفیوں پر اچھا ہوا مجمع میں سے آوازیں بلند ہونے لگیں ہم امیر المومنین علی بن ابی طالب کے ساتھ ہیں چنانچہ جس وقت امام حسن کوفہ سے روانہ ہوئے ہیں تو سات ہزار نفر ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور ان کے دوست مالک اشتر نے بڑی کارگزاری یہ دکھائی کہ بارہ ہزار آدمی اور بھی جمع کر لیے اور انھیں لیکے حضرت امام حسن کے پیچھے ذی قار روانہ ہو گیا گویا انیس ہزار آدمی حضرت علی کو کوفہ سے مل گئے۔

حرب جمل کا قصہ: حضرت علی کو جب خبر لگی کہ سات ہزار آدمی تو امام حسن اپنے ساتھ لا رہے ہیں اور بارہ ہزار مالک اشتر لا رہے ہیں تو آپ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے دو لشکروں کا بڑی دھوم سے آگے بڑھ کے استقبال کیا انھیں دعا دی اور ان کی بہت تعریف کی اور کہا تمھیں تکلیف دینے کی

غرض محض یہ ہے کہ ہماری کچھ بھائیوں نے ہم سے سرکشی کی ہے میں چاہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے مصالحت کے ساتھ معاملہ کو طے کرلوں.....اور اگر اس صورت سے معاملہ طے نہ ہو تو رفق و مدارکو کام میں لا کے اس جھگڑے کو انجام تک پہنچادوں اگر یوں بھی نہ ہو تو جس طرح اللہ اور رسول اللہ کا ارشاد ہے اس پر عمل کروں یہ فرما کے حضرت علی نے باری باری سے اعیان کوفہ سے ملاقات کی اور انھیں ان کی جائے قیام بتادی وہی پھر آپ نے قعقاع بن عمرو کو جو آپ کی نظر میں نہایت صاحب فرات تھے بطور پیغام بر صدیقہ طلحہ وزبیر کے پاس روانہ کیا.اور آپ لشکر کی ترتیب دے کے اس کے پیچھے بصرہ روانہ ہوئے قعقاع بن عمرو منازل طے کرتا ہوا بصرہ میں داخل ہوا اور پہلے صدیقہ کے حضور پیش کیا گیا .صدیقہ نے دریافت کیا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے.قعقاع نے کہا مسلمانوں کی اصلاح حال اور طلب خون عثمان کے لیے یہاں آیا ہوں.میں چاہتا ہوں کہ آپ طلحہ وزبیر کو بھی یہاں بلوالیں تو جو کچھ مجھے کہنا ہے.وہ بھی گوشگوار کرلیں.صدیقہ نے دونوں صحابہ کو اسی وقت اپنے پاس طلب کرلیا.

جب دونوں صحابہ آگئے تو قعقاع نے دریافت کیا آپ چاہتے کیا ہیں.طلحہ وزبیر نے جواب دیا خون عثمان قعقاع نے کہا اس سے آپ نے کیا نتیجہ سوچا ہے..جواب دیا گیا صلاح امت قعقاع بولا آپ اب تک طلب خون عثمان میں کتنے قتل کر چکے ہیں جواب دیا گیا کہ چھ سو نفوس قعقاع نے کہا یہ صلاح امت کیا ہوئی بلکہ امت کی بربادی اور اس میں فساد پیدا کرنا مقصود ہوا کیونکہ جتنے آدمی آپ قتل کر چکے ہیں ان کے احباب اور رشتہ داروں کی عداوت تو آپ سے مسلم ہو چکی.پھر اسی طرح آپ اور قتل کریں گے تو بتائے اس سے فساد بڑھے گا یا نہیں اس پر صدیقہ نے کہا قعقاع تو سچ کہتا ہے تو اب تو رائے دے کہ کیا کیا جائے.قعقاع نے کہا کہ مخالفت کے بساط کو لپیٹ دیجیے اور امیر المومنین علی سے صلح کر لیجیے.طلحہ زبیر نے کہا ہم راضی ہیں تم جاؤ اور امیر المومنین علی سے کہہ کے ہماری صلح کرادو چنانچہ قعقاع امیر المومنین کی خدمت میں واپس آیا اور ساری کیفیت بیان کردی.حضرت علی کو یہ سن کے بہت تعجب ہوا.آپ نے قعقاع کی فراست پر آفرین کہی اسی اثناء میں آپ حدود بصرہ تک پہنچ گئے تھے کہ بصری جوق درجوق لشکرگاہ میں آنے لگے اور کوفیوں سے دریافت کرنے لگے کہ صدیقہ سے جنگ کرنے کا ارادہ ہے یا صلح کا.کوفیوں نے کہا جو کچھ حضرت علی کی مرضی ہوگی ہم اسی پر عمل کریں

گے .اس کے بعد کوفیوں نے اپنے بھائی بصریوں میں سے چند آدمی انتخاب کر کے حضرت علی کی خدمت میں پیش کر دیئے آپ نے سارا قصہ دوھرایا کہ اس طرح باغی مدینہ گھس آئے اور عثمان پر یہ یہ الزام لگائے اور اخیر اسے قتل کر ڈالا .میں برابر ایک ہفتہ تک گھر چھپا بیٹھا رہا مگر باغیوں نے مجھے چین نہ لینے دیا .اخیر میں گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہوا .مجھ سے کہا تم خلافت قبول کرو .میں نے کہا جب تک طلحہ وزبیر نہ ہوں گے میں خلافت قبول نہیں کر سکتا .چنانچہ یہ دونوں کشاں کشاں میرے سامنے لائے گئے ان کی صورت دیکھتے ہی میں نے ان سے کہا لو یہ خلافت حاضر ہے تم لے لو انھوں نے یہ سن کے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ نہیں ہماری توبہ ہے ہمیں یہ خلافت منظور نہیں ہے چنانچہ ناچار مجھے خلیفہ ہونا پڑا اور پھر ان دونوں نے بطیب خاطر میرے ہاتھ پر بیعت کی .جب بیعت کر چکے تو مجھ سے یہ حیلہ کیا کہ ہمیں عمرہ کرنا ہے ہم مکہ جاتے ہیں میں نے انھیں جانے کی اجازت دے دی یہ چلے گئے اور بیعت توڑ ڈالی اور ستم یہ کیا کہ اپنی بیویوں کو تو پردہ سے باہر نہ نکالا مگر رسول اللہ کی معزز ومحترم بیوی کو میدان میں لے آئے .اور نامحرموں کے بیچ بصرہ میں لا کھڑا کیا .اور حضرت رسالت سے ذرا بھی شرم نہیں کی اور نہ اپنی بیعت توڑنے کی انھیں کچھ حیاد امنگیر ہوئی فساد کرتے پھرتے ہیں اور خونریزی پر کمر باندھ لی ہے بھائیوں میری غرض یہاں آنے سے صرف یہ ہے کہ مذموم رسوم کو دفع کروں اور آدمیوں کی اصلاح حال میں کوشش کروں .کینہ وغضب جوار باب سلیم کی نظر میں نامحمود ہے .محمد رسول اللہ کی امت میں سے اڑادوں میں ان کے مقابلہ میں اگر وہ راستی پر آگئے تو کبھی تلوار نہیں اٹھانے کا اور اگر انھوں نے نہ مانا تو مجبوراً تلوار غلاف سے نکالنی پڑے گی .بصریوں نے حضرت علی کی اس تقریر کو بہت غور سے سنا سمجھا اور اس پر توجہ کی اور سب آپ کے ساتھ ہو گئے اور کہا جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس سے بہتر بات اور نہیں ہو سکتی .اس پر حضرت علی نے یہ فرمایا کہ تم میرے ہاتھ پر بیعت کر لو تو اس پر ان کے سردار عاصم بن کلب نے کچھ عذر کیا مگر حضرت علی نے نہ مانا اور کہا تمھیں بیعت کرنی ہوگی .ناچار ان سو آدمیوں نے بیعت کر کے بصرہ کی راہ لی .اور یہاں آ کے انھوں نے اہل بصرہ سے ساری کیفیت بیان کر دی او رادھر حضرت علی نے فوج کو کوچ کا حکم دیا .حکم ہوتے ہی فوج بصرہ کی دیواروں کے نیچے آ گئی .اس سے پہلے طلحہ وزبیر اپنی تیس ہزار سپاہ لیکے شہر کے باہر نکل چکے تھے دونوں فوجوں کے خیمے آمنے سامنے

ہو گئے اور اب طرفین میں رسل و رسائل کا سلسلہ شروع ہو گیا جو خط طلحہ و زبیر کی طرف سے حضرت علی کو بھیجا گیا تھا اس کا یہ مضمون تھا کہ اگر آپ قاتلان عثمان کو اپنے لشکر گاہ سے نکال دیں تو ہم ابھی صلح کرتے ہیں. ورنہ صلح محال ہے منجملہ پانسو قاتلان عثمان کے یہ چند نام خط میں خصوصیت سے درج کئے گئے تھے ۱۔ مالک اشتر ۲۔ ابن الہشتم عدی بن حاتم طائی ۳۔ ثایم بن ثعلبہ بھیلے ۴۔ شریح بن اوفی ۵۔ خالد بن ملجم

اب حضرت علی نے سوچا کہ بات تو معقول ہے اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے. ناچار ان لوگوں سے کہا مصلحت اسی میں ہے کہ فی الحال تم میرے لشکر گاہ سے نکل جاؤ جب صلح ہو جائے گی اس وقت دیکھا جائے گا انھیں اس حکم کی تعمیل کرنی پڑی اور وہ دور فاصلہ پر وہاں سے چلے گئے اور اب انھیں حضرت علی کی طرف سے سخت دغدغہ پیدا ہو گیا. انھوں باہم مشورہ کیا بھائیوں یہاں تو جان کے لینے کے دینے پڑ گئے علی اور طلحہ و زبیر کی صلح ہی اسی بنا پر ہو گی کہ ہمیں قتل کر دیا جائے. علی بہت ہوشیار اور دانا آدمی ہیں وہ تمھاری جان بچانے کے لئے طلحہ و زبیر سے جنگ نہیں کرنے کے وہ قطعی ہماری قتل پر صاد کر دیں گے اور ہم مفت میں مارے جائیں گے کام ان کا نکل چکا ہے اب ہماری ان کی نظروں میں کیا وقعت ہے انھیں اس وقت طلحہ و زبیر کی طرح اپنا دشمن سمجھنا چاہئے. مناسب یہی ہے کہ ہم سب مل کے جانب مغرب چلے چلیں تا کہ ہماری جان بچے اس پر عدی بن حاتم بولا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی ہم عرصہ سے یہیں رہتے ہیں. یہیں ہمارے اہل و عیال ہیں. یہیں ہماری کاروبار پھیلے ہوئے ہیں یہیں ہمارے احباب ہیں بھلا دوسرے مقام میں جا کے ہم کس طرح خوش زندگی گزار سکتے ہیں. عدی کی اس تقریر نے سب پر اثر کیا انھوں نے کہا بات تو سچ ہے مگر کریں کیا بہت بری گئی ہے. ان میں سے بعض آدمی بولے بھائی جان بچانے کی ترکیب یہ ہے کہ مثل عثمان کے علی کو قتل کر دو پس چھٹی ہو جائے گی اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ طلحہ و زبیر ہمارے دوست بن جائیں گے. اس پر ہشتم نے یہ کہا واہ واہ صد آفرین ہے تمھاری ہمت پر کہ کل تو تم عثمان کو قتل کر چکے ہو اور آج علی کو قتل کرتے ہو. بھلا ہماری یہ کاروائی دیکھ کے طلحہ و زبیر کو ہم پر کیا اعتماد رہے گا وہ سمجھیں گے کہ ایک دن ہم انھیں بھی اسی طرح موت کے گھاٹ اتار دیں گے. سب نے ہشیم کے خیال کو پسند کیا، آخر باہم یہ طے پایا کہ طلحہ و زبیر اور

علی کو لڑا دیا جائے چنانچہ ایک دن آخری شب ان سب قاتلان عثمان نے مسلح ہو کر طلحہ و زبیر کے میمنہ پر
حملہ کیا. یہ لوگ سمجھے کہ حضرت علی نے شب خون مارا ہے تیروں کی باغیوں کی طرف سے بارش ہو رہی
تھی کہ سپاہ طلحہ و زبیر آراستہ ہو کے مقابلہ میں آ گئی اور ان باغیوں کو صبح ہونے سے پہلے مار کے بھگا دیا.
اس کا اثر اچھا نہیں ہوا. طلحہ و زبیر کو یقین ہو گیا کہ علی جنگ کیے بغیر نہیں ماننے کے اور یہ نامہ پیام محض
وقت حاصل کرنے کے لیئے کیا گیا تھا. اخیر دونوں نے فوج کی ترتیب دی اور آمادہ جنگ ہو گئے ادھر
حضرت علی نے طلحہ و زبیر کو تیار پا کے اپنی فوج کی ترتیب دیا اور قلب لشکر میں آپ کھڑے ہو گئے.
ہزیمت خوردہ باغیوں نے موقع غنیمت جان کے حضرت علی کے قلب لشکر کا رخ کیا یہ لوگ اپنی کوشش
میں تو پورے کامیاب ہو چکے تھے اب انھیں اپنے سرپرست حضرت علی کی خدمت میں اس لئے حاضر
ہونا تھا کہ اگر کوئی کسر رہ گئی ہو تو اُسے پورا کر دیں. غرض قلب شکر میں پہنچ کے حضرت علی کو سلام کیا اور یہ
عرض کیا کہ آپ کیا کہتے ہیں. آپ نے تو صرف طلحہ و زبیر کے راضی کرنے کے لئے ہم جیسے وفاداروں
کو بھی اپنے لشکر گاہ سے نکال دیا تھا مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں پر ان مراعات کا کچھ بھی اثر نہ ہوا اور وہ
آپ کے مقابلہ بلا وجہ شمشیر بدست ہو گئے. اب ہم حاضر خدمت ہوئے ہیں تا کہ اس معرکہ میں سر
فروشی کریں اور داد مردانگی دیں ان باغیوں کی طرف سے مالک آشتر اور عدی بن حاتم نے بہت فصا
حت و بلاغت سے یہ تقریر کی تھی. جس سے حضرت علی جوش میں بھر آئے اور طلحہ و زبیر کی مخالفت بہت
شدومد کے ساتھ کر کے اپنی فوج کے آگے یہ تقریر کی. اے سپاہیو تم پر یہ پوشیدہ نہ رہنا چاہئے کہ میں
نے اپنے دشمنوں کے ساتھ مدارا اور مواسا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی انھیں بارہا نصیحت کی کہ وہ
اپنے اعمال سے باز آئیں مگر میری مشفقانہ باتیں انھوں نے قبول نہیں کیں اور دامن انصاف سے
ہاتھ چھٹا کے اجلاس اور اعناف کا لباس پہن لیا اور اب وہ مجھ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں. مجھے طلحہ سے
تعجب ہے. کہ خود تو قتل عثمان کی تحریص لوگوں کو دیتا تھا اور اب اس کا خون طلب کرنے نکلا ہے. طلحہ کے
افعال عقل راست میں تو نہیں آ سکتے. اگر عثمان ظالم تھا تو اس کے قاتلوں سے بجائے دشمنی کے دوستی
پیدا کرنی چاہئے تھی اور اگر مظلوم تھا تو وقت پر اسے کیوں نہیں مدد دی. اور اگر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی تو
اب بھی گوشہ نشین ہی بنا رہنا چاہیے تھا. حالانکہ اس نے یہ نہیں کیا وہ آیا اور اس نے میرے ہاتھ پر بیعت

کی اور پھر اس سے مخالفت کر کے اب میرے مقابلہ کے لئے تلا ہوا ہے۔ یا اللہ تو اسے اس کی کیفر کردار کو پہنچا اور ذرا بھی مہلت نہ دے۔ لہذا میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس گروہ سے مقابلہ کرنے میں خوشی مناؤ۔ ایسا اچھا موقع تمھیں ہاتھ نہیں لگنے کا۔ ان کے قتل کرنے میں کسی قسم اندیشہ نہ کرنا۔ کہ انھوں نے میرا عہد توڑ ڈالا ہے ابن حنیف جو پہلے یہاں کا گورنر تھا کس طرح ان کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوا۔ اور کس طرح بیچارہ بھاگ کے مدینہ پہنچا ان لوگوں نے بیت المال پر قبضہ کر لیا اور صلحائے اُمت یعنی حکیم اور اس کے بھائی اور بیٹے کو قتل کر دیا اور مکہ کے بعض مسلمان جو خوف جان سے بھاگ گئے تھے انھیں تعاقب کر کے گرفتار کر لیا ہے اور ان پر ظلم توڑے جاتے ہیں۔ بعض ان میں قتل کر دیئے گئے ہیں۔

دیکھنا تم جنگ میں بھاگ نہ جانا کہ اس سے زیادہ مرد کے لئے کوئی شرمناک امر نہیں ہے۔ ایسا شخص جہنم کا سچا وارث ہوتا ہے۔ تم یقین ہی کر لو کہ بہترین موت قتل ہے قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضہ میں ابوطالب کے بیٹے کی جان ہے وہ بستر پر مرنے سے تلوار کی سو ضربیں کھانی بہتر سمجھتا ہے غرض یہ ہے کہ تم بے دغدغہ قوم آگے رکھو اور اپنے اعمال کے جرایدکو جبن و بدولی سے نہ لکھو کیونکہ موت مقدر ہے۔ اور اس سے کسی حیلہ و تدبیر سے انسان مخلصی نہیں حاصل کر سکتا۔ وہ جماعت جو ہم سے جنگ کرنے آئی ہے مسلمان بھی ہے اور اہل قبیلہ یمن سے بھی جب تک وہ تم پر حملہ نہ کرے تم اس کے ساتھ قتال نہ کرنا ہاں جب ان کی طرف سے حملہ ہو تو محض اس کے ادفع کرنے کے لئے ان سے جنگ کرو ایسی حالت میں اگر وہ مارے جائیں گے تو تمھاری گردن پر ان کا خون نہیں ہونے کا اور یاد رکھو اگر وہ بھاگیں تو ان کا تعاقب بھی نہ کرنا۔ اگر ان کی طرف سے ایک زخم لگے تو تم بھی ایک ہی زخم پہنچانا۔ فقط۔

اس وعظ کا جو کچھ اثر ہوا ہو اس کی تو خبر نہیں مگر یہ ضرور تھا کہ حضرت علی کو ان رنگروٹوں پر کامل بھروسہ نہ تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ طرفین کی باتوں نے انھیں مذبذب کر دیا ہے اور اسی وجہ سے اہل بصرہ کی تین ٹکڑیاں ہو گئی تھیں ایک ٹکڑی تو حضرت علی کے ساتھ ایک طلحہ اور زبیر کے ساتھ اور ایک نیوٹرل تھی یعنی غیر جانب دار ادھر نہ ادھر۔ آپ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے طلحہ و زبیر کے پاس آدمی بھیجا کہ تم دونوں مجھ سے آکے میرے لشکرگاہ میں مل جاؤ۔ چنانچہ آدمی کے ساتھ تن تنہا دونوں حضرت علی پاس ان کے لشکر میں چلے آئے آپ نے فرمایا اس سے پہلے مجھ میں اور تم میں استحکام کے ساتھ اخوت کے

قواعد بنے ہوئے تھے. ہم آپس میں ایک دوسرے کا آزار خاطر جائز نہیں رکھتے تھے.

طلحہ وزبیر بولے. ہاں یہ سچ ہے حضرت علی نے فرمایا پھر اس میں تجدید کیوں ہوئی کہ تم میرے ساتھ قتال تک روار کھنے لگے. اور میرا خون تم نے حلال سمجھ لیا دشمنی کا علم بلند کرلیا. اس کا جواب صاف الفاظ میں طلحہ نے یہ دیا. سنیئے حضرت بات یہ ہے کہ پہل آپ کی طرف سے ہوئی ہے آپ ہی اس جنگ کے بانی مبانی ہیں. آپ ہی نے فتنہ کو مختلف اطراف سے جمع کیا ہے اور آپ ہی نے خلیفہ مظلوم کے قتل کی باغیوں کو تحریص دی ہے. حضرت علی نے بات کاٹ کے کہا کیا خون عثمان کا قصاص تم مجھ سے چاہتے ہو حالانکہ ابھی تک اس کا خون تمھاری تلواروں سے ٹپک رہا ہے یاد رکھو تم میں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں بعد المشر قین ہے. آؤ ہم دونوں مباہلہ کریں اور ادب کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہیں کہ جس شخص کی ہم میں سے قتل عثمان میں سازش ہو اس پر غضب الٰہی نازل ہو اور سرداری کا تاج اس کے سر پر سے اتر جائے طلحہ وزبیر نے مباہلہ سے اعراض کیا پھر حضرت علی نے فرمایا تم نے اپنی بہو بیٹیوں اور بیویوں کو تو پردہ کے پیچھے بٹھادیا ہے اور رسول اللہ کی حرم محترم کو حجلہ سے باہر نکال کے میدان جنگ میں لا کھڑا کیا اور اس کے پردہ کی تم نے سخت ہتک کی خود ہی کہو یہ صورت انصاف کی ہے یا محض اعتساف کی طلحہ وزبیر نے جواب دیا کہ ہم صدیقہ کو میدان جنگ میں لیکے نہیں آئے بلکہ وہ خود اپنی قوم کی اصلاح کرنے کے لئے نکلی ہیں اس پر حضرت علی بولے واہ کیا خوب کہا صدیقہ کو بجائے دوسروں کی اصلاح کرنے کے اپنی اصلاح حال کرنے کی بہت ضرورت ہے. یہ کہ کے آپ جوش غصہ میں فرمانے لگے. بس اب آپ دونوں صاحب تشریف لے جائیں اس وقت آپ کے لئے عار ہے اور کل نہ رونا دونوں تیار ہیں. یہ سن کے جب دونوں چلنے لگے تو حضرت علی نے ٹھیرایا اور کہا کہ بات اور سنتے جاؤ وہ ٹھیر گئے حضرت علی نے زبیر کی طرف خطاب کر کے کہا اے زبیر تمھیں یاد ہے کہ ایک دن میں اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے. رسول اللہ نے تم سے فرمایا تھا کہ کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو تم نے جواب دیا تھا ہاں یارسول اللہ حضورانور نے ارشاد کیا تھا کہ عنقریب علی سے تو جنگ کرے گا جس میں ظالم تو ہوگا. یہ سن کے زبیر نے کہا یا اباالحسن جو کچھ آپ نے اب کہا ہے اگر مجھے پہلے سے اس کا علم ہوتا تو میں آپ کو قتل کرنے

کے لئے تیار نہ ہوتا اللہ کی قسم اب میں آپ سے قتال نہیں کرنے کا اور نہ کسی قسم کی مخالفت رکھوں گا. یہ قسم کھا کے زبیر اپنے لشکر گاہ میں واپس چلے گئے. ادھر حضرت علی نے ان کے جاتے ہی سرداران فوج کو جمع کر کے کہا دیکھو زبیر یہ قسم کھا کے گئے ہیں جب زبیر صدیقہ کے پاس پہنچے تو ان سے یہ بیان کیا کہ کم سنی سے سن شعور تک میں جتنی لڑائیوں میں شریک ہوا وہ کل حق پر لڑی گئیں سوائے اس موقع کے صدیقہ نے کہا زبیر آخر اس سے تمھارا کیا مطلب ہے زبیر نے کہا صدیقہ علی بن ابی طالب نے رسول اللہ کریم کی ایک حدیث مجھے پڑھ کے سنائی اگر اس حدیث کا مجھے پہلے سے علم ہوتا تو میں ہرگز اس معرکہ میں شریک نہیں ہوتا میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ ابھی میں یہاں سے چلا جاؤں اور کنج عافیت میں اپنی زندگی گزاروں۔ صدیقہ نے کہا زبیر میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے. کہ تمھاری یہ گریز محض ان لوگوں کے خوف سے ہے جو ابو طالب کے بیٹے کے جھنڈے کے نیچے جمع ہیں. مگر تم اپنی اس پہلو تہی کو کہانیاں کہ کے چھپانا چاہتے ہو. میں نے یہ عزم بالجزم کرلیا ہے کہ میں جہاد میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھوں گی میں امید کرتی ہوں کہ مجھ میں اور ابو طالب میں اللہ تبارک وتعالیٰ حکم بن کے فیصلہ کردے گا۔ یہ سن کر زبیر مارے غصہ کے مارے کانپ گے۔ اور انھوں نے اپنی شجاعت دکھانے کے لئے حضرت علی کے لشکر پر تین حملے کئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے دور تک گھستے چلے گئے مگر ان کی تلوار سے حضرت علی کا کوئی سپاہی زخمی نہیں ہوا پھر زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ میں نے اپنی شجاعت صدیقہ کو دکھائی دی بس اب میں مراجعت کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر عبداللہ بولے ایسا ہرگز نہ کیجئے گا. کری کرائی سب خاک مل جائے گی. زبیر نے جواب دیا بیٹا میں قسم کھا کے آیا ہوں کہ علی کے مقابلہ میں کبھی تلوار نہیں اٹھانے کا عبداللہ نے کہا ابا جان یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے آپ قسم کے کفارہ کے لئے ایک غلام (بردہ) آزاد کردیں چلو چھٹی ہوئی اس کے بعد اور بھی کچھ باپ بیٹوں میں قیل وقال ہوئی آخیر عبداللہ کی الحاح وزاری نے زبیر پر قابو پالیا اور زبیر نے مکحول نامی چھوکری آزاد کر کے تلوار پر ہاتھ ڈال دیا.

حضرت علی نے جب یہ دیکھا کہ طلحہ وزبیر اور صدیقہ اپنی شوکت پر بہت مغرور ہیں اور وہ مصالحہ اور مسامحہ سے بہت دور ہو گئے ہیں تو آپ نے آخری حجت پوری کرنے کے لئے سرداران فوج سے مخاطب ہو کے کہا تم میں کوئی جان باز ایسا ہے جسے اپنی جان کی پروانہ ہو اور وہ قرآن مجید اپنے ہاتھ میں لے کر

اس گروہ کی طرف جائے اور ان لوگوں سے کہے کہ جو کچھ اس مصحف قرآن مجید میں لکھا ہے اس پر کیوں نہیں عمل کرتے مجمع میں سے ایک شخص مسلم نامی بول اُٹھا کہ میں یہ کام کرسکتا ہوں حکم ہوا اچھا قرآن مجید لو اور جاؤ چنانچہ مسلم قرآن مجید لے کے گیا اور صدیقہ کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو کے اس کو للکارا کہ میں تمھیں اس کتاب کی دعوت دینے آیا ہوں. صدیقہ کی فوج میں سے ایک سپاہی نے اسے تلوار ماری اس کا ہاتھ کٹ گیا اس نے وہ قرآن دوسرے ہاتھ میں لے لیا یہ ہاتھ بھی اس حملہ آور کی تلوار کے نذر ہوا مسلم نے دونوں بازوؤں سے قرآن مجید پکڑ کے اپنی چھاتی سے لگایا مگر حملہ آور کی تیسری تلوار نے مسلم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

حضرت علی کے لشکری مسلم کی لاش اُٹھا لائے:۔ حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھی اور مٹھی بھر خاک لیکے صدیقہ کے لشکر کی طرف پھینکی اور اس کی بربادی کی دُعا کی۔ پھر صدیقہ کی فوج کی طرف سے باقاعدہ جنگ شروع کر دی گئی. حضرت علی نے غل مچا کے کہا. عائشہ یہ دشمنوں کی جنگ نہیں ہے. تمھارا پردہ میں بیٹھنا اس قتال سے ہزار درجہ بہتر ہے اس کے بعد حضرت علی نے اپنی فوج کو بھی بڑھنے اور جنگ کرنے کا حکم دیا ہے پہلے تو طرفین سے تیروں کی بارش ہوتی رہی اس کے بعد بڑھتے بڑھتے جب دونوں فوجیں قریب ہوگئیں تو اب تلوار چلنے لگی تلوار کا چلنا تھا کہ غضب برپا ہو گیا گردنیں اڑنے لگیں اور زمین آناً فاناً میں لالہ زار بن گئی بس یہ معلوم ہو رہا تھا کہ آسمان سے خون برس رہا ہے. یہ ہولناک خونریزی دیکھ کے صدیقہ سخت متاثر ہوئیں انھوں نے کعب سے جو آپ کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوا تھا کہا کہ تو علی کے پاس جا اور انھیں قرآن پاک دعوت دی کعب حکم ہوتے ہی قلب لشکر طرف آیا اور قرآن کریم کی دعوت دی مالک اشتر نے جب کعب کی دعوت سنی تو اس خیال سے کہیں علی نہ سن لیں اور جنگ سے دست بردار ہو جائیں فوراً کعب کے قتل کرنے کے لیے لپکا۔ فقط یہ قصہ تو یہیں تک فی الحال چھوڑا جاتا ہے۔ پہلے آپ زبیر کے قتل کی داستان گوشگوار کر لیں زبیر نے جب یہ دیکھا کہ علی کی مخالفت ٹھیک نہیں ہے تو وہ میدان جنگ سے سیدھے حجاز کی طرف ہو لیے کہ وہاں جا کے گوشہ نشینی اختیار کر لیں گے۔ راستہ میں جب وہ وادی سباع پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں احنف بن قیس رہتا ہے. احنف نے دور سے زبیر کو آتے دیکھ کے پہچان لیا. اور اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو یہ

زبیر ہے جو ادھر جا رہا ہے. تم میں سے ایک شخص ابھی جائے اور اس سے دریافت کرے کہ عایشہ اور علی کا کیا معاملہ ہوا تو کیوں ہوا تو کیوں وہاں سے چلا آیا یہ سن کے عمر بن جرموز نے کہا اگر تیری اجازت ہو تو میں جا کے اس سے حال دریافت کروں احنف نے کہا اچھا تم ہی جاؤ۔ عمرو تلوار کمر سے باندھ کے گھوڑے پر سوار ہو کے اس موقع پر آیا جہاں زبیر نے نماز ظہر کے لیئے قیام کیا تھا. صاحب سلامت کے بعد عمرو نے پوچھا یا ابا عبداللہ عایشہ کی سپاہ حضرت علی کے ساتھ کیا کر رہی ہے. زبیر نے کہا میں انھیں لڑتا چھوڑ آیا ہوں عمرو نے دریافت کیا کہ آپ عایشہ سے الگ ہو کے کیسے چلے آئے زبیر نے جو کچھ سبب تھا وہ کہدیا. پھر دونوں آگے چل پڑے اسی اثناء میں زبیر نے نماز پڑھنی چاہی. آپ اس ارادہ سے سواری پر سے اتر پڑے اور کہا عمرو مجھ سے تو امن ہے کیا میں بھی تجھ امن میں ہو جاؤں. عمرو نے جواب دیا ہاں امن میں ہو جاؤ اور بے فکر ہو کر نماز پڑھ لو. زبیر نے نماز پڑھنی شروع کی جب وہ سجدہ میں گئے تو عمرو نے ایک ہی وار میں زبیر کی گردن اڑا دی اور ان کا گھوڑا جوشن اور زرہ لیکے سیدھا حضرت علی کے پاس آیا اور خوشی خوشی یہ ساری چیزیں پیش کیں اور اپنی بہادری کی داستان کہنے لگا. جو ں ہی حضرت علی کی نظر زبیر کی تلوار پر پڑی اور آپ نے اس کے دوسرے سامان کو دیکھا تو عمرو کی طرف یہ خطاب کیا. اپشر دیا قاتل بن صفیہ با لنا ریعنی اے قاتل بن صفیہ تجھے آتش دوزخ کی کی بشارت ہو. حضرت علی سے خلاف امید اس صلہ ملنے پر عمرو جل گیا اور اس نے بڑی دلیری سے کہا یقیناً اے علی تو بلائے اُمت ہے جو شخص خواہ تیری مخالفت کرے یا موافقت قطعی دوزخی ہے یہ کہ کے عمرو نے غصہ اور غضب کی حالت میں تلوار سے اپنا پیٹ چاک کر ڈالا اور وہیں اس کا کام تمام ہو گیا.

طلحہ کی وفات کا قصہ: طلحہ نے زبیر کی کیفیت سنی کہ انھوں نے صدیقہ سے تخلف کیا ہے اور وہ حجاز چلے گئے ہیں تو خود چلا جانا چاہا آخر صدیقہ کو ان کی قسمت پر چھوڑ کے طلحہ بھی چل نکلے. جب مروان بن الحکم کو معلوم ہوا کہ طلحہ بھی جاتے ہیں تو اس نے ایک تیر چلایا جو طلحہ کے ٹخنہ میں لگ گیا. اس کثرت سے خون بہا کہ طلحہ بہت ضعیف ہو گئے انھوں نے اپنے غلام سے کہا دیکھنا میں گھوڑے پر سے گر پڑوں گا تو میرے پیچھے سوار ہو کے مجھے پکڑ لے حکم ہوتے ہی غلام نے سوار ہو کے پیچھے سے طلحہ کی کولی بھر لی پھر طلحہ نے غلام سے کہا تو مجھے کسی شہر کی طرف لیجا کیونکہ میں اس زخم سے بچتا نہیں معلوم

ہوتا غلام ایک ویرانہ کی طرف لے گیا اسی اثنا میں طلحہ کی نظر ایک سوار پر پڑی. اسے آواز دلوائی وہ آیا طلحہ نے دریافت کیا تو کس لشکر کا سوار ہے اس نے کہا علی بن ابی طالب کے لشکر کا طلحہ نے کہا میں جناب امیر کی بیعت کی تجدید تیرے ہاتھ پر کرنا چاہتا ہوں. اس نے کہا بہت خوب ہاتھ پھیلایا طلحہ نے بیعت کی اور فوراً ہی آپ کی وفات ہوگئی جب حضرت علی امیر المومنین سے کہا گیا کہ طلحہ کا یہ واقعہ ہوا. آپ نے فرمایا بہشت پر قبضہ کرنے کی غرض سے ایسا کیا گیا.

فسانہ فتح جمل: کعب کے قتل ہوتے ہی قبیلہ بنی ازد اور اُمیہ میں ایک جوش پیدا ہو گیا کیونکہ یہ شخص بنی ازد کا سردار تھا اور صدیقہ کے اونٹ کی نکیل اس کے ہاتھ میں تھی. یہ لوگ جذت غضب میں حضرت علی کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور اب نئے سرے سے بازار جنگ وجدال گرم ہوا. جب حضرت علی نے مضاربت کی یہ شدت دیکھی تو مالک اشتر عدی بن حاکم. عمار بن یاسر اور عمرو بن حمق کو حکم دیا کہ تم بنر دار آزما دلیر چھانٹ کے قلب لشکر میں گھس جاؤ اور عائشہ کے اونٹ کے پیر کاٹ ڈالو حکم ہوتے ہی یہ لوگ فوج کے کئی دستے ساتھ لیکے قلب لشکر کی طرف متوجہ ہوئے کہ یکا یک عبداللہ بن زبیر کی نظر ان کی نقل وحرکت پر پڑی فوراً ہی اس نے اپنے پرے کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا اور کہدیا خواہ کچھ ہی قربانی کیوں نہ کرنی پڑے قلب کی طرف یہ لوگ نہ جانے پائیں. ان میں اکثر قاتلان عثمان ہیں اور تمھیں اس سے بہتر موقعہ انتقام لینے کا اور نہیں ملنے کا. اس سے یہ لوگ اور بھی جوش میں بھر گئے پھر جو گھمسان کی جنگ ہوئی ہے تو کچھ نہ پوچھو طرفین نے مردانگی کی داد پوری ادا کی. مگر بالآخر عبداللہ بن زبیر کے پرے کو شکست ملی اور عمار یاسر کی فوج غالب آئی اور یہ لوگ قلب لشکر میں گھس آئے اور صدیقہ کے اونٹ کو گھیر لیا. ایک شخص صدیقہ کے اونٹ کی نکیل پکڑتا تھا اور حضرت علی کے سپاہی نے فوراً اس کے ہاتھ اڑا دیے تھے. چنانچہ اس دار وگر میں قبلہ بنی اُمیہ کے ۹۲ سپاہیوں کے ہاتھ قلم ہو گئے اس وقت خود حضرت علی بھی تازہ دم سپاہ کی کمک لیکے یہاں آ گئے تھے. کہتے ہیں کہ آپ نے بھی اس قدر شمشیر بازی کی کہ آپ کی ذوالفقار دوہری ہوگی اس ہولناک جنگ میں یکا یک صدیقہ کی فوج میں سے عمرو بن اشرف کچھ سپاہ لیکے مدد کے لئے آگے بڑھا پہلے ہی حملہ میں اس نے حضرت علی کے کئی دستوں کا منہ پھیر دیا قریب تھا کہ اس فوج کے قدم اکھڑ جاتے کہ یکا یک حارث بن ظہر نے آ کے عمرو

بن اشرف سے مبازرت طلب کی اوران دونوں کی جنگ ہونے لگی اورمگر دونوں ہی ایک دوسرے کے زخم سے جانبر نہ ہو سکے۔ جب جنگ کا رنگ بدلتا ہوا دیکھا تو عبداللہ بن زبیر نے صدیقہ کے اونٹ کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لی یہ دیکھتے ہی مالک اشتر عبداللہ پر لپکا دونوں گلتھپ ہو گئے. عبداللہ نے اُسے دے پٹکا مالک بمشکل حیلے حوالے کر کے عبداللہ سے جان بچا کے بھاگا جنگ برابر ہو رہی تھی اور کوئی صورت کمی کی نظر نہ آتی تھی. حضرت علی نے دیکھا کہ باوجود محاصرہ کے بھی ان لوگوں کا دل نہیں ہارا اور یہ برابر قتال کئے جارہے ہیں. آپ نے محمد بن ابی بکر صدیقہ کے سوتیلے بھائی مالک اشتر اور سعد بن قیس حکم دیا کہ جس صورت سے ممکن ہو تم عایشہ کے اونٹ کی ٹانگیں کاٹ ڈالو جب تک اونٹ نہ گر پڑے گا جنگ بند نہیں ہونے کی اس حکم کی تعمیل سب سے پہلے مالک اشتر نے کی. بہت دلیری سے آگے بڑھ کے اس نے ایک پیر پر تلوار مار کے صاف بھٹا سا اُسے اڑا دیا. مگر اونٹ کو جنبش نہ ہوئی. مالک نے دوسرے پیر پر تلوار چلا کے اُسے بھی کاٹ ڈالا مگر اونٹ جب بھی نہیں گرا یہ دیکھ کے مالک ڈر گیا کہ یہ کیا راز ہے کہ اتنے میں حضرت علی بھی وہاں جا پہنچے. آپ نے فرمایا ڈرتا کیوں ہے. اس اونٹ کو جن تھامے ہوئے ہیں تو تیسرے پیر میں تلوار مار یہ قطعی آ پڑے گا اس نے تیسرا پیر بھی اڑا دیا مگر وہاں خبرے بنا شد آخر محمد بن حنیفہ نے ایک ضرب مار کے اسے گرا دیا. اس وقت ہودج بھی زمین پر آ گرا حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو کہا دوڑ اور اپنی بہن کو سنبھال دیکھو کوئی زخم تیر و تلوار کا یا کوئی چوٹ انھیں نہ لگے. محمد نے ہودج میں ہاتھ ڈالا کہ اس کا ہاتھ صدیقہ کے ہاتھ میں لگا صدیقہ نے غل مچایا یہ کون شخص ہے. جس نے میرے ہاتھ کو ہاتھ لگایا. رسول اللہ کے سوا آج تک کسی کا ہاتھ میرے ہاتھ سے نہیں لگا محمد نے جواب دیا کہ میں تیرا بھائی ہوں اور تیرا سب سے بڑا دشمن بھی میں ہی ہوں جب صدیقہ اپنے سوتیلے بھائی کی صورت پہچان لی اسی وقت خاموش ہو رہیں۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ عایشہ کو صفیہ بن عبداللہ کے گھر پر پہنچا دو. اس کے بعد حضرت علی نے یہ ڈھونڈورا پٹوا دیا کہ نہ کوئی بھاگتے ہوئے کا تعاقب کرے. نہ زخمی کو مارے اور نہ اس شخص سے تعارض کرے کہ جو ہتھیار بر طرف کر کے خانہ نشین ہو گیا ہو۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا اے امیر المومنین یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس گروہ کا خون تو آپ نے حلال قرار دیا مگر اس کا مال حرام کہتے ہو آیا یہ جماعت مشرکوں کی ہے یا

نہیں, حضرت علی نے فرمایا نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ لوگ تو شرک سے کوسوں دور بھاگتے ہیں سائل نے پھر یہ دریافت کیا آیا یہ منافق ہیں. فرمایا نہیں منافق تو آللہ تعالی کی عبادت اس کثرت اور خضوع وخشوع سے نہیں کرتے. سائل نے پوچھا آخر یہ کون لوگ ہیں فرمایا میرے بھائی ہیں مجھے انھوں نے بغاوت کی ہے اور بس پھر آپ نے سائل سے فرمایا کیا تو اسے گوارا کرے گا کہ اپنی ماں کا مال واسباب لوٹ لے اس نے کہا نہیں فرمایا عائشہ ہماری ماں ہیں ہم کیونکر ان کا مال لوٹ لیں. اس جواب سے سائل خاموش ہوگیا اسی اثناء میں مروان حکم. عمرو بن عثمان. سعید برادر عمرو اور سیعد بن عمرو العاص گرفتار ہو کے حضرت علی کے حضور پیش کئے گئے. عمار یاسر نے کہا انھیں قتل کا حکم دیجے۔ حضرت علی نے کہا سرداران قبیلہ کو میں قتل نہیں کیا کرتا ان کی پشیمانی ان کے لئے کافی سزا ہے. کہتے ہیں اس جنگ میں نو سو آدمی حضرت علی کی طرف کے مارے گئے اور ستر ہزار عایشہ کی طرف کے قتل ہوئے۔

صدیقہ اور علی: فتح کے بعد حضرت علی بصرہ کی جامعہ مسجد میں آئے. خطبہ میں اللہ کی حمد اور رسول کی نعت کے بعد آپ نے بصرہ پر بڑی لعن طعن کی وجہ لعن طعن کی کسی شیعی مورخ نے نہیں لکھی۔ سب نے خاموشی سے سنا اور ہوں ہاں کچھ نہیں کی. آپ نے ان لوگوں کئے عیب بھی ان کے آگے بیان کئے اور جو کچھ نہ کہنا تھا سب کچھ کہا پھر نماز پڑھائی نماز کے بعد جائے قیام پر آ کے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ تم عایشہ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے یہ پیغام دو کہ تم مدینہ چلی جاؤ اور اپنے مکان میں اپنی عمر گزار دو. عبداللہ بن عباس صدیقہ کے پاس آئے اور علی کا پیغام دیا. صدیقہ نے پردہ ڈال کے عبداللہ سے باتیں کے. سب سے پہلے صدیقہ نے کہا کہ عبداللہ تو نے اپنے پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کی کہ بغیر میری اجازت کے تم میرے مکان میں کیوں چلے آئے. عبداللہ نے جواب دیا کہ علم سنت صرف ہماری وجہ سے تمھیں حاصل ہوا ہے اب تم ہمیں تعلیم دینے بیٹھی ہو. خود آپ نے سنت پر جو عمل کیا ہے وہ ظاہر ہے. اللہ کی قسم تمھارا گھر تو وہ ہے جہاں رسول اللہ نے تمھیں چھوڑ کے وفات پائی. تم نے اپنے نفس پر ظلم کیا کہ حجلہ عصمت سے باہر نکل آئیں اور رضائے الہی کے خلاف تم نے کام کیا ہاں میں کہتا ہوں کہ جب تم اپنے گھر میں چلی جاؤ گی تو میں یقیناً بغیر تمھارے حکم کے ہرگز وہاں قدم نہیں رکھنے گا. عایشہ نے کہا اللہ تعالی امیر المومنین علی پر رحمت کرے. ابن عباس نے کہا اللہ کی بے منت

مغفرت اور بے ضمانت فیض اس پر نازل ہو. وہ سعادتمند جس کے پاس سے میں بطور پیغامبر آیا ہوں امیر المومنین علی ہے کہ خویشی اور قرابت سے سب سے زیادہ رسول اللہ کے قریب ہے. اس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا شریعت کے رونق دینے میں اس کے آثار سب سے زیادہ ہیں. اس کے حقوق ابوبکر و عمر کے حقوق سے تیرے ذمہ بہت ہیں۔ اس کا جواب صدیقہ کی طرف سے یہ دیا گیا. اے ابن عباس کیا تم میرے پاس یہ کہانیاں کہنے کو آئے ہو پھر باہم خوب تو تو میں میں ہونے لگی یہاں تک کہ صدیقہ نے یہ کہا اے ابن عباس میں تجھ سے زیادہ اپنا دشمن اور کسی کو نہیں جانتی. اور اس بستی کو اپنا سب سے زیادہ دشمن سمجھتی ہوں. جہاں تیرا قیام ہو یہ سن کے عبداللہ بن عباس واپس حضرت علی کے پاس چلے آئے اور ساری کیفیت بیان کردی شاہ ولایت پناہ یعنی حضرت علی نے فرمایا کہ جب میں نے تمہیں عایشہ کے پاس بھیجا تھا میں سمجھ گیا تھا کہ وہ ضرور ایسی باتیں کریں گی. خیر کچھ مضایقہ نہیں۔ یہ کہ کے آپ نے مالک اشتر کو بلا کے کہا کہ تم عایشہ کے پاس جاؤ اور صدیقہ کو مدینہ جانے تریص و ترغیب دو مالک اشتر گیا مگر سوائے خشوت آمیز کلمات کے طرفین سے اور کچھ سرزد نہ ہوا اور نہ صدیقہ مدینہ جانے پر رضامند ہوئیں. بعض شیعی مورخوں نے لکھا ہے کہ جب مالک اشتر بھی ناکام ہو کے واپس چلے آئے تو شاہ ولایت پناہ خود قیام گاہ عایشہ پر تشریف لے گئے. اور جب قصر عبداللہ بن خلف الخزعی میں جہاں عایشہ مقیم تھیں داخل ہو تو سب پہلے صفیہ سے جو ام الطلحہ کہلاتی تھی آپ کا سامنا ہوا. وہ عبداللہ کے قتل ہونے پر رو رہی تھی. اس نے حضرت علی کی صورت دیکھتے ہی یہ کہا. یا قاتل الاحباء اللہ تعالیٰ تیرے بچوں کو بھی یتیم کردے کہ تو نے میرے بچے کو قتل کر کے اس معصوموں کو یتیم بنا دیا ہے. حضرت علی نے جواب دیا. کہ اگر تیرے کہنے کے مطابق میں دوستوں کا قاتل ہوں تو اس مکان میں جتنے آدمی پناہ گزیں ہیں ابھی سب کے قتل کا حکم دیتا ہوں کیونکہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ ایک پوری جماعت مجروح حالت میں یہاں پناہ گزیں ہے مگر ایسا نہیں کرنے کا کیونکہ میں دوستوں کو قتل نہیں کیا کرتا اس سوال وجواب کے بعد آپ عایشہ کے حجلہ میں تشریف لے گئے اور یہ فرمایا۔ یا حمیرا اگر تم اپنے کئے پر پشیمان ہو تو میری رائے میں تم مدینہ روانہ ہونے کا سامان کرو سوائے وہاں کے تم اور کہیں نہیں رہ سکتیں. چارو نا چار وہیں جانا پڑے گا. مجھ سے تو رسول اللہ کہ چکے تھے کہ میری بیویوں میں سے ایک بیوی تیرے

ساتھ قتال کرے گی اور جب تو اس پر فتح پالے تو اسے اس کے گھر پہنچا دینا اب تمہارا گھر سوائے مدینہ کے اور کہاں ہے لہذا تمھیں وہیں چلا جانا چاہئے. آخر طوعاً و کرہاً عایشہ مدینہ جانے پر راضی ہو گئیں. حضرت علی نے بصرہ کی چند عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کے آپ کی ہمراہی میں مدینہ جانے کا حکم دیا اور محمد بن ابی بکر کو بھی عائشہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا تا کہ وہ اپنی بہن کو بحفاظت وہاں پہنچا دے. حضرت علی خود بھی عایشہ کی سواری کے ساتھ تین میل تک برابر آئے اور حدود بصرہ سے باہر ہونے پر آپ عایشہ سے رخصت ہو کے واپس لشکر گاہ چلے آئے۔ راستہ میں عایشہ جب سپاہیوں کے اس دستہ کو دیکھتی تھیں تو حضرت علی کی طرف سے سخت دلتنگ ہوتی تھیں اور کہتی تھیں کہ علی نے تو ان نامحرموں کو ساتھ کر کے حُرمت رسول کا بھی مطلق خیال نہ کیا مگر جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور سپاہیوں کا یہ دستہ اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوا تو صدیقہ حضرت علی سے بہت خوش ہوئیں اور شادمرداں شیر یزداں کی بہت تعریف کی۔

علی سے صدیقہ کی مخالفت کی وجہ: ایک دن جب حضرت علی نماز جمعہ جامع مسجد بصرہ میں پڑھنے گئے اور خطبہ شروع کیا تو بعض لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ عایشہ تمھاری بہت شکایت کرتی تھیں کہ تم نے ان کے ساتھ ہمیشہ مخالفت کی اور ان کے خلاف رائے دیتے رہے اس کی اصلیت کیا ہے حضرت علی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ شکایتیں بے بنیاد تو نہیں ہیں چند امر ایسے واقع ہوئے ہیں کہ عایشہ کو وجہ شکایت پیدا ہو گئی۔ اول تو یہ واقعہ ہوا کہ آیہ حجاب کے نزول سے پہلے میں عایشہ کے حجرہ میں گیا تو رسول اللہ نے مجھے اپنے پہلو میں جگہ دی اور میرے زانو پر سر رکھ کے آپ لیٹ گئے. یہ دیکھ کے عایشہ سخت غصہ میں بھر گئیں. اور بڑی تیزی سے مجھے للکارا اور کہا اے ابو طالب کے بیٹے تو مجھ میں اور رسول اللہ میں زبردستی آ کے حائل ہو گیا رات دن تو لپٹا ہی رہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو دم بھر کی فرصت نہیں دیتا. تو کس طرح بھی رسول کریم کا پیچھا چھوڑے گا. اس پر میں تو کچھ نہ بولا رسول اللہ نے عایشہ کو یہ جواب دیا اے عایشہ علی کے ساتھ کوئی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ جو شخص مجھ پر پہلے ایمان لایا وہ علی ہے اور جو شخص سب سے پہلے حوض کوثر پر مجھ سے ملے گا وہ علی ہوگا اور جو شخص قیامت کے دن میرے ساتھ سب سے پہلے مصافحہ کرے گا علی ہوگا. دوم. جب رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو حج

کرنے. قرآن پڑھنے اور سورۂ برات کو تلقین کرنے کے لئے روانہ کیا تو ان کے پیچھے مجھے بھیج دیا تا کہ میں ان سے سورہ برات لیکے حجاج اور اہم مخلفہ کے آگے سنادوں۔ سوم. باوجود دیگر جلیل القدر صحابہ کے رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنا وصی قرار دیا. چہارم. روز افک میں میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ دنیا میں عورتیں بہت ہیں. اگر عایشہ کی طرف سے آپ کو کچھ وغدغہ ہو تو آپ اسے طلاق دیدیں اور دوسری عورت سے نکاح کرلیں. فقط بس ان چاروں وجوہات سے عایشہ میری دشمن ہوگئی اس کے سوائے اور کوئی وجہ دشمنی میں نہیں پاتا اس کے مقابلہ میں شیعی مورخوں نے صمیع بن عمرو کی ایک روایت نقل کی ہے. کہ اسی طرح عایشہ سے کسی نے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین علی کے حق میں آپ کیا کہتی ہیں.

عائشہ نے جواب دیا کہ ایسے شخص کی بابت تو مجھ سے کیا دریافت کرتا ہے کہ حالت نزع میں رسول اللہ کا آب دہن اس نے نیچے نہ گرنے دیا اور سب لیکے اپنے منہ پر مل لیا. اور جب آپ کی وفات ہوگئی تو اس امر میں صحابہ کا اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفنائیں. یہ حضرت علی ہی تھے جنہوں نے یہ رائے دی کہ جس مقام پر رسول اللہ نے وفات پائی ہے آپ کے دفن کے لئے اس سے بہتر مقام اور نہیں ہوسکتا. اس کے بعد عایشہ نے حضرت علی کی اور بھی بہت سی خوبیاں دوہرائیں. سائل نے دریافت کیا جب آپ حضرت علی کو ایسا شخص سمجھتی تھیں تو ان سے جدال وقتال کرنے کیوں چلی گئیں یہ سن کے عایشہ رونے لگیں اور کہا نبی آدم صواب وخطا کے مصدر بنائے گئے ہیں میں بھی انسان ہوں مجھ سے بیشک یہ خطا سرزد ہوگئی ہے میں توبہ کرچکی ہوں اور اپنے کئے پر بہت نادم ہوں ایک شیعہ مورخ لکھتا ہے کہ جب عایشہ بصرہ سے روانہ ہونے لگی تو اشراف بلدہ کی خواتین اور حضرت علی کی سب بال بچے تین منزل تک صدیقہ کو رخصت کرنے سواری کے ہمراہ آئے عایشہ نے انھیں رخصت کرتے وقت یہ کہا کہ علی میرا داماد ہے اور جو تعلق ساس کو داماد سے ہوتا ہے وہی تعلق میرا ان سے ہے علی میرے نزدیک سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ افضل ہے۔ پھر ایک شیعی مورخ لکھتا ہے کہ عین معرکہ کے دن جب کہ خونریزی خوب زوروں پر تھی خالد بن ابو اثمہ سے جو اپنی لاثانی فصاحت وبلاغت حسن عبارت لطف استعارت کمال عقل اور وفور فضل سے امقرب بنا ہوا تھا عایشہ نے دریافت کیا کہ میرے اصحاب کہاں ہیں. جواب دیا کہ طلحہ تو قتل کردیئے گئے اور زبیر دوپہر سے پہلے لشکرگاہ سے چلے گئے شام کو ان

کے قتل کی خبر بھی شایع ہوگئی .اور باقی اصحاب بھی اپنے دوستوں کی خونی قسمت کے حصہ دار بنے ۔ یہ سن کے عایشہ نے کہا اللہ تعالی ان پر رحمت کرے .پھر خالد بولا کہ علی کا ہواوارا اور دوست زید بن صوحان بھی مارا گیا .عایشہ نے کہا وہ بھی مرحومین کے زمرہ میں ہے خالد نے تعجب سے دریافت کیا کہ کیا اللہ تعالی ان دو جماعتوں کو جنھوں نے ایک دوسرے کا گلا کاٹا ہے ایک ہی جگہ جمع کرے گا عایشہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالٰی کی رحمت جس قدر بیان میں آتی ہے اس سے کہیں زیادہ ہے .اس کے کاموں میں کسی کو بھی چون وچرا کی مجال نہیں ہے یہ کلمات سن کے خالد بہت پشیمان ہوا کہ میں ناحق ایسے سوالات کیے .اور کچھ تامل کے بعد سیدھا حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوگیا .اور ساری کہانی بیان کردی .اور آخر تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا .ایک اور شیعہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ واقعہ جمل کے ایک عرصہ بعد ابو ذر غفاری ام المونین ام سلمہ کے پاس گئے .ام المومنین بہت مہربانی سے پیش آئیں اور فرمایا کہ ان دنوں جبکہ دل کے پرندے بدنوں کے آشیانوں سے پرواز کررہے تھے تم کہاں تھے .انھوں جواب دیا کہ میں امیر المومنین علی کے ہمرکاب ان کے مخالفوں سے جنگ کر رہا تھا .جب میں اس کام سے فارغ ہوگیا تو ام اومنین کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ام سلمہ ام المومنین نے فرمایا تم نے بہت اچھا کیا مجھے یاد ہے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ علی قرآن کے ساتھ اور قرآن علی کے ساتھ ہے .یہ دونوں ایک دوسرے سے متفرق نہیں ہونے کے جب تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے نہ مل لیں .ایک اور شیعی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ عین جدال وقتل کے وقت عایشہ کے لشکر کی کچھ آوازیں حضرت علی کے گوش حقیقت نیوش میں پہنچیں آپ نے استفسار فرمایا کہ یہ لوگ کیا کررہے ہیں جواب دیا گیا کہ عثمان کے قاتلوں پر لعنت بھیج رہے ہیں .حضرت نے فرمایا اللہ تبارک وتعالی ان کی دعائیں قبول کرے کہتے ہیں کہ آپ نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر مقرر کردیا اور ان کا نائب بن سعید کو بنادیا ابن عباس کو دربار حضرت علی سے خلیفہ زمان کا خطاب عطا ہوا .مالک اشتر جو حضرت علی کا دلدادہ بنا ہوا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے برا برمخالفون سے قتال کرتا رہا یہ جدید تقرر دیکھ کے سخت غضبناک ہوا اور کہنے لگا کہ عجب حالت ہے .تلوار تو ہم چلائیں اور عباس کے بچے حکومت کریں .اسی غصہ اور جوش کی حالت میں بغیر اذان اور رخصت سیدھا کوفہ چلا گیا .جب حضرت علی نے اس کی روانگی کوفہ کا حال سنا تو آپ کو سخت اندیشہ ہوا کہ کہیں

میرے خلاف کوفیوں کو برانگیختہ نہ کرے۔ اس اندیشہ سے آپ خوفزدہ ہو کے خود نفس نفیس اس کے پیچھے ہو لئے اور دو منزلہ کا ایک منزلہ کر کے اسے جالیا اور نہایت مہربانی سے ٹھیرایا اور کہا ہائیں یہ تم نے کیا کیا کہ بغیر مجھ سے ملے تم بصرہ سے چلے آئے مجھے تم سے کچھ دریغ نہیں ہے کسی صوبہ کی حکومت تمہارے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ تیری موجودگی میرے لئے بہت ہی گراں قیمت ہے اور مجھے تیری حضوری کی بہت ضرورت ہے۔ میں تجھے اپنے پاس سے علیحدہ کرنا نہیں چاہتا بالخصوص اس زمانہ میں جبکہ شام کی مہم درپیش ہے۔ میں تجھے اپنے لشکر کا سپاہ سالار کرتا ہوں۔ تو قطعی اس عہدہ جلیلہ سے مطمئن اور شاد ہو گیا ہو گا۔ اب تو دل سے میرے کاموں میں میری مدد دینا۔ فقط۔

صوبہ مصر کی خلش: حضرت علی خلیفہ تو بیشک بن گئے تھے مگر خلیفہ بننے سے دن کا آرام اور رات کی نیند بالکل اڑا دی تھی۔ آپ اسلام میں پہلے خلیفہ ہوئے ہیں جن کے عہدہ میں سب سے اوّل رسول کریم کے صحابہ میں تلوار چلی۔ آپ پریشانیوں کا دروازہ کھل گیا۔ اور تمام اسلامی صوبوں میں آپ کی مخالفت کی آگ بھڑک گئی۔ مدینہ جائے قیام رسول سب سے پہلے آپ کا مخالفت بن اور مخالفت کی حد یہاں تک ہوئی کہ آپ کو ایسی جلدی میں وہاں سے نکلنا پڑا کہ آپ اپنا سامان بھی ساتھ نہ لا سکے حضرت عمر یا حضرت عثمان کو آپ نے قتل کرایا یا نہیں یہ دوسرا سوال ہے مگر عام بیزاری جو مسلمانوں کو آپ سے تھی وہ صرف اس وجہ سے زیادہ تھی کہ عثمان کے قاتل آپ کے مصاحبین کے زمرہ میں تھے اور باوجود پے درپے شکایات کے بھی آپ نے اپنی مصاحبت سے انھیں خارج نہیں کیا تھا منجملہ بہت سے زرخیز صوبوں کے مصر کا صوبہ بھی ایسا تھا جس کا خیال حضرت علی کو ہو سکتا تھا ادھر امیر معاویہ بھی تاک میں لگے ہوئے تھے کہ سے پہلے ان صوبوں پر اگر ممکن ہو تو اپنا عملہ دخلہ کر لیں۔ حضرت علی کی خلافت سے پہلے یہاں کا گورنر محمد بن ابی حذیفہ تھا مگر حضرت علی نے خلافت پاتے ہی اس کی جگہ قیس بن سعد کو مصر کا گورنر بنا کے روانہ کر دیا تھا قیس کے پہنچنے سے پہلے امیر معاویہ نے عمرو بن العاص کو ایک شاندار جماعت کے ساتھ بطور وفد مصر روانہ کیا (بقول شیعی مورخیں) تاکہ ترکیب سے محمد بن ابی خدیفہ کو جل میں لا کے مصر کو حضرت علی سے منحرف بنا دے مصر کی کیفیت اس سے پہلے یہ تھی کہ آدھا مصر تو حضرت علی سے موافق بھی تھا اور خراج دینے پر بھی رضامند تھا۔ اور آدھا مصر آپ کا مخالف بھی تھا اور

CamScanner

خراج دینے سے بھی اس نے انکار کر دیا تھا مگر محمد بن ابی حذیفہ نے نہایت دانائی سے مخالفوں کو مطلق چھیڑا نہ تھا اور انہیں ان کے حال پر رہنے دیا تھا۔ اور یہ شخص طبعاً حضرت علی کے موافقوں میں سے نہایت جہاندیدہ بہت ہوشیار شخص تھا عمرو بن العاص جب حدود مصر میں پہنچے تو شہر کے باہر قیام کر کے محمد کے پاس قاصد بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ میں نے معاویہ سے بیعت توڑ ڈالی ہے ظاہر ہے کہ علی معاویہ سے بہر حال اچھے ہیں کیونکہ اعلاء اسلام اور کفار کے فنا کرنے میں تمام دنیا میں مشہور ہیں اس وقت میں معاویہ کی صحبت سے پشیمان ہو کے یہاں آیا ہوں تاکہ تم سے عہد و پیمان کر کے علی کی معاونت اور معاضدت میں حتی المقدور کوشش کروں. اور جب تک میری جان باقی ہے ادائے حقوق خلافت میں تمہارا سہیم و شریک رہوں. میرا منشاء یہ ہے کہ ایک علیحدہ مکان ملاقات کا قرار دیا جائے اور وہاں میں تم دونوں جمع ہوں اور پھر تمام امور پر اچھی طرح بات چیت ہو کے فیصلہ ہو جائے۔ محمد بن ابی حذیفہ پر عمرو بن العاص کا افسوں پورا چل گیا. وہ علیحدہ مکان میں ملنے پر راضی ہو گیا اس نے عمرو کو دعوت دی عمرو معہ اپنے ساتھیوں کے وہاں پہنچا باہم دوستانہ باتیں ہونے لگیں عمرو نے پہلے ہی سے اپنے آدمیوں کو سنکار رکھا تھا کہ اشارہ ہوتے ہی آ پڑنا اور ابن حذیفہ کو قید کر لینا. چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ خوب باتوں میں لگ گیا تو عمرو کے آدمی اس پر آ پڑے اور فوراً اس کی مشکیں کس لیں اور اسے لیکے چلتے بنے. ان کے پیچھے عمرو بھی ہو لیا اور اب یہ ابن حذیفہ کو لیکے دمشق معاویہ کے پس پہنچ گئے اور اُسے دربار معاویہ میں پیش کر دیا. معاویہ نے فوراً اسے جیل خانہ بھیج دیا محمد بن حذیفہ کی چچازاد بہن امیر معاویہ سے منسوب تھی. اسے اپنے بھائی کی قید کا سخت افسوس ہوا وہ برابر خیال میں لگی رہی کہ کیا تدبیر کروں کہ جس سے بھائی کو قید سے نجات مل جائے. چنانچہ اس نے ایک دن جب بھائی کو کھانا بھیجا تو اس میں سوہان چھپا کے رکھ دیا. ابن حذیفہ سوہان کو دیکھ کے بہت خوش ہوا اس نے اس سوہان سے اپنے بندھن کاٹ کے قید خانہ سے نجات حاصل کی اور شباشب وہاں سے بھاگ کے ایک بستی میں جا چھپا امیر معاویہ کو اس کے فرار کی اطلاع دی گئی اس نے عبداللہ بن عمرو خثعمی کو اس کے عقب یمن دوڑایا. اخیر عبداللہؓ نے اسے پا لیا اور پھر گرفتار کر لیا اور فوراً ہی اسے وہیں قتل کر ڈالا اس خیال سے کہ اگر امیر معاویہ کے سامنے لے گئے تو وہ قرابت قریبہ کی وجہ سے اسے قتل نہیں کرنے کا اور یہ پھر کبھی نہ کبھی قید خانہ سے نکل

بھاگے گا۔اب مصر کی کیفیت سنئے۔ابن حذیفہ کے گرفتار ہو جانے پر گورنری تو پہلے ہی سے خالی ہو گئی تھی کہ اسی ثناء میں قیس پہنچا اور یہاں کا گورنر بن گیا۔قیس کے گورنر ہونے سے معاویہ کو بہت تردد ہوا کیونکہ یہ شخص نہ صرف خود اچھا سپاہی تھا بلکہ سپاہ سالار بھی بہت اچھا تھا رسول کریم کے زمانہ میں انصار کا جھنڈا اسی کے ہاتھ میں رہتا تھا معاویہ جانتے تھے کہ اگر حضرت علی نے عراق عرب سے اور قیس نے مصر سے شام کا رخ کیا تو میں خطرہ میں پھنس جاؤں گا جس طرح ہو سکے قیس کو اپنے داؤں میں لینا چاہئے۔یہ سوچ کے امیر شام نے قیس کو خط لکھا۔جس کا مضمون یہ تھا تمام دنیا جانتی ہے کہ عثمان کے مناقب اور مفاخر کی تعداد بے حد و پایاں ہے۔ایسا شخص ظلم کی تلوار سے قتل کیا گیا۔اس معاملہ میں علی کو پورا پورا دخل تھا اور کچھ نہ کچھ تمھاری بھی شرکت ضرور تھی۔اگر تم توبہ کرو اور میری مدد پر کمر بستہ ہو جاؤ تو کامیابی کے بعد عراق عرب و عجم کی حکومت میں تمھیں دیدوں گا اس کے علاوہ اس وقت بھی جو کچھ تم طلب کرو مجھے دینے میں عذر نہیں ہونے کا۔فقط۔قیس نے اس خط کا یہ جواب دیا۔عالم الغیب والشہادۃ اسے بہتر جانتا ہے کہ میں نے ہرگز عثمان کے مخالفوں کے ساتھ شرکت نہیں کی نہ ان کا قتل میری رضامندی سے ہوا نہ مجھے یہ علم ہے کہ امیر المومنین علی نے ان کے قتل پر تحریص کی۔اب رہی تمھاری متابعت اور مبایعت اس میں مجھے تامل ہے۔ہاں یہ میں تمھیں اطمینان دیتا ہوں کہ میری طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہو گی جو تمھاری طبیعت کو مکروہ معلوم ہو فقط۔امیر معاویہ نے اس خط کا یہ جواب دیا قیس مجھے تیرے گومگو کے کیریکٹر میں شبہ پڑ گیا تو صاف الفاظ میں لکھ کہ آیا تو میرا دشمن ہے یا دوست۔پس میں ایسا دوٹوک جواب چاہتا ہوں اور بس قیس نے جواب الجواب یہ دیا۔واہ کیا خوب تم مجھے ایسے شخص سے منحرف کرنا چاہتے ہو کہ جو بہ نسبت اوروں کے خلافت و ریاست کے لئے اولیٰ اور سیرت و قرابت کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ سے اقرب ہے کیا مجھے یہ مناسب ہے کہ میں اُسے چھوڑ کے ایسے شخص کی طاعت کرلوں جو بالکل اسکی ضد ہے۔فقط امیر معاویہ کا جب یہ داؤ خالی گیا اور وہ اپنی چال میں قیس کو نہ لا سکے۔تو اب انھوں نے یہ تدبیر کی کہ خود امیر المومنین علی قیس کو مصر کی گورنری سے ہٹا دیں۔چنانچہ یہ عمل شروع کیا کہ اپنے دربار میں ہر محل پر جمعہ کے خطبہ میں معمولی گفتگو میں غرض ہر جگہ معاویہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ قیس مجھ سے ملا ہوا ہے اس کے خط میرے پاس موجود ہیں وہ وقت کا منتظر ہے میرا اشارہ ہوتے ہی میری مدد پر اٹھ

کھڑا ہو گا۔ دمشق میں حضرت علی کے مخبر بھی لگے ہوئے تھے انھوں نے یہ ساری کیفیت حضرت علی کے کان تک پہنچائی یہ باتیں سن کے آپ کا اعتماد قیس پر سے اٹھ گیا۔ آپ نے پریشان ہو کے محمد بن ابی بکر اور عبداللہ بن جعفر طیارہ سے مشورہ لیا کہ قیس کے متعلق کیا فیصلہ کروں یہ یہ سننے میں آ رہا ہے کہ وہ اندر پردہ معاویہ سے ملا ہوا ہے۔ دونوں نے یہ رائے دی کہ اگر فی الحقیقت آپ کا اعتماد اس پر سے اٹھ گیا ہے تو آپ اسے گورنری سے علیحدہ کر دیجئے مگر پہلے اسے آزما لیجے اور حکم دیجئے کہ جن لوگوں کے دلوں پر عثمان کی محبت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے اور ابھی تک انھوں نے آپ سے بیعت بھی نہیں کی ہے وہ انھیں بزور شمشیر آپ کی بیعت پر راضی کرے۔ اگر اس حکم کی تعمیل اس نے مستعدی سے کی تو فبہا ورنہ اسے موقوف کر کے کسی دوسرے معتبر شخص کو اس کی جگہ بھیج دیجئے گا۔ یہ رائے حضرت علی کو بہت پسند آئی۔ آپ نے اپنے خیال میں قیس کا امتحان لینے کے لئے اُسے یہ فرمان بھیجا کہ مصر کے فلاں موضع کے لوگوں نے جو ہم سے ابھی تک بیعت نہیں کی ہے تو انھیں ہماری بیعت کی دعوت دے اگر وہ راضی ہو جائیں تو فبہا ورنہ ان سے قتال کر۔ قیس نے حضرت علی کے فرمان کا یہ جواب دیا کہ یہ لوگ اشراف قوم اور بہت دولتمند ہیں اور ان کے ہوا خواہ مصر میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں اگر میں نے انھیں چھیڑا تو میں ان ہی کا ہو کے رہ جاؤں گا اور پھر دوسرا کوئی بڑا کام مجھ سے نہ ہو سکے گا سوتے فتنہ کو جگانے کا یہ وقت نہیں ہے۔ میری رائے ہے کہ انھیں ان کی حالت پر فی الحال چھوڑ دینا چاہیئے ہمارے لئے یہی بہتر ہے۔ قیس کا یہ خط جوں ہی حضرت علی کے ملاحظہ سے گزرا آپ معا سمجھ گئے کہ یہ شخص دشمن سے ملا ہوا ہے۔ آپ نے فوراً محمد بن ابی بکر کو گورنر مصر بنا کے روانہ کر دیا اور قیس کو معزول کر کے مصر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ قیس کے پاس جب معزولی کا فرمان پہنچا تو اسے سخت رنج ہوا ناچار محمد بن ابی بکر کو گورنری کا چارج دے کے آپ مدینہ واپس چلا آیا۔ جب یہاں حسان بن ثابت سے ملا تو اس نے کہا واہ واہ خوب ہوا علی کے اشارہ سے تو تم نے قتل عثمان میں شرکت کی اور اب علی ہی نے تمھیں گورنری سے معزول کر دیا تمھارا یہی علاج تھا یہ سن کے قیس مارے غصہ کے کانپ گیا اور حسان سے کہا تو ابھی میرے مکان سے باہر چلا جا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے اور تیرے قبیلہ میں سخت خونریزی ہو جائے گی تو میں ابھی تیری گردن اتار لیتا۔ اس کے بعد مروان سے بھی یہی تیز م تیزا ہوئی اور باجودان

سب باتوں کے قیس مدینہ چھوڑ کے حضرت علی کے پاس مقام صفین میں چلا گیا. جب امیر معاویہ کو اس کے جانے کی اطلاع ہوئی تو اس نے مروان کو لکھا کہ اگر ایک لاکھ نیزہ بردار سوار فوج سے نکل کے علی سے مل جاتے تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا ایک قیس کا علی کے پاس چلے جانے سے ہوا ہے. اب مصر کی کیفیت سنئے کہ محمد بن ابی بکر نے گورنری کا چارج لیتے ہی سرکش موضع میں وہاں کے سرغنہ کو یہ پیغام بھیجا کہ کیا تو تم علی کی بیعت پر راضی ہو جاؤ ورنہ حدود مصر سے نکل جاؤ. انھوں نے اس کا جواب دیا گیا کہ ہمیں اس کے متعلق سوچنے اور باہم مشورہ کرنے کی مہلت دینی چاہیے جواب دیا گیا کہ مہلت نہیں ملنے کی انھوں نے کہلا کے بھیجا کہ نہ ہم علی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور نہ مصر کی حدود سے باہر جائیں گے یہ سنتے ہی محمد بن ابی بکر نے ایک افسری کی سرکردگی میں ان سے جنگ کرنے کے لئے فوج روانہ کی سخت خونریزی کے بعد شاہی فوج کو شکست ملی پھر محمد بن ابی بکر خود بہت سی فوج لیکے اس موضع پر حملہ آور ہوئے جنگ کے بعد انھیں بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔

اخیر محمد نے حضرت علی کو لکھ کے بھیجا کہ یہاں کی یہ کیفیت ہے ہماری فوج دو بار شکست کھا چکی ہے وہ لوگ بہت قوی ہیں. میں انھیں مغلوب کرنے کی طاقت نہیں رکھتا. اب جو حکم ہو وہ کیا جائے حضرت علی کو اس تحریر کے دیکھنے سے سخت تاسف ہوا اور آپ نے اپنی غلطی معلوم کر کے سخت پشیمانی اٹھائی اور کچھ عرصہ کے بعد امیر معاویہ کی چال بھی آپ پر کھل گئی اس سے ایک یہ بات ضرور ہوئی کہ قیس کی عزت آپ کی نظروں بہت بڑھ گئی.

شام میں حضرت علی کے خلاف جوش امیر معایہ اور حضرت علی: اس سے انکار کرنے نفس حقیقت سے چشم پوشی کرنا ہے کہ عثمان کے قتل میں علی کی سازش قریب قریب سارے مدینہ میں مسلم ہو چکی تھی جیسا کہ آپ گزشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں اب وہ جماعت جسے عثمان سے قرابت قریبہ تھی اور جس کا یہ گمان تھا کہ باغی اُسے ستائیں گے وہ جماعت مدینہ سے نکل بھاگی تھی اور جس نے دمشق میں جا کے پناہ لی تھی. یہ جماعت معاویہ کو اُبھار رہی تھی کہ قاتلان عثمان سے قصاص لینے کے لئے کمربستہ ہوا اور دمشق میں حضرت علی کے خلاف جوش پھیلا رہی تھی لوگوں کے عقاید حضرت علی سے بگڑ رہے تھے اس مخالفت میں بی بی نائلہ کی بریدہ انگلیوں نے اور بھی آگ میں تیل کا کام دیا. یہاں

تک کہ ایک دن جامع مسجد میں عثمان کا خون آلود پیراہن اور نائلہ کا نصف ہاتھ کٹا ہوا عام مسلمانوں کو دیکھایا گیا اور بیان کیا گیا کہ یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب علی کے کرتوت ہیں محض ان کی وجہ سے مظلوم خلیفہ مارا گیا یہ دیکھ کے اور سن کے مسلمان مارے غصہ کے کانپ گئے اور ایک مجمع کثیر نے قسم کھا کے کہا کہ جب تک ہم قاتلان عثمان سے انتقام نہ لے لیں گے نہ ٹھنڈا پانی پییں گے اور نہ نرم بستر پر سوئیں گے. یہ معاملہ ہر جمعہ جامع مسجد میں ہونے لگا. اسی اثنا میں عمرو بن العاص فلسطین سے واپس دمشق پہنچے اور یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے معاویہ سے کہا. ہر جمعہ ایسا مت کیا کرو. ورنہ ان چیزوں کا اثر جاتا رہے گا اور لوگوں کی نظروں میں یہ چیزیں اور باتیں معمولی ہو جائیں گی. انھیں کسی خاص موقع کے لئے رہنے دو اس وقت تمھیں اس سے معقول مدد ملے گی معاویہ یہ سن کے خوش ہوئے اور کہا بیشک یہ صائب رائے ہے. فوراً ان چیزوں کو ایک خاص جگہ مقفل کرا دیا اور حکم دیدیا کہ عمرو بن العاص کے اختیار میں ہے جب وہ چاہیں گے انھیں نکالیں گے کوئی دوسرا شخص ان چیزوں کو نہیں چھیڑ سکتا۔

ایک نجومی کی کہانی: شیعی مورخوں نے کسی ایک نجومی کی کہانی لکھی ہے کیوں کہ ان فرضی واقعات کو صحت کا جامہ پہنانے کے لئے بغیر نجومیوں کی مدد اور کراماتیا معجزات کے لیے ایجاد کے اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی لکھا ہے کہ جب باغیوں نے مدینہ میں بیعت خلیفہ کا محاصرہ کر لیا تو عمرو بن العاص اپنے بال بچوں کو لیکے فلسطین چلے گئے تھے. یہاں اس زمانہ میں ایک بہت ہی مشہور و معروف نجومی تھا جو بندہ کا حال سن وعن بتا دیا کرتا تھا اور وہ صحیح نکلتا تھا. جب عمرو نے نجومی کا نام سنا تو اس کے پاس جا کے پوچھا کہو عثمان کی مہم کا انجام تمھیں کیا دکھائی دیتا ہے. نجومی نے اپنی جوتش کے زور سے آسمانی اور سیاری گردشوں کو ملا کے یہ نتیجہ نکالا کہ عثمان قتل کر دیے جائیں گے پھر عمرو نے استفسار کیا. اچھا یہ بتاؤ کہ ان کے قتل ہونے پر خلیفہ کون شخص بنے گا. نجومی نے پھر کچھ نقشے وغیرہ بنا کے بتایا کہ ایسا شخص خلیفہ بنے گا جو فضیلت میں لاثانی ہوگا اور جس سے بہتر چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا مگر بیشتر اس کے کہ جمیع مسلمین اس کے ہاتھ پر بیعت کریں ایک شخص کی ظلم کی تلوار سے قتل کر دیا جائے گا۔ اس پر پھر دریافت کیا گیا اس کے بعد کون خلیفہ بنے گے نجومی بولا وہ شخص خلیفہ ہوگا جو اس وقت شام کا گورنر جنرل ہے اور جس کا نام معاویہ ہے. سب یہ سن کے عمرو بن العاص کے دل میں یہ بات جم

گئی کہ علی کو چھوڑ کے معاویہ سے مصافحہ کروتا کہ کار برآوری ہو۔ اسی خیال سے عمرو معاویہ کے پاس دمشق چلے آئے تھے۔ فقط۔ شیعہ مورخ یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ جب عثمان قتل ہو چکے تو عمرو نے اپنے دو بیٹوں عبداللہ اور محمد سے مشورہ لیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے آیا ہم علی کے پاس چلے جائیں یا معاویہ سے جا کے مل جائیں لڑکوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین علی کا شرف فضل اور حسب ونسب اس پر اور جمیع ملل پر روشن ہے۔ ہماری یہی رائے ہے کہ علی ہی کے پاس چلنا چاہئے۔ عمرو نے یہ سن کے تامل کیا اور قدرے سوچنے کے بعد اپنے بیٹوں سے یہ کہنے لگا دیکھو علی ہم جیسے آدمیوں سے مستغنی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی حسن تدبیر اصابت رائے۔ حلیۂ شجاعت اور زیور شہامت سے اپنے ابنائے روزگار سے امتیاز رکھتے ہیں مجھے اچھی طرح یقین ہے کہ خواہ میں کتنی ہی جاں نثاری کیوں نہ کروں گا اور ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں کیسی ہی جان کیوں نہ لڑا دوں گا میری مطلب بارآوری ہرگز نہیں ہونے کی۔ یہ سن کے عبداللہ نے کہا بابا جان جب علی کی اطاعت اور جنت لازم وملزوم ہے تو پھر آپ کیا کریں گے ۔آیا معاویہ کی متابعت میں دوزخ قبول ہے یا کیا؟ عمرو نے اپنے بڑے بیٹے کی اس نصیحت کو مطلق نہ سنا اور سیدھا معاویہ کے پاس دمشق چلا گیا۔ راستہ میں جب اس مقام پر پہنچا جہاں عراق وشام کی سرحد ملتی ہے تو اس نے اپنے غلام سے دریافت کیا کہ یہ دو راستے کدھر کدھر جاتے ہیں۔ پہلے عراق کے راستہ کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا تو غلام نے جواب دیا کہ یہ راستہ سیدھا جنت کی طرف جاتا ہے پھر شام کے راستہ کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا تو غلام نے کہا کہ اس طرف کا جانے والا سیدھا جہنم میں داخل ہوجاتا ہے عمرو نے اپنے غلام کی بہت تعریف کی اور کہا تو سچ کہتا ہے۔ پھر اس نے حضرت علی کی تعریف میں چند اشعار بھی موزوں کئے اور انھیں لہک لہک کے پڑھنے لگا اس پر ان کے بیٹے عبداللہ نے کہا بابا جان یہ تو آپ سب کچھ کر رہے ہیں مگر رخ آپ کا شام ہی کی طرف ہے۔ عمرو نے جواب دیا بات اصل یہ ہے کہ علی کی متابعت بیشک جنت میں لیجائے گی مگر میں کیا کروں دنیا کی دولت اور جاہت مجھے علی کا ساتھ چھوڑنے پر برانگیختہ کر رہی ہے میں معاویہ ہی کے ساتھ ہوں گا بلا سے کچھ ہوا کرے۔

"زاں نمی ترسم کہ گردد قعر دوزخ جائے من　　　وائے گر باشد امروز من فردائے من"

عبداللہ نے کہا ابا جان آپ کیا فرمارہے ہیں. اللہ تعالیٰ کے سخت عیظ وغضب سے ڈریئے. خواہ مخواہ بیٹھے بیٹھے کیوں جہنم کے سچے وارث بنتے ہو. خیر اس پر بھی آپ نہیں مانیں گے تو میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا. عمرو بیٹا یہ کیا کہا والدین کی اطاعت سب امور سے زیادہ فرض ہے عبداللہ واہ ایسے وقت میں کہ جب ماں باپ اللہ کی بغاوت کر رہے ہوں تو اولاد کو بھی ان کی اطاعت لازم نہیں ہے. علی کے ساتھ محاربہ اور مقاتلہ کرنا ایک ایسی معصیت ہے جس سے زیادہ اور کوئی معصیت نہیں ہونے کی عمرو. اچھا بیٹا کچھ مضایقہ نہیں تو میرے ساتھ شام چلا چل علی سے جب قتال کا موقع آئے گا تو قتال نہ کرنا چلو چھٹی ہوئی یہ سن کے عبداللہ باپ کے ساتھ چلا آیا. جب تینوں باپ بیٹے دمشق پہنچے تو معاویہ بہت خوش ہوا اور ان کی بہت آؤ بھگت کی. پچاس ہزار سرخ اور قیمتی گھوڑے بطور ہدیہ کے عمرو بن العاص کو بھیجے. اسی طرح اس کے بیٹوں کو بھی ہدے دیئے مگر عبداللہ نے یہ کہ کے ہدیہ واپس کر دیا کہ تو اس مال کا جو کافہ مسلمین کا ہے کس طرح مالک بن گیا لہذا میں یہ غصب کیا ہوا مال نہیں لیتا. ان کہانیوں سے بعض شیعی مورخ انکار کرتے ہیں اور بعض اقرار مگر یہ کہانیاں مثل ان کہانیوں کے ہیں جو گزشتہ صفحات میں آپ دیکھ چکے ہیں وہ معجزات کے رنگ میں تھیں اور یہ تواریخی پیرایہ میں بیان ہوئی ہیں. فطرت دونوں کی ایک ہی ہے۔

مالک اشتر کے حملہ کی کہانی: جزیرہ عرب کے بعض شہروں میں (حضرت) عثمان کے قتل کے بعد حضرت علی سے سخت مخالفت کی جانے لگی تھی اور اسی وجہ سے وہاں کے آدمیوں نے امیر معاویہ سے بیعت کر لی تھی. اور ان ہی کو خراج بھی دیتے تھے. جب حضرت علی کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے مالک اشتر کو وہاں کا گورنر بنا کے بھیج دیا. اس وقت یہاں کا حاکم ضحاک بن قیس مروی تھا. وہ یہ سنتے ہی کہ مالک اشتر آرہا ہے چوکنا ہو گیا اور رقہ کے لوگوں سے مدد طلب کی تا کہ اسے ناکام واپس کر دے مالک اشتر معقول تعداد سپاہ کی اپنے ساتھ لے گیا تھا. جب مقام مجران میں پہنچا تو ضحاک لڑنے والوں کی ایک جماعت لیئے اس کا سد راہ ہوا. باہم تلوار چلنے لگی صبح سے شام تک خوب خونریزی ہوئی. اخیر ضحاک کو شکست ملی اور وہ بھاگ کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا مالک اشتر نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا. ادھر امیر معاویہ کو جوں ہی خبر ہوئی انھوں نے عبدالرحمٰن خالد بن ولید کو فوج کے ساتھ ضحاک کی مدد کے

لئے روانہ کیا. مالک اشتر کو جب مخبروں نے یہ خبر دی تو اس نے قلعہ کا محاصرہ چھوڑ کے شامی فوج کو راستہ میں روکنے کے لئے کوچ کر دیا. اخیر عبدالرحمٰن اور مالک میں سخت جنگ ہوئی مگر یہاں بھی مالک ہی فتح نصیب رہا. عبدالرحمٰن شکست کھا کے بھاگ گیا۔ مالک اشتر اس سے فارغ ہو کے موضع رقہ کی طرف متوجہ ہوا اور پھر یہاں کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا. ضحاک اسی طرح سے محصور ہو گیا. مگر اب کے اس نے استحکام زیادہ کر لیا تھا. امیر معاویہ نے جب اپنے لشکر کے انہزام کی خبر سنی تو اس نے فوراً ایمن بن حریم الاسدی کو ضحاک کی مدد پر روانہ کیا. مگر مالک اشتر نے اسے بھی شکست دے کے بھگا دیا. اب چونکہ ضحاک بے پناہ رہ گیا اس لئے چند روز کے بعد اسے بھی ہتھیار ڈال دینے پڑے. شیعی مورخ لکھتے ہیں کہ مالک اشتر نے یہاں لوگوں کا خون بھی بہایا اور ان کا گھر بار بھی لوٹ لیا. اور تلوار کے زور سے اخیر رقہ پر اس سرے سے اس سرے تک قبضہ کر لیا. اور اپنی ان شاندار فتوحات کی پوری خبر حضرت علی کو کوفہ لکھ کے بھیج دی. حضرت علی نے جب امیر معاویہ کی کھلم کھلا مخالفت کی یہ خبر سنی تو آپ بہت برہم ہوئے اور آپ نے کوفہ کے اعیان واشراف کو جمع کر کے ان کے آگے یہ بیان کیا. باری سبحانہ تعالیٰ جو جمیع مخلوق کا خالق ہے اپنے بندوں سے سوائے سلوک جادۂ مستقیم کے اور کسی بات سے راضی نہیں ہوتا لہٰذا جب تک عباد میں محبت اور دوستی رہے انھیں لازم نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے پر سب وشتم کریں اس سے یہ بات ہوگی کہ ہر قسم کا انتظام قایم رہے گا اور تمام برکتیں لوگوں پر نازل ہوں گی اور اگر ان میں عملاً اور قولاً مخالفت ہوگی تو کثرت سے خرابیاں بھی پیدا ہو جائیں گی اور انتظام بھی درہم برہم ہو جائے گا. جس کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں ہونے کا۔ آپ کو معلوم ہے کہ معاویہ میری طرف سے اہل شام کو بدظن کر رہے ہیں اور میری متابعت سے انھیں منحرف کر دیا ہے اور سارے میں یہ شہرت دیدی ہے کہ عثمان بن عفان کو علی بن ابی طالب نے قتل کرایا ہے. اسی اہتمام پر قناعت نہیں کی بلکہ میرے گورنر مالک اشتر کے خلاف جبکہ وہ ایک باغی صوبہ کی سرکوبی کر رہا تھا دو بار سپاہ بھیجی. پھر اس سے بھی آگے قدم رکھا ہے یعنی میرے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور مجھ سے مقاتلہ کرنا چاہتے ہیں. میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے انھیں ایک خط لکھ کے بھیجوں اور ساری باتیں انھیں سمجھا دوں شاید وہ اپنی ان حرکات سے باز آ جائیں اور فساد وخونریزی کی یہ گھٹیا اوپر کی اوپر ٹل جائے اب بتاؤ کہ تمھاری اس میں

کیا رائے ہے فقط. امیر المومنین علی کے منہ سے اتنا نکلنے پایا تھا کہ چاروں طرف سے احسان کے آوازے بلند ہونے لگے اور سب نے یک زبان ہو کے کہا کہ رائے تو جناب امیر کی رائے ہے. ہم تو آپ کے اسی طرح مطیع ہیں جیسے رسول کریم کے تھے. اخیر صلاح مشورہ کے بعد ایک خط امیر معاویہ کو لکھا گیا جسے شیعہ ورئیس حضرت علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتاتے ہیں.

حضرت علی اور امیر معاویہ کی خط کتابت:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من عبداللہ امیر المومنین علی الی معویۃ بن ابی سفیان امابعد تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مدینہ میں جبکہ انصار و مہاجرین طبقات نے میرے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو تم گو اس وقت وہاں نہیں تھے مگر تم پر میری اطاعت لازم آ گئی. کیونکہ جن لوگوں نے ابوبکر عمر عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہی لوگ میری خلافت پر راضی اور میری امامت پر ہمداستان ہو گئے اور رغبت اور خلوص سے انھوں نے میری متابعت اپنے اوپر لازم کر لی. اس روز مہاجر و انصار دونوں موجود تھے نہ کسی کو مجال اعتراض ہوئی اور نہ تو قف و تخلف کا کسی کو یارا ہوا جو لوگ حاضر نہ تھے انھیں بھی اعتراض نہ کرنا چاہئے. ہاں عثمان کے قتل کا معاملہ بیشک ایک مشکل کام ہے. لیکن جس نے اس قتل کی کیفیت سے تمھیں اطلاع دی ہے. وہ آنکھوں کا اندھا ہو گا بات کچھ بھی نہ تھی ایک جماعت اس پر عیب لگاتی تھی اخیر اس نے غلبہ پا کے اسے قتل کر ڈالا. مگر اس کے دوستوں نے جو اسے اچھا سمجھتے تھے اسے مدد دی بہر حال عام و خاص نے میری ہاتھ پر بیعت کر لی ہے اور اکثر والیوں نے میرے آگے گردن جھکا دی ہے. میری بیعت سے جو شخص مخالفت کرے گا یقیناً اس نے حق کی مخالفت کی عافیت میری موافقت اور اطاعت میں ہے. میرے ساتھ سر کشی کرنے سے تمھیں احتراز کرنا چاہئے. والسلام. حضرت علی نے یہ خط حجاج بن خزیمہ انصاری کے ہاتھ معاویہ کو روانہ کیا حجاج منازل طے کرتا ہوا دمشق پہنچا اور دربار معاویہ میں حاضر ہو کے معاویہ کے ہاتھ میں امیر المومنین کا خط دیدیا. خط پڑھنے سے پہلے معاویہ اور حجاج میں زبانی گفتگو ہونے لگی اثناء گفتگو میں حجاج نے کہا اب تو عثمان کی موافقت کا دم بھر رہا ہے. اور جب عثمان مصیبت میں پھنس گیا تھا اور اس نے تجھ سے مدد طلب کی تھی تو تو خبر بھی نہ ہوا تھا وہ بیچارہ تیری مدد کے آنے کے انتظار میں قتل کر دیا گیا. یہ سن کے معاویہ کو سخت غصہ آیا. اس نے حجاج سے کہا بس تو یہیں سے چلا جا تیرے ہاتھ میں

اس نامہ کا جواب نہیں بھیجنے کا اپنے خاص قاصد کے ہاتھ روانہ کردوں گا میں تجھے دمشق میں نہیں دیکھنا چاہتا حجاج یہ سن کے واپس کوفہ چلا آیا اور ساری کیفیت حضرت علی سے بیان کر دی۔ معاویہ نے چند سادے کاغذ ایک لفافہ میں بھر کے اس لفافہ پر مہر لگا دی اور اس پر یہ لکھدیا۔ من معاویہ الی علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ پھر وہی سادے کاغذ بند لفافے میں بنی عبس کے ایک شخص کو جو بہت فصیح و بلیغ اور طلاقت لسانی میں مشہور تھا حوالہ کیئے اور اسے سب اُتار چڑھاؤ سمجھا دیے اور کہدیا کہ تو زبانی طور پر لوگوں کو ساری باتیں سمجھا دینا۔ قاصد فرضی نامہ لیکے کوفہ پہنچا۔ یہاں غل مچ گیا کہ امیر معاویہ کا نامہ بر آیا ہے۔ شاید گفتگوئے صلح کا منشاء ہوگا۔ کیونکہ لفافہ کی مُٹائی سے ہر شخص یہ سمجھا کہ دمشق کے اعیان واشراف کی طرف سے محضر نامہ اور وہ حضرت علی کی متابعت چاہتے ہیں غرض خوب خوب قیل و قال ہوئی آخر لوگوں نے حضرت علی کے دربار میں قاصد کو پیش کر دیا۔ دریافت کیا گیا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں معاویہ کا رسول ہوں اس نے یہ سربہ مہر لفافہ آپ کو بھیجا ہے اور میں بنی عبس کے قبیلہ کا ایک شخص ہوں۔ لفافہ اس کے ہاتھ سے لیا گیا اور جب حضرت علی نے کھول کے دیکھا تو سادے کاغذ پائے آپ نے ہوں ہاں کچھ نہ کی اور خاموش ہو رہے ہیں۔ صرف اس فرضی قاصد سے اتنا دریافت فرمایا آیا تو بتا سکتا ہے کہ شامیوں کا خیال ہماری طرف کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ پچاس ہزار عثمان کے قبیلہ کے صالح اور متقی مرد اس کا خونی پیرہن اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ اور سب جمع ہو کے اس خون آلود کپڑے کو جب کھولتے ہیں تو ان کی ڈاڑھیاں اور رخسارے آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتی ہیں بلکہ ویسے بھی وہ شب و روز روتے رہتے ہیں۔ انھوں نے تلواریں سوت لی ہیں اور عہد کر لیا ہے۔ کہ جب تک عثمان کے قاتلوں کو ان کے کیفر کردار تک نہ پہنچالیں گے تلواریں میان میں نہیں کرنے کے جوش بہت بڑھ گیا ہے یہاں تک کہ مرنے والے اپنے بچوں کو وصیت کر جاتے ہیں کہ خون عثمان قطعی لینا۔ یہاں تک کہ عورتیں اپنے بچوں کو خون عثمان کے طلب کرنے کی وصیت کی تحریص و ترغیب دیتی ہیں عام طور پر لوگ پہلے شیطان پر لعنت بھیجا کرتے تھے مگر اب قاتلان عثمان پر لعنت بھیجا کرتے ہیں یہ سن کے حضرت امیر المومنین علی نے دریافت کیا اچھا یہ تو بتا کہ ان کی اور تیری رائے میں قاتلان عثمان کون لوگ ہیں اس نے فوراً ہی جواب دیا ان میں سے ایک تو حضور ہی تشریف رکھتے

ہیں حضرت علی نے فرمایا تیرا منہ خاک سے بھر جائے بھلا قتل عثمان کا جرم تو مجھ پر عائد کرتا ہے۔ اس مجمع میں بنی عبس ہی کے قبیلہ کا ایک شخص حضرت علی کے مریدوں میں موجود تھا اس نے بڑے زور سے اس فرضی قاصد کو للکارا اور کہا کہ تو ایک ایسا فرضی قاصد ہے جس کے ہاتھ معاویہ نے سادے کاغذوں کا لفافہ بھیجا ہے۔ اسی طرح تو بدزبان بھی ہے کہ ایسے سبک الفاظ تو امیر المومنین کی شان میں کہتا ہے اور بے غیرت بھی ہے کہ حضرت امیر المومنین اور آپ کے انصار کو شامیوں کے رونے سے ڈراتا ہے۔ سن پیراہن عثمان نہ تو پیراہن یوسف ہے اور نہ شامیوں کا گریہ گریہ یعقوب ہے ان کا رونا اس وقت فضول ہے۔ جب ان لوگوں کو عثمان کی اتنی محبت ہے تو یہ اس کے محصور ہونے کے وقت کیوں نہیں اس کی مدد کو آئے اب اس وقت جو وہ امیر المومنین سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا ہمیں کچھ خوف نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے۔ باہم جب قیل و قال زیادہ بڑھ گئی تو حضرت علی کے خاص ملازمین اس فرضی قاصد کی گردن اُڑانے کے لئے لپکے مگر حضرت علی نے انھیں روک دیا اور فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں کو قاصد قید اور قتل سے آزاد ہوتا ہے یہ سن کے لوگ رک گئے اور قاصد کی گردن بچ گئی۔ قاصد اُٹھا اور حضرت علی کے پیروں پر گر پڑا اور کہا کہ شامیوں کے متوحش کلمات سے میں جناب کا دشمن ہو گیا تھا مگر اب آپ کے اس حلم اور ملاطفت نے مجھے آپ کا بے داموں کا غلام بنا دیا۔ آپ کی دل آویز باتیں میرے دل پر جم گئیں میرے نزدیک آپ سے زیادہ میرا کوئی دوست نہیں ہے مجھے یقین ہو گیا کہ شامی بوحر ضلالت میں غرق ہیں طریق صواب اور راہ راست کا مسلک علی اور ان کے متبعین کا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نہ آپ سے مفارقت کروں گا اور نہ آپ کے مقابلہ میں دوسرے کو پسند کروں گا یہ کہ کے اُسی وقت اُس شخص نے حضرت علی کی تعریف اور معاویہ کی بُرائی میں چند شعر موزوں کئے اور وہ اشعار بعد ازاں لکھ کے معاویہ کے پاس بھیج دیئے۔ معاویہ نے وہ اشعار پڑھے اسے سخت صدمہ ہوا بیساختہ اس کی زبان سے نکل گیا کاش اگر میں جانتا کہ ایسا ہوگا تو اس مرد فصیح کو کبھی قاصد بنا کے نہ بھیجتا۔ اب دیکھئے ہمارے خلاف کیا آگ لگاتا ہے اور یہاں کے حالات کیا کیا بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد معاویہ نے ایک یمنی کے ہاتھ مفصلہ ذیل خط علی کو بھیجا جس کا یہ ترجمہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم: من معاویہ الی علی بن ابی طالب۔ اما بعد حضرت باری سبحا

نہ تعالی نے اپنی مخلوق میں سے رسول اللہ کو چن کے عرب کے اعیان واشراف کو آپ کی مدد کے لئے کھڑا کر دیا. ان لوگوں میں ناصح ترین اور فاضل ترین ابو بکر صدیق خلیفہ رسول اللہ تھے ان کے بعد عمر فاروق ہوئے اور پھر عثمان بن عفان تم نے ان تینوں سے سخت حسد کیا. اور ان کی بیعت میں تم ہمیشہ تاخیر کرتے رہے مگر ناچار ہو کے محض اکراہ اور اضطراب سے ان سعادتمندوں کے ہاتھوں پر بیعت کی ان میں تم عثمان سے زیادہ حسد کرتے تھے حالانکہ قربت قرابت میں تمھارے ساتھ وہ ان دونوں سے زیادہ امتیاز رکھتے تھے. ان کے محاسن افعال کو تم نے قباح اعمال کے لباس میں جلوہ دیا. اور صلہ رحم کا قطع کرنا تمھیں روا ہو گیا. یہاں تک کہ ایک گروہ کو ابھار کے اپنی آنکھوں کے آگے اسے قتل کرا دیا تم نے ان کی نصرت اور معاونت میں اپنے کو معذور قرار دیا اس واقعہ کے صدق کی بین دلیل یہ ہے کہ عثمان کے قاتل آج تمھارے اعیان وانصار بنے ہوئے اور ہر وقت تمھارے ساتھ رہتے ہیں. لطف یہ ہے کہ قاتلان عثمان ہی میں سے آپ اپنا قاصد منتخب کر کے میرے پاس بھیجتے ہیں. صاف سن لیجے کیا تو قاتلان عثمان اپنی کیفر کردار کو پہنچائے جائیں ورنہ مجھ میں اور تم میں تلوار و خنجر حائل رہیں گے میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ قاتلان عثمان بحر میں ہوں یا داشت و صحرا اور پہاڑوں میں جب تک انھیں نیست و نابود نہ کر دوں گا چین سے نہیں بیٹھ سکتا. فقط. یہ نامہ لیکے یمنی بعد طے منازل کوفہ پہنچا. اس شخص کے زہد و تقوی کی شیعی مورخوں نے بڑی تعریف لکھی ہے یہاں تک حضرت علی نے ان کے قول کے بموجب محض اس کی پارسائی پر اپنے دربار میں اسکی بہت عزت و توقیر کی. اس نے حضرت علی سے اثناء گفتگو میں کہا حضرت بات تو یہ ہے کہ میں بذات خود یہ گواہی دیتا ہوں کہ خلیفہ اور حاکم آپ سے زیادہ کوئی قابل نہیں ہے باطن اور ظاہر کے مناقب و مفاخر میں کوئی شخص آپ کا شریک و سہیم نہیں ہو سکتا. ہاں یہ میں مانتا ہو کہ عثمان بیداد کی تلوار سے قتل کئے گئے. امیر معاویہ نے آپ کی مخالفت میں قتل عثمان کو ایک حیلہ بنا لیا ہے. میری یہ رائے ہے کہ قاتلان عثمان میں سے جتنے آدمی آپ کی خدمت میں موجود ہیں آپ ان کو معاویہ کے سپرد کریں تو یہ عظیم خونریزی جس کی گھٹا گھری ہوئی ہے جاتی رہے گی آگے جو کچھ رائے عالی ہو. وہی انسب واعلیٰ ہے. حضرت علی نے فرمایا لاحول ولا قوۃ میں تو سمجھتا تھا کہ تم ایک عقلمند اور صائب رائے ہو مگر تو تو کودن محض نکلا بھلا معاویہ کون ہے کہ میں اس کے سپرد قاتلان

عثمان کو کردوں معاویہ کو چاہئے کہ وہ پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کرلے اور اس کے جس قدر اعیان و انصار ہیں سب میرے مطیع ہو جائیں اس کے بعد یہ ہوسکتا ہے کہ اولاد عثمان سے کہا جائے کہ تم کس کس پر شبہ رکھتے ہوتا کہ ان پر باقاعدہ خلیفہ کے دربار میں مقدمہ چلایا جائے اور اس وقت جو قصوروار نکلے اسے سزائے موت دی جائے۔ فقط۔ چند روز کے بعد معاویہ کے قاصد کو حضرت علی نے خط کا جواب دے کے واپس کردیا۔ اس خط کا خلاصہ مضمون یہ ہے تمہارا نوشتہ پہنچا اس کے مضمون پر اطلاع ہوئی ابوبکر و عمرو کے محاسن اعمال اور مکارم اخلاق کی بابت جو تم نے لکھا ہے اس سے مجھے یا اور کسی کو کب انکار ہے۔ لیکن عثمان کی بابت میں صرف اسی قدر کہتا ہوں کہ اگر وہ نیکوکار تھا تو جوار رحمت پروردگار میں پہنچ گیا کیونکہ محسنوں کو بحسن وجوہ ان کے اعمال کی جزا ملا کرتی ہے اگر وہ نیکوکار نہ تھا تو بھی سرادق خداوندی کے جلال میں پیوست ہوگیا کیونکہ ثمرۂ موہبت اور اُس کا احسان بےحد و پایاں ہے۔ جب یہ بات مرتبہ یقین تک پہنچ گئی ہے کہ حضرت ارحم الرحمٰن پاداش اعمال محسنان کو ان کی جمیلہ کوششوں کے مطابق ارزانی فرماتا ہے لہٰذا مجھے امید ہے کہ میں اور اہل بیت رسول اللہ کو بہت کچھ بےحد و حساب صلہ ملے گا۔ دیکھ جس نے سب سے پہلے تصدیق رسالت و نبوت کی وہ ہم تھے۔ ابتداء بعثت میں جبکہ دشمنوں نے آپ کو قتل کرنا چاہا تو ہم نے ہی سرفروشی کی تھی اور اس امر میں رضائے الٰہی و خوشنودی رسول ہمارا مقصود تھی۔ جب قریشوں نے باہم آپ کے برباد کرنے کا عہد کرلیا تو آپ شعب میں چلے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ وہیں قیام پذیر ہوگئے۔ اور جب حق عزوعلا نے اس بلا سے خلاصی دی تو ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور پھر اسی سرگرمی سے حضور انور کی ملازمت میں مستعد ہوگئے اور جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ہم بھی اپنا مالوف وطن چھوڑ کے آپکے ہمرکاب مدینہ چلے آئے اور جب لڑائیاں ہوئیں تو ہم نے اپنی جانیں قربان کرنے میں کبھی دریغ نہیں کی چنانچہ میرا چچازاد بھائی عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب غزوۂ بدر میں زخمی ہو کے مارا گیا اسی طرح میرا چچا حمزہ احد میں کافر کی تلوار کی نذر ہوا۔ میرا بھائی جعفر معرکہ موتہ میں شہید ہوگیا۔ میں خود لڑائیوں میں برابر شریک ہوتا رہا اور آمادگی سے شرط جہاد پوری کرتا رہا۔ میرا مقصود اعظم شہادت تھی مگر وہ مجھے مثل اپنے بھائیوں کے نصیب نہ ہوئی۔ کاش میں شہید ہوجاتا تو آج کو تجھ جیسے شخص کے ساتھ نامہ و پیام کرنے کا مجھے موقع ہی کیوں ملتا۔

اور میں اس مصیبت سے رہائی بھی پالیتا۔ تعجب ہے کہ مجھے تو خط لکھ رہا ہے اور صحابہ کے مناقب بیان کر رہا ہے مگر اہل بیت رسول کا اشارہ بھی نہیں کرتا اور ان کی جان فروشیوں کو تو نے مس تک نہیں کیا۔ یہ جو تو نے معسد اور بغی کا الزام مجھ پر لگایا ہے کہ میں خلفاء سے رکھتا تھا حاشا وکلاء مثل تیرے میں کیوں ہونے لگا جس نے طریق باطل اختیار کر رکھا تھا اور برابر خلفاء کی مخالفت پر تلا رہا۔ اب رہا خلفاء کی بیعت میں تاخیر کرنے کی بابت جو تو نے لکھا تو یہ بات سب پر روشن ہے کہ جب رسول اللہ کا وصال ہوا ہے اعیان اسلام اور اصحاب کرام میں اختلاف پیدا ہوا انصار نے تو اس پر اصرار کیا تھا کہ منا میر و منکم امیر یعنی ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو اور وہ اپنے اس ادعا میں حق پر تھے کیونکہ رسول اللہ کے لئے انہوں نے اپنے سینوں کو ہدف سہام بلا و محنت منار کھتا تھا اور رسول اللہ کے مقابلہ میں اپنے دلوں کو اولاد اور مال کی محبت سے خالی کر دیا تھا مگر قریشوں نے اپنے حصول مطلب کے لئے ان کے آگے یہ دلیل پیش کی کہ ہماری فضیلت تم پر اس لئے ہے کہ رسول اللہ جو بہترین خلائق تھے وہ ہم میں سے چنے گئے تھے اس دلیل سے انصار خاموش ہو گئے پھر انہوں نے اور اپنے مدعا پر اصرار نہیں کیا اگر تیرے خیال میں یہ دلیل حق تھی تو اب اس وقت بتا کہ سوائے میرے بہترین خلائق کون ہے اور اصحاب میں آنحضرت سے نزدیک تر زیادہ کون ہو سکتا ہے مجھے رسول اللہ نفسک نفسی فرما چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر تجھ پر یہ بات چھپی ہوئی ہو تو ان لوگوں سے دریافت کرے جو اس وقت موجود تھے کہ رسول کریم کی رحلت کے بعد تیرا باپ ابی سفیان اور میرا چچا عباس دونوں میرے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے میں نے صحابہ کی رفاقت ترک کرنی مناسب نہ جانی ان سے کہہ دیا کہ میں بیٹھے بیٹھائے خواہ مخواہ فساد کرنا نہیں چاہتا وہ دونوں خاموش ہو رہے۔ میں دنیا کی کچھ حقیقت نہیں جانتا مجھے علم ہے کہ اس عالم کی نعمتیں مثل پانی کے ہیں جس کا رنگ و مزا برابر بدلتا رہتا ہے دنیا کو ایک ایسا لقمہ سمجھنا چاہئے جو حلق میں اٹکتا ہو۔ میری حالت بیشک اس وقت بہت نازک ہے اگر میں خلافت چاہتا ہوں۔ تو لوگ مجھے حریص کہتے ہیں اور اگر میں گوشہ نشینی اختیار کرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جان کے خوف سے چھپ کے بیٹھ رہا۔ ہیہات ہیہات اللہ کی قسم ابو طالب کا بیٹا موت کا اس سے زیادہ مشتاق ہے جتنا شیر خوار بچہ اپنی ماں کی چھاتی کا ہوتا ہے اور چونکہ میں تفصیلات علوم اور مکتوم خزائن پر پوری اطلاع رکھتا ہوں

اگر ان کا ایک شمعہ تجھ پر ظاہر کر دوں تو مضطرب ہو کے بید کی طرح کانپنے لگے مگر میں فی الحال اسے مناسب نہیں جانتا۔ اس کے بعد آخری الزام تو نے مجھے پر یہ لگایا ہے کہ قتل عثمان میری تحریص سے ہوا یہ دروغ اور کذب بلا فروغ ہے میں نے تو محاصرہ کے وقت اپنے دونوں بچوں حسن حسین کو بھیج دیا تھا کہ دیکھنا عثمان پر آنچ نہ آئے مگر مشیت ایزدی کے آگے ہو کیا کر سکتے تھے۔ تو اپنی تو کہہ عثمان کو تنہا چھوڑ کے حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے شام چلا گیا اور اب تو نے حکومت حاصل کرنے کا حیلہ طلب خون عثمان کو بنا رکھا ہے اگر فی الواقع تو قاتلان عثمان کو چاہتا ہے تو پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کر اور پھر ان کی گرفتاری کی درخواست دے اس وقت میں شریعت غرا کے قوانین کے مطابق ان کی گرفتاری کا حکم نافذ کروں گا۔ فقط

حضرت علی کا قاصد عمرو بن العاص اور امیر معاویہ: نامہ تیار کرنے کے بعد حضرت علی نے سوچ سمجھ کے گورنر ہمدان جریر بن عبداللہ الجبلی کو طلب کیا۔ یہ شخص عثمان بن عفان کا مقرر کیا ہوا تھا حضرت علی کے طلب کرنے پر کوفہ چلا آیا آپ نے پہلے بیعت طلب کی اس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جریر رسول کریم کے اجلہ صحابہ میں سے تھے حضرت علی نے جریر سے بہتر اس کام کے لیے اور کسی شخص کو موزوں نہ سمجھا شیعی مورخ یہ بھی کہتے ہیں کہ خود جریر نے درخواست کی تھی کہ قاصدی کا فرض مجھ سے بہتر کوئی اور نہیں کر سکتا شام میں میرے رشتہ دار اور دوست بہت سے ہیں اور میں شامیوں کی طبیعت سے بھی خوب واقف ہوں میں جو کچھ کر کے آؤں گا دوسرا نہیں کر سکے گا۔ اس پر مالک اشتر کو سخت غصہ آیا اس نے حضرت علی سے کہا کہ میں اس کی مداہنت سے خوب واقف ہوں یہ شخص قابل اعتبار نہیں ہے جریر یہ سن آگ بگولا ہو گیا اور مالک اشتر سے کہنے لگا بتا تو سہی میں نے کیا مداہنت کی اور میری کونسی تقصیر تیرے مشاہدے سے گزری کہ تو کھلم کھلا خیانت کا الزام مجھ پر لگاتا ہے۔ مالک بولا اس حال کے معرکہ میں حضرت امیر المومنین علی نے تجھے طلب کیا تھا مگر تو حیلہ حوالہ کر کے ٹال گیا اور ہمدان کی گورنری نہ چھوڑی مگر جب آپ کو طلحہ و زبیر پر فتح ہو گئی تو ایک اشارہ سے یہاں چلا آیا اور فوراً بیعت بھی کر لی حضرت علی نے مالک اشتر کی اس گفتگو پر مطلق التفات نہ کیا اور جریر کی طرف مخاطب ہو کے فرمایا اے جریر راستہ کی تکلیف اور محنت سفر کا خیال نہ کر کے فوراً دمشق جانے پر تیار ہو جا۔ جب تو دمشق پہنچ کے معاویہ کے دربار میں پہنچے تو اسے بیعت کی دعوت دیجو اگر وہ

ہماری بیعت پر راضی ہو جائے تو فبہا ورنہ اُس پر ہماری حجت پوری ہو جائے گی جریر کوفہ سے روانہ ہو کے طے منازل کے بعد دمشق میں پہنچے جب معاویہ کو معلوم ہوا کہ جریر حضرت علی کے قاصد بن کے آئے ہیں تو ان کی بہت خاطر تواضع کی اور ایک شاندار قصر میں انہیں اُتارا جب جریر کلفت سفر سے تازہ دم ہو گئے .تو معاویہ کے دربار میں آئے اور نہایت عمدہ پیرایہ میں معاویہ کو بیعت کی دعوت دی. معاویہ نے کہا اس کے لیے میں کچھ مہلت چاہتا ہوں جریر نے کہا کچھ مضائقہ نہیں چنانچہ یہ کہہ کے جریر اپنی فرودگاہ پر واپس چلے آئے .ادھر معاویہ نے شرجیل بن شط کو بلا کے حکم دیا کہ شام کے دیار وامصار میں جا کے لوگوں میں خون عثمان طلب کرنے کا جوش پھیلاؤ. چنانچہ شرجیل نے جا کے مسلمانوں کو ورغلا نا شروع کیا اور سب کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکا دی۔

جب شرجیل کو اپنی مہم میں پوری کامیابی ہو گئی تو معاویہ نے مختلف مقامات سے اعیان و اشراف طلب کئے اور ان کے جلسہ میں یہ گویا ہوا اس میں تو شک نہیں کہ عثمان مظلوم مارے گئے. لہذا قاتلوں سے انتقام ضرور لینا چاہیے تم لوگ بتاؤ کہ تمہاری اس میں کیا رائے ہے .انہوں نے یک زبان ہو کے کہا کہ ہم طلب خون عثمان میں آپ کے ساتھ متفق ہیں .اس پر عتبہ بن ابی سفیان بولا کہ ابھی اس فیصلہ کو ملتوی رکھیے. پہلے فلسطین سے عمرو بن العاص کو بلا لیجے اور ان کی رائے بھی اس معاملہ میں لیجے معاویہ نے اس رائے پر صاد کر دی اور فوراً عمرو کو ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے تمہیں معلوم ہے کہ علی کے ہاتھ سے طلحہ وزبیر اور عائشہ کی کیا گت بنی .اب علی کی توجہ میری طرف مبذول ہوئی ہے انہوں نے جریر کو بھیجا ہے اور مجھے بیعت کی دعوت دی ہے یہ کام بغیر تمہاری رائے کے نہیں ہو سکتا لہذا تم اس خط کو دیکھتے ہی فوراً دمشق چلے آؤ فقط جوں ہی یہ خط عمرو کو پہنچا. وہ اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ اور محمد کو ساتھ لے کے فلسطین سے دمشق چلے آئے پھر چند روز سفر کی تکان اتارنے کے بعد معاویہ کی قصر میں آئے معاویہ صورت دیکھتے ہی بغل گیر ہوئے اور بہت خاطر تواضع سے پیش آئے اس کے بعد تخلیہ کیا گیا معاویہ نے کہا سنو تین باتوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے اول تو یہ ہے کہ محمد بن حذیفہ قید خانے سے نکل کے مصر یا بصرہ چلا گیا دوم شاہ روم شاہ کی سرحدات پر فوجیں جمع کر رہا ہے اور مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے .سوم علی نے جریر کو میرے پاس بھیجا ہے اور صاف طور پر یہ پیغام دیا ہے کیا تو معاویہ اور شامی

میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے راضی ہو جائیں ورنہ جنگ کے لئے تیار رہیں اب تم بتاؤ میں کیا
کروں۔ عمرو نے کہا محمد بن حذیفہ کے بھاگ جانے کا خیال نہ کرو چند آدمی اس کی گرفتاری کے لیے
بھیج دو اگر وہ گرفتار ہو جائے تو فبہا اور نہیں تو اس سے اندیشہ کی کوئی بات نہیں ہے وہ ہمیں کچھ ضرر نہیں
پہنچا سکتا دوسرے شاہ روم کا بھی کچھ خیال نہ کرو اگر وہ حملہ آور ہو تو وہ نصرانی قیدی جو تمہارے ہاں
موجود ہیں انہیں شاہ روم کے حوالہ کر کے صلح کر لینا وہ بھی یقیناً راضی ہو جائے گا اور تیرا ممنون
ہوگا کیونکہ اس میں تجھے جنگ کرنے کا دم درود نہیں ہے خالی یہ اس کی گیدڑ بھبکیاں ہیں. تیسرا امر واقعی
غور طلب ہے کیونکہ اس میں علی بن ابی طالب کا معاملہ ہے. اہل ملت امور حسبی، نسبی موروثی و کسبی
میں علی ہی کو غلبہ دیتے ہیں اور ان کی تفضیل تجھ پر سمجھتے ہیں معاویہ نے جواب دیا یہ بات تیری سمجھ میں
نہیں آئی علی نے جب کھلم کھلا عثمان کو قتل کرایا باغیوں اور قاتلوں کو اپنے ہاں پناہ دی اور مسلمانوں میں
خون ریزی کرائی پھر بھی لوگ اسے اچھا ہی سمجھے جائیں گے عمرو نے کہا ان سب باتوں کو بھی تسلیم کر
کے میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ اسلام قبول کرنے میں انہوں نے ہی سبقت کی حضرت خیرانام کا
جو انہیں قرب حاصل ہے وہ تجھے نہیں ہے. یہ سن کے امیر معاویہ خاموش ہو رہے تھوڑی دیر کے بعد عمرو
سے کہا جو کچھ تم نے کہا یہ امر واقعہ ہے مگر ہمیں تو مکر و حیلہ سے کام کرنا چاہیے اور امر باطل کو حق کے
کپڑے پہنا کے لوگوں کے آگے پیش کرنا چاہیے. مجھ میں تو یہ کمال ہے کہ میں تجھ جیسے شخص کو جو فراست
وکیاست میں اپنی نظیر نہیں رکھتا ایسا چکمہ دوں کہ تو بھی میرے فریب میں آ جائے پھر ایسے ویسے کی تو
میرے آگے کیا ہستی ہے. عمرو بن العاص بولا واہ واہ کیا کہنے۔ مانتا ہوں بے شک آپ ایسے ہی ہیں
میں خوب جانتا ہوں کہ شیطان آپ کے مکتب کا ادنے شاگرد ہے مگر تو مجھے فریب نہیں دے سکتا کیوں
کہ میں تیرے مافی الضمیر سے واقف ہو گیا ہوں معاویہ نے گفتگو کے اس سلسلہ کو، اڑا کے ادھر
اُدھر کی باتیں ملانی شروع کیں. اثناء گفتگو میں عمرو سے کہا ذرا کان آگے لاؤ تو میں ایک خاص بات تجھ
سے کہوں. عمرو کان آگے لایا. معاویہ نے کان کو دانتوں سے پکڑ لیا اور کہا دیکھا میں نے تجھے ابھی بیٹھے
بیٹھے فریب دے دیا عقلمند شخص اس جگہ میرے اور تیرے سوا جب دوسرا نہیں ہے تو کان آگے کیوں لایا
اور کیوں نہیں کہا کہ جب اتنے بڑے ہال میں سوائے میرے اور تیرے کوئی نہیں ہے پھر کان آگے

کرنے کی کیا ضرورت ہے. جو کچھ کہنا ہے دور سے کہہ. یہ مذاق کر کے معاویہ نے یہ کہا چلوان مسخرا پن کی باتوں کو تو ختم کرو. مطلب کی بات سنو ہمیں اور تمہیں ایک ہو جانا چاہیے. تا کہ علی بن ابی طالب کو درمیان سے اڑا کے تمام جہاں پر قبضہ کر لیں عمرو بولا دین کو دنیا کے عوض فروخت کرنے کا کام بڑا مشکل اور صوب ہے اس بات سے کسی کو بھی بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ علی سے مخالفت کرنا اور تیری موافقت میں تلوار اُٹھانا جہنم کا سچا وارث بننا ہے. ہاں ان سب باتوں کے نظر کرتے اگر تو میری رضا جوئی میں کسر نہ کرے اور میرے مطالبات پورے کر دے تو بیشک میں تیرا ساتھ دے سکتا ہوں. معاویہ نے کہا تو اپنے مطالبے بیان کر میں ان کے پورا کرنے کی کوشش کروں گا. عمرو نے کہا جب ولایت مصر تیرے قبضہ میں آ جائے معہ اس کے مضافات کے میرے سپرد کر دیجو. معاویہ نے حیرت زدہ ہو کے جواب دیا. مصر جیسی بڑی سلطنت جو عراق کے برابر ہے کیسے دی جا سکتی ہے. عمرو تعجب کیا ہے جب سارے عالم پر تو قابض ہو جائے گا تو مصر میرے حوالہ کرنے میں تجھے کیوں پس و پیش ہے یہ سن کے معاویہ خاموش ہو رہے اور انہیں منظور نہ ہوا کہ مصر جیسی سلطنت اس کے سابق فاتح کی طرف لوٹا دے عمرو نے معاویہ کو خاموش اور رنجیدہ دیکھ کے کہا. میں اس وقت تو مصر نہیں چاہتا جب تیرا قبضہ مصر پر ہو جائیں اور یہ اس وقت ہو گا کہ جب علی بن ابی طالب مغلوب ہو جائیں گے تو اس وقت مصر میرے حوالہ کر دیجو معاویہ برابر گردن ہلا رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ تیری درخواست قبول نہیں ہے. عمرو معاویہ کا یہ رنگ دیکھ کے اپنی فرودگاہ پر اُٹھ کے چلا آیا. کہ اتنے میں معاویہ کا بھائی عتبہ بن ابی سفیان آیا اور اس نے اپنے بھائی کو لتاڑا اور کہا بھائی تیری عقل ماری گئی ہے. عمرو جیسے دانا، صائب رائے اور بے نظیر سپاہ سالار کو تو اپنے ہاتھ سے کھوتا ہے. مصر اس وقت تیرے قبضہ میں نہیں ہے. پھر تجھے ایسی چیز کے دینے سے کیوں انکار ہے جو معلوم نہیں کہ تیرے قبضہ میں آئے گی یا نہیں. معاویہ بھائی کی اس تقریر سے بہت متاثر ہوا اور فوراً بھاگا ہوا عمرو کے پاس اس کی فرودگاہ پر آیا اور کہا کہ میں ملک مصر دینے پر راضی ہوں. تم مزید اطمینان کے لیے مجھ سے اقرار نامہ لکھوالو. چنانچہ اقرار نامہ لکھا گیا اور اس پر امرائے شام کی گواہیاں ہوئیں. اور وہ اقرار نامہ عمرو کے سپرد کر دیا گیا. جب یہ سب کچھ ہو چکا تو معاویہ نے عمرو سے پوچھا کہو استاد علی بن ابی طالب جو اہل زمانہ میں فاضل ترین شخص ہے. کیونکر مغلوب ہو سکتا ہے. عمرو

نے جواب دیا سنو جی بات ہے بڑی مشکل جریر، جو سرداران عراق کا سرتاج ہے علی بن ابی طالب کا قاصد بن کے آیا ہے۔ وہ نہ صرف تجھے بیعت کی دعوت دیتا ہے بلکہ اہل شام کو علی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے بلا رہا ہے۔ اس کے مات کرنے کی یہ ترکیب ہے کہ تو ریاست دیار شام کے حاکم شمط الکندی کو طلب کر۔ اور پہلے سے اس کے راستہ میں چند مستعد اور زبان زور آدمیوں کو بیٹھا دے۔ کہ جب وہ ان کے پاس سے گزرے تو یہ لوگ اپنی اپنی باری پر ایک ہی زبان بولیں کہ عثمان بن عفان کو علی نے قتل کرا دیا ہے۔ پس اسے یقین ہو جائے گا اور سارا شام اس پر تل جائے گا۔ کہ بیشک یہ فعل علی کا ہے اس سے جنگ کرنی چاہیے۔ معاویہ کو عمرو کی یہ رائے پسند آئی۔ اس نے زید بن بشر بن الطاۃ سفیان بن عمرو، مخارق بن الحارث حمزہ بن مالک اور حابس بن سعد وغیرہ کو بلا کے اس کے متعلق ہدایت کر دی کہ یوں کہنا اور یوں کہنا وغیرہ وغیرہ غرض راستہ میں جب شرجیل کے اس طرح کان بھرے گئے تو وہ غصہ میں کانپتا ہوا معاویہ کے پاس آیا اور بولا علی بن ابی طالب نے غضب کیا کہ عثمان بن عفان کو مروا ڈالا تمام دیار و امصار میں اس کا غل مچ رہا ہے۔ اور میں نے ایسے ایسے وجیہ لوگوں کی زبانی سنا ہے جن پر مجھے ہر قسم کا اعتبار ہے اللہ کی قسم معاویہ اسے اچھی طرح سمجھ لیجیو۔ کہ اگر تو نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی تو ہم تجھے ملک شام سے نکال باہر کریں گے۔ معاویہ بولا بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری مخالفت کروں گا ہم دونوں تو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں تمہارے سوا میری پناہ اور کون ہے۔ شرجیل نے یہ سن کے کہا اچھا تو اب تم جریر کو رخصت کر دو تا کہ وہ حضرت علی سے جا کے کہہ دے کہ آپ کی مخالفت میں سب شامی متفق ہو گئے ہیں۔ یہ سن کے معاویہ نے سر ہلایا اور کہا کہ ابھی اسے رخصت دینے کی میری رائے نہیں ہے۔ جب تک مجھے یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ سارا شام میرے ساتھ ہے میں اسے رخصت نہیں کر سکتا۔ مناسب یہ ہے کہ تو سارے شام میں چکر لگا اور لوگوں کو ایک تو میری بیعت پر آمادہ کر دوسرے خون عثمان طلب کرنے پر ابھار شرجیل یہ سنتے ہی فوراً روانہ سفر ہو گیا اور اُس نے قریہ در قریہ پھرنا شروع کیا اور یہ وعظ کیا کہ علی نے عثمان کو قتل کرا کے سارے ممالک پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ اب شام کو تاخت و تاراج کرنا چاہتے ہیں۔ سوائے معاویہ کے کوئی ایسا زبردست شخص نہیں دکھائی دیتا کہ جو تمہیں اور تمہارے ملک کو علی بن ابی طالب کے حملہ سے بچا سکے لہذا فوراً جوق جوق، دمشق جاؤ

اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو اور خون عثمان لینے کے لیے اُسے مدد دو، غرض شرجیل نے ایک جوش ان لوگوں میں پیدا کر دیا اور وہ جوق جوق دمشق میں آنے لگے. اور معاویہ کے ہاتھ پر بیعت ہونی شروع ہوئی. جب معاویہ کو اپنی تدبیر میں پوری کامیابی ہوگئی تو اس نے جریر کو بر سر دربار بلا کے کہا کہ بس اب تم کوفہ واپس جاؤ اور علی بن ابی طالب سے کہہ دو کہ کل شامی خون عثمان کی طلب گاری میں مجتمع ہو گئے ہیں. آپ ان کی متابعت کا خیال چھوڑ دیجئے اور عثمان کے قاتلوں کو حوالہ کر دیجئے. یہ سن کے جریر کوفہ واپس چلے آئے. شیعہ مورخ لکھتے ہیں کہ جریر کا قیام دمشق میں پورے چار مہینے رہا. انہوں نے من وعن ساری کیفیت حضرت علی سے کہہ دی. اس پر مالک اشتر نے کہا حضرت اگر آپ جریر کی جگہ مجھے بھیجتے تو میں آپ کا کام بنا لاتا. آپ نے جریر کو بھیج کے مطلب کو ہاتھ سے کھو دیا. میں اس کا ایسا گلا گھونٹتا کہ اس کا سارا فساد آنکھوں کے رستہ نکل جاتا. اور جو حیلہ وہ کرتا اُسے فوراً کاٹ دیتا. اور اکلاالا کبا یعنی معاویہ کی حقیقت کا اظہار اہل شام پر کر کے اس کو نظر اعتبار سے گرا دیا. میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہہ دیا تھا کہ آپ جریر کو تو ہرگز اپنا قاصد بنا کے نہ بھیجیں کیونکہ یہ شخص بہت ست ہے. چار مہینے تک معاویہ کے ٹکڑوں پر پڑا رہا اور پھر بے نیل و مرام واپس چلا آیا. ملک وملت کے کاموں میں اس کی سفارشت سے سخت خلل پڑ گیا ہے. یہ سن کے جریر سے نہ رہا گیا. اس نے کہا اے مالک اشتر تو یہیں بیٹھا ہوا باتیں بنا رہا ہے اگر امیر المومنین علی تجھے سفارت میں بھیج دیئے تو بس ایک ہی روز میں تیرا خاتمہ ہو جاتا اور تو ضرور کسی شامی کی تلوار کی نذر ہو جاتا ہے. کیونکہ وہ تجھے قاتلان عثمان کے زمرہ میں سمجھتے ہیں. مالک اشتر۔ بس ان طفلانہ باتوں کو جانے دو اللہ کی قسم اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو واقعی بڑا کام کر کے آتا. اور اسے مجبور کر دیتا کہ دطوعا کرہا میرا کہنا مانتا. اور یہ معاملہ خیر وخوبی کے ساتھ اختتام کو پہنچ جاتا تو چار مہینے تک اس کی درباداری کرتا رہا اور اخیر اس کے فریب میں آ گیا. معاویہ کی محبت بلاشک تیرے دل پر چھا گئی. کیونکہ تو اسی کی گائے جاتا ہے اور برابر یہی کہے جاتا ہے کہ امیر المومنین کی مخالفت میں سب یک دل وجاں ہو گئے ہیں. اور ان کی قوت دیکھا کے ہمیں خوفزدہ کر رہا ہے. جریر، اخیر اس بحث ومباحث کا کیا نتیجہ ہے. جب تو یہ سمجھتا ہے کہ تیرے جانے سے کامیابی ہو گی تو اب کیوں نہیں چلا جاتا. مالک اشتر نے کہا۔ معاملہ تو سب بگاڑ کے آ گیا ہے اب میرے جانے سے کیا

ہوگا۔ جریر، سخت منفعل ہو کے، خیر جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اب جو تمہارا جی چاہے کہو۔ مالک اشترؔ، دانت پیس کے، کیا کہوں اگر امیر المومنین علی کا خیال نہ ہوتا تو تجھے اور تیرے ساتھ تیرے دوستوں کو اس دربار سے نکال دیتا اور کبھی یہاں نہ پھٹکنے دیتا۔

عبداللہ بن عمر فاروق معاویہ اور دیگر صحابہ اور خط کتابت کی کہانیاں:۔

شیعی علماء مورخین یہ داستان بیان فرماتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن عمر فاروق کے بیٹے عبداللہ نے اپنے باپ کے قاتل پر غصہ میں آ کے ہرمیزان مجوسی کو جو حضرت علی امیر المومنین کے دولت کدہ میں رہتا تھا اور خود فاروق کے قتل میں شریک تھا قتل کر دیا تھا اس پر جب عثمان خلیفہ ہوئے ہیں تو انہوں نے (قرآن مجید کے حکم کے مطابق) اس کے رشتہ داروں کو دیت یعنی خون بہا دے دی تھی۔ مگر جب جناب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عبداللہ کو ماخوذ کرنا چاہا۔ عبداللہ جان بچا کے معاویہ کی پناہ میں دمشق چلا آیا معاویہ نے عبداللہ کی بہت خاطر مدارت کی۔ ایک دن مجلس میں معاویہ نے کہا استاد خوب کھلم کھلا علی کو برا کہو اور نقارہ پیٹ دو کہ عثمان کو علی ہی نے قتل کرایا ہے۔ یہ سن کے عبداللہ غصہ میں لال پیلے ہو گئے اور کہا میں ایسے شخص کو کس طرح برا کہہ سکتا ہوں۔ جو حسب نسب اور ظاہری و باطنی خوبیوں میں جمیع مسلمین سے اچھا ہے اور اس کے آگے تو کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ہاں تجھے خوش کرنے کے لئے یہ تو ہو سکتا ہے کہ عثمان کے قتل کا الزام اس پر لگاؤں اور بس۔ اتنا کہ کے عبداللہ باہر نکل آیا۔ معاویہ نے عمرو عاص سے کہا اگر علی کی تلوار کا ڈر مجھے نہ ہوتا تو میں ابھی عبداللہ کی گردن اُتار لیتا۔ عمرو عاص بولا۔ ہش کیا بکتا ہے عبداللہ جو کچھ کہا سچ کہا علی تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ ہم نے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر کے تیرا ساتھ دیا ہے۔ بس ہم سے یہ ہو سکتا ہے کہ علی کو عثمان کا اصلی قاتل لوگوں کی نظروں میں قرار دیں اور بس۔ ہم اپنے کئے پر سخت شرمندہ ہیں۔ ضمیر اچاہتے ہیں کہ ہدایت کے راستہ پر پڑیں مگر روپیہ کا لالچ مانع آتا ہے۔ اس لئے تو ہم نے تیرا ساتھ دیا ہے۔ تو ہم سے زیادہ توقع نہ رکھ ہم علی کو گالیاں نہیں دینے کے۔

عبداللہ کے وعظ کی کہانی:۔ جمعہ کو بقول شیعی علماء عمر فاروق کا بیٹا عبداللہ ممبر پر چڑھا پہلے اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور پھر سرور کائنات کی نعت پڑھی اس کے بعد لوگوں کو کچھ نصیحت کی باتیں کرتا رہا۔

اور پھر ممبر پر سے اُتر آیا. معاویہ نے کہا واہ واہ تم نے نہ علی کا بیان کیا اور نہ عثمان کے قتل کا تو نے تو وعدہ کیا تھا کہ میں عثمان کے قتل کا الزام علی پر لگاؤں گا تو نے سخت خیانت کی اور تیرے عجز اور ماندگی کی بھی حد ہو گئی. لا حول ولا قوۃ. عبداللہ نے جواب دیا. وعدہ تو میں نے بیشک کیا تھا مگر رسول اللہ کی شرم دامنگیر ہو گئی. میں جھوٹا الزام علی پر کس طرح لگاتا. اگر میں آنکھ بند کر کے یہ بیان کر بھی دیتا تو اس کذب بے فروغ کے وبال سے نہ تو بچ سکتا اور نہ میں بچ سکتا. عبداللہ کی اس صاف بیانی سے معاویہ ناراض ہو گیا. اس کی پھری ہوئی آنکھیں دیکھ کے عبداللہ نے بھی کنارا کیا. مگر ایک مدت گزرنے کے بعد عبداللہ بن عمر نے عثمان کے قتل کا مرثیہ لکھا اور لوگوں کو اشعار سنا کے ان سے داد کا خواہاں ہوا. شدہ شدہ ان اشعار کو معاویہ نے بھی دیکھ لیا. ساری ناراضی معاویہ کی جاتی رہی وہ یکلخت عبداللہ کی طرف رجوع ہو گیا. اور عبداللہ کو بلا کے بہت کچھ معزرت کی اور جب تک عبداللہ جنگ صفین میں نہ مارا گیا برابر اس پر نظر التفات رہی چند روز کے بعد معاویہ نے عمرو بن العاص اور عبداللہ سے تخلیہ میں یہ مشورہ کیا کہ میں چاہتا ہوں اہل مدینہ کو اپنی بیعت کی دعوت دوں اس میں آپ دونوں صاحبوں کی کیا رائے ہے. عبداللہ نے کہا یہ ہرگز قرین مصلحت نہیں ہے. وجہ یہ ہے کہ مدینہ میں تین جماعتیں ہیں. ایک جماعت تو جناب امیر کی مرید ہے وہ تیری دعوت پر تجھ سے سخت مخالفت کرے گی. دوسری جماعت عثمان کی ہوا خواہ ہے مگر انتہا درجہ کمزور اور عاجز بھی ہے جو کچھ بھی نہیں کر سکتی. تیسری جماعت نیوٹرل یعنی غیر جانب دار ہے اور گوشہ نشین ہے نہ وہ علی کو جانے اور نہ عثمان کو اللہ اللہ کرنا اس کا کام ہے اور بس. میری آخری یہ رائے ہے کہ اگر تو نہیں مانتا اور اپنی بیعت کی تحریک ہی کرنا چاہتا ہے تو صرف اتنا کر کہ اہل مدینہ کے نام ایک خط بھیج دے اگر اس سے کچھ نتیجہ نہ بھی نکلا تو تجھے کچھ نقصان بھی نہیں پہنچنے کا. اس رائے پر معاویہ نے صاد کر دی. اور تینوں کے مشورہ سے اہل مدینہ کے نام یہ سمویا ہوا خط لکھا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے. جب باغیوں نے عثمان پر ہجوم کیا اور اس کے گھر کو گھیر کے اس پر آب و دانہ بند کر دیا اور پھر اسے قتل کر ڈالا میں اس وقت مدینہ میں نہ تھا لہذا مجھے نہیں معلوم کہ اصل واقعات کیا ہیں. تم بتاؤ علی کی نسبت جو یہ سنا جاتا ہے کہ وہ باغیوں کے ساتھ شریک ہو گیا اور قصر خلافت کے منہدم کرنے میں اس نے اپنے گھٹنوں تک کا زور لگا دیا. اگر یہ صحیح ہوا اور غالباً ہو گا کیونکہ عثمان کے قاتل اس کے خواص بنے ہوئے ہیں اور ہر وقت

اس کے دائیں بائیں موجود رہتے ہیں تو میں خون عثمان طلب کرنے کے لیے قاتلوں کو علی سے مانگوں اگر اس نے مجھے دیدئے تو پھر علی سے مجھے کچھ سروکار نہیں ہے. اب رہی خلافت اسے میں شوری پر چھوڑتا ہوں جس طرح فاروق اعظم نے چھوڑی تھی. اگر علی اس پر راضی نہ ہوئے قاتلوں کو میرے حوالہ نہ کیا تو میں ان سے قتال کروں گا تم میں سے جو صاحب میری تائید کریں وہ فورا بھاگوں بھاگ میرے پاس دمشق چلے آئیں فقط. اہل مدینہ نے معاویہ کا یہ خط پڑھا اور اس کا فورا یہ جواب دیا کہ یہ خط تو نے عمرو بن العاص کے مشورہ سے لکھا ہے بس ہم جان گئے. سُن بات یہ ہے کہ تو طلیقی ہے اور عمرو بن العاص خائن ملت ہے تجھے خلافت سے کیا تعلق. تو نے ہم دو رافتادوں کو کیوں چھیڑا بس تجھے لکھ دیا جاتا ہے کہ آیندہ ایسی بیہودہ تحریر ہمیں نہ لکھنا۔ جب یہ خط معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے افسوس کر کے یہ کہا کہ ہم نے سخت غلطی کی کہ مدینہ کے اوباشوں کو لکھا حالانکہ رسول اللہ کے جلیل القدر صحابہ مثل عبداللہ☆ بن عمر بن الخطاب. سعد بن ابی وقاص. محمد بن مسلمہ انصاری موجود تھے انھیں لکھنا چاہئے تھا۔

☆　دروغ گورا حافظہ نہ باشد. کبھی تو شیعی مورخ یہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر بن الخطاب معاویہ کے پاس بھاگ چلے آئے تھے. کبھی لکھتے ہیں کہ انھوں نے مدینہ سے کبھی قدم ہی باہر نہیں نکالا. کبھی لکھتے ہیں جناب امیر نے خلیفہ بنتے ہی عبداللہ بن عمر کی گرفتاری کا وارنٹ کاٹ دیا تھا. کبھی عبداللہ کے منہ سے حضرت علی کی تعریف کرواتے ہیں. کبھی جب عبداللہ پر غصہ آتا ہے تو ان کے منہ سے حضرت کو سازشی قرار دیتے ہیں. غرض یہ عجیب کہانیاں ہیں جن سے زیادہ دلکش بوستان خیال کا مصنف بھی نہیں لکھ سکتا. اچھی تاریخ نویسی اور ترتیب واقعات ہیں. ان واقعات کو غور سے پڑھنے کے بعد ہر شخص ان کی سچائی کی گہرائی پوری سمجھ سکتا ہے. بلا مبالغہ ایک واقعہ بھی صحیح نہیں ہے. چونکہ جمل اور صفین کی لڑائیاں محض من گھڑت ہیں اس لئے اس کے فسانے بھی ویسے ہی خلاف قیاس اور بیہودہ ہیں۔

اب میں ان میں سے ہر ایک صحابی کو خط لکھوں گا اور اپنی بیعت کی انھیں دعوت دوں گا بعض شیعی مورخ یہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر جو معاویہ کے پاس موجود تھے انھوں نے معاویہ کو یہ رائے دی تھی کہ میں دو بھائیوں اور فلاں صحابی کے نام تم ضرور خط لکھو ۔اس پر عمرو بن العاص نے کہا دیکھ معاویہ ایسا نہ کرنا۔

طلحہ، زبیر اور عائشہ صدیقہ جب تجھ سے ہر طرح افضل ہیں انھوں نے جیسی کوشش کر لی مگر یہ صحابہ ان کے ساتھ نہ ہوئے پھر وہ تیرا ساتھ کیوں دینے لگے ۔یہ لوگ تو گوشہ نشین ہو گئے ہیں نہ انھیں تجھ سے مطلب ہے نہ علی سے وہ تو اس فساد میں پڑنا ہی نہیں چاہتے ۔باقی جو ان کے علاوہ ہیں وہ علی کے ساتھ ہیں اور جنھیں تیرا ساتھ دینا تھا وہ تیرے ساتھ موجود ہیں یعنی ابو ہریرہ، ابو درداء، ابو سامۃ الباہی اور نعمان بن بشیر ۔معاویہ نے عمرو بن العاص کے اس مشورہ پر توجہ نہیں کی اور عبداللہ بن عمر بن الخطاب کو خط لکھ ہی دیا ۔اور ساتھ ہی مذکور صحابہ کو بھی تحریریں روانہ کر دیں ۔جن کا مضمون یہ تھا کہ ہم طلب خون عثمان کے لئے کھڑے ہوئے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اس خط کا جواب عبداللہ بن عمر نے یہ دیا مجھے تعجب ہے کہ تم مجھ سے بیعت چاہتے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ میں رسول اللہ کے صحابہ کو قتل کروں تمہارا مطلب طلب خون عثمان سے محض جاہ طلبی ہے اور بس ۔میں علی کی مخالفت نہیں کرنے کا ۔یہ سمجھ رکھ اگر میں نے کسی کا ساتھ دیا تو علی کا دوں گا ۔وہ سب صحابہ افضل سے ہے ۔رسول کا بھائی اور داماد ہے ۔اس کے بچے جوانان بہشت ہیں اس کی موافقت سے مومن جنت میں جاتا ہے اور مخالفت سے دوزخ میں، چونکہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنا میں بدترین گناہ جانتا ہوں اس لئے میں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے ۔اس کے علاوہ میرے ماں باپ تیرے ماں باپ سے افضل ہیں اور میں تجھ سے افضل ہوں پھر تیرے ہاتھ پر کیوں کر بیعت کروں ۔کاش میں ایسی جگہ اس زمانہ فتن میں ہوتا کہ کوئی مجھے نہ جانتا نہ کسی کو میرا پتہ معلوم ہوتا تو سب سے اچھا تھا۔

"دوراں چو بے وفاست خوشا آہوں دشت کا رامگاہ خویش بویرانہ ساختند"

شیعی علماء یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اپنی آخری عمر میں تین باتوں کے فوت ہو جانے پر افسوس کیا کرتے تھے ایک تو یہ کہ علی بن ابی طالب کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہیں کی۔ دوم۔ یہ کہ ان کے مخالفوں سے میں نے جنگ کیوں نہیں کی تیسرے ایک دن شدت گرمی کی وجہ سے روزہ رکھ سکا. بس ان تین باتوں کا افسوس کرتے تھے اور روتے تھے. فقط.

سعد بن ابی وقاص کا جواب: سعد بن ابی وقاص نے معاویہ کے خط کا جواب دیا کہ تم نے محض غلط طریقہ سے مجھے بیعت کی دعوت دی. تو اپنے خط میں یہ بھی لکھتا ہے کہ عثمان ظلم سے مارا گیا حق و باطل میں رب العلمین بہتر فرق کرنے والا کوئی نہیں. میں علی سے برسرِ پیکار ہونا نہیں چاہتا .نہ اس کے خلاف تجھے مدد دونگا. یہ یہ فتنہ جو مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے میں اس سے اپنا پہلو بچانا چاہتا ہوں. باقی طلحہ اور زبیر کی نسبت جو تو نے لکھا ہے کہ وہ تو طلب خون عثمان میں کھڑے ہو گئے تجھے پھر عذر کیوں ہے اس کا جواب یہ کہ مناسب تو انھیں بھی ایسا نہ تھا باقی اللہ تعالی ان کی خطاؤں کو معاف کریگا. فقط۔

محمد بن مسلمہ کا جواب: معاویہ میں نے تیرے خط کو پڑھا. اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ملک گیری کی تو خواہش رکھتا ہے. یاد رکھ علی پر میں تجھے کبھی ترجیح نہیں دوں گا. اور نہ تیری خاطر سے اس کی مخالفت کروں گا. پھر یہ جو تو نے لکھا ہے. کہ تو نے اس وقت عثمان کو مدد نہ دی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میں اپنے قدرت نہ دیکھتا تھا تو کیا خاک مدد کرتا. میں نے اپنی تلوار کو توڑ ڈالا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی. میرے ساتھ کل صحابہ رسول گوشہ نشین ہو گئے. رسول اللہ نے مجھے اس فتنہ کی خبر دیدی تھی. تعجب تو تجھ پر ہے کہ زمانہ محاصرہ میں عثمان تجھ سے طالب مدد ہوا اور تیرے پاس قاصد وق پر قاصد دوڑائے مگر تیرے کان پر جوں تک نہ رینگی. حالانکہ تیرے پاس فوج بھی تھی تو اس کی مدد کو آ سکتا تھا مگر تو نہیں آیا اور تو نے اپنے آرام میں خلل نہ ڈالا. غرض باغی عثمان پر غالب آئے اب تجھے اچھا حیلہ ہاتھ لگ گیا. شاہی کا تاج سر پر اور خاتم مملکت انگلی میں پہننا چاہتا ہے فقط۔

بصرہ: آپ نے جنگ جمل کی کہانیاں بھی پڑھیں اور امیر معاویہ حضرت علی اور دیگر صحابہ کی سر گوشیوں اور خط کتابت کو بھی ملاحظہ کیا. دنیا کی کوئی تاریخ بھی ایسی نہیں ملنے کی جس میں سرّ گوشیوں کی لفظ بہ لفظ نقل اور باہمی رنج کی گفتگو ملاحظہ فرمائیں گے. خیال کیجئے اس ہولناک او رمہیب دروغ کو کہ معاویہ اپنے محل میں بند عمرو بن العاص سے باتیں کررہے ہیں اور اس کے چا رصدی کے بعد ایک شیعہ مورخ یہ سر گوشی نقل کررہا ہے جتنی باتیں نقل ہوئی ہیں وہ اول سے آخر تک غلط ہیں کیوں کہ کسی خط یا گفتگو کی ضیعف سے ضیعف سند موجود نہیں ہے.. یہ شیعی داستان نویسوں کی عنایت ہے کہ کہانیوں کا اتنا انبار ہوگیا. حضرت علی کے واقعات زندگی کے بیان میں یہ پہلی جلد ختم ہوئی ہے. دوسری جلد اس کے بعد آپ دیکھیں گے اس جلد میں جنگ صفین کا پورا قصہ وضاحت سے بیان ہوگا. آپ کے سیاسی. اخلاقی اور انتظامی معاملات پر پوری روشنی ڈالی جا ئے گی نہج البلاغۃ اور ایک دیوان پر جس کی نسبت آپ سے دی جاتی ہے پوری بحث ہوگی. آپ کی شہادت کی من وعن ساری کیفیت بیان کی جائے گی آپ کی نصائح اور ضرب الامثال کی پو ری حقیقت کھولی جائے گی. غرض یہ دوسری جلد زیادہ دلکش ہوگی انشاء اللہ. اس کے بعد اصلی حالا ت سارے بیان کردیئے جائیں گے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے اس پہلی جلد میں جہاں تک انکشاف حالات ہوا ہے یہ بھی اس صدی کا ایک معجزہ ہے کہ وہ حالات جن سے علماء بھی نا آشنا تھے عامہ خلایق کے سامنے آگئے. دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہوگیا.

کتاب شہادت کی پہلی جلد ختم ہوگئی۔

واقعاتِ کربلا کیا ہیں؟

اس کتاب میں مجددانہ و محققانہ دلائل ہیں ہمیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ ہماری ہر دلیل قطعی الدلالت ہے اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے کا رہنے والا ہو۔ کسی کی مجال نہیں کہ ہماری کسی دلیل یا تحقیق کا کوئی جواب دے سکے ہماری جرأت اور دلیری کو دیکھئے کہ ہم حقیقتِ اظہار کرنے کے لیے "کتاب شہادت" شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں اس پر بحث نہیں کہ کوئی اس پر کان لگائے یا نہ لگائے کوئی اس کا جواب دے یا نہ دے ہاں یہ بات مسلم ہے تمام بیہودہ، مشکوک غلط الزامات، ناپاک افترا پردازیاں، شدید زبانی بے رحمیاں اور غلیظ تحریریں اسلام کے روشن مسائل پر غلط اتہامات سب مٹا دیئے جائیں گے۔ سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کیا ہے اور دیا ان طریقت نے کیا سمجھ رکھا تھا۔ اصلیت کیا ہے اور بیان کیا کیا جاتا تھا یہ ساری باتیں صاف طور پر عیاں ہو جائیں گی ہاں کوئی بھی ہمارے مقصد کو کسی غلط فہمی میں نہ ڈھالنے کی کوشش کرے کہ شیعی دنیا یا ان کے چھوٹے بچے مذہب پر حملہ کرنا ہمارا مقصود ہے نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔ حاشا وکلا غرض صرف یہ ہے کہ اسلام اور بزرگان اسلام پر جو اتہامات لگائے گئے ہیں ان کا تار و پود الگ کر کے دکھا دیا جائے اور مجددانہ و محققانہ بحثوں سے یہ بات ثابت کر دی جائے کہ ایسے غلط اتہامات اور الزامات سے ان کی شان بہت ارفع و اعلیٰ ہے اس میں صدیق اکبرؓ بھی ہیں عمر فاروقؓ بھی ہیں عثمان غنیؓ بھی ہیں اور علی مرتضیٰؓ بھی ہیں ان پر اور ان جیسے جلیل القدر صحابہ پر خدا ناترسوں نے اس قدر طوفان برپا کیے ہیں ایسے ایسے الزام ان پر لگائے ہیں کہ ناواقف شخص تو ایک دفعہ کانپ اٹھے گا اور دل میں یہ خیال کرے گا کہ جس دین خدا کی تعلیم کا یہ اثر ہو جس نبی کی اولوالعزمی اور اعلیٰ درجے کی شان و عظمت کا یہ دعویٰ کیا جاتا ہو اس کے خاص خاص صحابہ کی یہ کیفیت تھی پھر بھلا دین خدا اور رسول کا کیا اعتبار کیا جائے۔ بس اس بات کو خیال کر کے اسلام اور بزرگان اسلام دین خدا اور رسول خدا کی حمایت پر ہمارا قلم اٹھا ہے اور جب تک یہ قلم ہمارے ہاتھ میں ہے ہم ایسی حمایت کو کبھی بھی ترک نہ کریں گے ہم اسے اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں فقط۔